ایم اے راحت
اپسرا

ساری حویلی خود پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ ہر ایک ہی فکر میں غلطاں، ایک دوسرے سے بے نیاز اپنی ذات میں گم۔ جو اب سب عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کسی کو کسی سے غرض نہیں تھی۔ ان سب کی بس ایک ہی ڈیوٹی تھی۔ ملک صاحب کو ہر حال میں خوش رکھنے کے لیے۔ دن کو رات اور رات کو دن سمجھنا۔ ملک صاحب خوش تو خدا خوش۔ ملک خداداد ہی اس حویلی کے خدا تھے۔ ان کی ذات پوری کی حویلی پر مسلط تھی۔ مجال کسی کی کہ ان کی آواز پر آواز نکالے جس نے آواز بلند کی راندۂ درگاہ ہوا۔ اس کے لیے حویلی ہی میں کیا۔ ملک صاحب کے آٹھوں کا ذہن میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ملک صاحب کی خوشنودی عزت بخشتی تھی اور ان کی ناراضگی ذلت و رسوائی۔

آٹھ بیٹوں کے باپ تھے ——— لیکن آٹھوں بیٹوں سے زیادہ جوان تنومند اور صحت مند۔ بیٹیوں کا ہر بیٹیوں پر تو خیر آنچ نہیں آتی تھی لیکن باہر سے حسین عورتیں اور ڈولیاں آتی رہتی تھیں۔ رقص و سرود کی محفلیں آئے دن بھی رہتی تھیں۔ حویلی کے ایک مخصوص حصے میں یہ رنگ رلیاں ہوتی تھیں۔ لیکن کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ بیٹے بھی باپ کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ [illegible] یہ بے ہودہ جنگلی شرافت میرے سینے میں آ سمائی تھی اور مجھے پریشان کرتی رہتی تھی۔ ورنہ اس حویلی میں اس کی کیا گنجائش تھی۔ جہاں کے دن اور راتیں ہارمونیم اور طبلے کی آوازوں سے مرتعش ہوں۔ جہاں کے چپے چپے میں گھنگھروؤں کی جھنکار بسی ہو۔ جہاں کا قانون ملک خداداد خان کا بنایا ہوا ہو۔ وہ قانون جو کتابوں میں نہیں تھا۔ کتابوں کا اس حویلی میں کوئی گزر نہیں تھا۔ کتابیں پڑھ کر عمر ضائع کرنے کے بجائے یہاں زراعت کی عملی تعلیم مناسب سمجھی جاتی تھی۔ زرخیز اور بانجھ زمین کی شناخت، فصلوں کی بوائی اور کٹائی کے طریقے۔ کسانوں سے خون پسینے کی کمائی کیسے وصول کیا جا سکتا ہے۔ مزدوروں کو آدھے پیٹ روٹی دے کر کس طرح زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ کس طرح انہیں ان کی اوقات بتائی جاتی ہے۔ خود کو اونچا رکھنے کے لیے دوسروں کو نیچے رکھنے کا طریقہ۔ تعلیم تھی تو بس یہی تھی اور یہی تعلیم اس حویلی میں رائج تھی۔

جو ملک خدا داد صاحب سے بڑا بیٹا تھا۔ باقی بھائی ایک دوسرے سے ایک ایک سال چھوٹے تھے۔ دولت کی ریل پیل نے انھیں جائز و ناجائز [illegible] تھا اور ملک صاحب [illegible] [illegible] کوئی تصور [illegible] [illegible] سے بعد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ملک صاحب نے ایک بار کہہ دیا تھا [illegible] [illegible] پھر کسے جرأت تھی کہ [illegible] [illegible] لیکن مجھے اس بات سے اختلاف تھا [illegible] [illegible] تو انہوں نے میرے [illegible]

"[illegible] [illegible] [illegible] زندگی اور موت [illegible] [illegible] [illegible] جہاں کسی کو آپ کی [illegible]"

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] ملک صاحب کا پیغام دیا۔

"[illegible] آپ کو بلا رہے ہیں۔"

[illegible] ملک صاحب کے [illegible] [illegible] ملک صاحب کے علاوہ کوئی [illegible]

"بیٹھو [illegible] ہو؟" [illegible] [illegible] [illegible]

"ایک ضروری کام سے بلایا ہے تمہیں۔"

"جی ابا جی۔ حکم دیجیے۔"

"تم غلام علی کو جانتے ہو؟"

"مختار غلام علی۔"

"ہاں۔ خالو غلام علی۔" ملک صاحب کی آواز میں عجیب سا طنز ابھر آیا۔

"کیوں نہیں۔"

"اس کی بیٹی جمیلہ کو دیکھا ہے؟"

"نہیں ابا جی۔ ہمارا ان سے ملنا ملانا ہی کب ہے؟"

"میں نے دیکھا ہے۔ میں اپنے حالات سے کبھی غافل نہیں رہتا۔ میں نے اسے ابھی صبح دیکھا ہے۔ گلاب کی کلی کو کبھی کھلتے ہوئے دیکھا ہے۔ شبنم کے قطرے شرمسار ہو جاتے ہیں اس کے حسن کے سامنے۔ اپنی ماں کی جوانی ہے۔ بالکل حسینہ کی طرح ویسی کی ویسی۔ دیکھو گے تو تڑپ اٹھو گے۔"

"جی۔" میرے منہ سے بمشکل نکلا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"تم حسینہ کے بھانجے ہو۔ حق ہے تمہارا ان لوگوں پر اور خاص طور سے جمیلہ پر۔ کیا سمجھے؟"

"جی۔" میں اسی انداز میں بولا۔

"تمہاری ماں کبھی نہیں گئی ان لوگوں کے پاس۔ لیکن اب جائے گی تمہارے ساتھ۔ تھوڑے دن رہو وہاں۔ پرانے شکوے دور کر دو۔ جمیلہ کو شیشے میں اتار لو۔ تمہارے لیے یہ کام مشکل نہ ہوگا۔ جوان ہو۔ خوبصورت ہو اور ملک کے بیٹے ہو۔ جمیلہ کو خراب کر دو۔ اسے مجبور کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ بھاگ جائے۔ اگر وہ تیار ہو جائے تو اپنی ماں کو چھوڑ دو وہ خود آ جائے گی۔ قادر خان تمہارے پیچھے ہوگا۔ وہ سارا بندوبست کر دے گا تمہارے فرار ہونے کا۔ آرام سے رہو کچھ دن اور اس کے بعد تم واپس آ جاؤ۔ جمیلہ کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا اور پولیس اسے خود غلام علی کے پاس پہنچا دے گی۔ اپنی فکر مت کرنا تمہارے بچاؤ کا سارا بندوبست ہو جائے گا۔"

ملک صاحب کی آواز ابھر رہی تھی اور میرے بدن میں تھرتھری ہو رہی تھی۔ یہ عجیب منصوبہ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ ملک صاحب حقے کے کش لگا رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک خوفناک چمک لہرا رہی تھی۔ میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ دفعتاً انہوں نے حقے کی نے چھوڑ دی، اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"خاموش کیوں ہو؟"

"آپ کی باتوں پر غور کر رہا ہوں ابا جی۔"

"کیوں غور کر رہے ہو؟"

"آپ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں؟"

"یہ غور کرنا مزدوری کا ہے۔ کیا اس کے لیے اتنا ہی کافی

نہیں ہے کہ میں نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔"

"کافی ہے۔ لیکن کوئی کام کرتے ہوئے اگر اس کے بارے میں کچھ معلومات بھی ہوں تو کام میں آسانی ہو جاتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ میری یہ بات شاید ان کے دل کو لگی تھی۔ حقے کے کش لینے لگے پھر گردن اٹھا کر بولے۔

"غلام علی سے میری پرانی دشمنی ہے۔ پچیس سال پرانی دشمنی ہے لیکن میرے سینے میں آج بھی الاؤ روشن ہے۔ حسینہ میری مانگ تھی۔ میری بیوی بننا تھا اسے۔ وہ تمہاری ماں سے بہت خوبصورت تھی۔ بہت حسین تھی وہ۔ اور میں اسے پسند کرتا تھا۔ لیکن غلام علی مجھ سے پہلے اسے پسند کر چکا تھا۔ وہ بھی بہت بڑے علاقہ دار کا بیٹا تھا۔ جو بیس گاؤں تھے اس کے جو اب کم ہوتے ہوتے چار رہ گئے ہیں۔ آٹھ گاؤں میرے پاس ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب اس کے یہ چاروں گاؤں بھی بک جائیں گے۔ مجھ تو مر باقی ہے۔ لاگ چلی ہی تھی۔ میں کی حسینہ سے۔ زبان وہاں بھی تمہارے نانا نے اس کے باپ کو۔ لیکن حسینہ مجھے پسند تھی۔

میں نے کوششیں شروع کر دیں۔ ہر طرح کے جال ڈالے — اور کسی نہ کسی طرح تمہارے نانا کو تیار کر لیا لیکن جب میں ولایت سے گھر پہنچا تو غلام علی بھی اپنا کام کر چکا تھا۔ حسینہ اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی۔ بالغ ہو گئی تھی وہ۔ اس نے عدالت میں نکاح پڑھوا لیا حسینہ سے اور اب کوئی ترکیب نہیں تھی۔ میرا سینہ جہنم بن گیا۔ تمہارے نانا نے پگڑی ڈال دی میرے باپ کے قدموں میں اور میرا نکاح حسینہ کی بڑی بہن سے ہو گیا۔ میں دل میں طوفان چھپائے آ گیا۔ اور یہ طوفان آج بھی میرے سینے میں موجزن ہے۔ غلام علی کی بیٹی اٹھارہ سال کی ہو چکی ہے۔ وہی کھیل دوبارہ ہوگا۔ مگر غلام علی کی بیٹی کا نکاح نہیں ہوگا کسی عدالت میں وہ آوارہ گردی کے الزام میں تھانے میں پکڑی جائے گی! اخبارات میں تصویریں چھپیں گی اس کی۔ پھر غلام علی اپنی بیٹی کو عدالت سے چھڑائے گا لیکن کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا وہ ہمارے خلاف۔ کیونکہ اب وہ صرف چار گاؤں کا چودھری ہے۔ ہمارے پاس آٹھ گاؤں ہیں۔ اور ہزاروں بیگھہ زمین بھی ہے۔" ملک صاحب کے لہجے میں تکبر تھا۔ "سنا تم نے بابر دلاور خان؟"

"ہاں ابا جی۔"

"یہ تو مردوں کے لہجے میں بول رہے ہو بابر۔ ایسا ہوتا ہے مردوں کا لہجہ۔ صاف الفاظ میں بولو۔ یہ کام کر سکتے ہو یا نہیں؟ میرے دوسرے بیٹے بھی ہیں۔ لیکن باپ کے کاندھوں کا بوجھ پہلا بیٹا ہی سنبھالتا ہے۔ اس لیے میں کام تیرے سپرد کرتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ابا جی۔ میں یہ کام کروں گا۔" اس بار میری آواز میں لکنت نہیں تھی۔ میرے دل و دماغ کی کشمکش ایک نقطے پر پہنچ گئی تھی۔

"جیتا رہ۔ بڑے لوگوں کے یہی کھیل ہوتے ہیں اور تو بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ بڑا بننے کے لیے بڑے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا اور یہ دیکھ۔ تیرا باپ تجھے کیا تحفہ پیش کر رہا ہے۔" ملک صاحب نے اپنی جیب سے ایک تصویر نکال کر مجھے دے دی۔ میں نے تصویر دیکھی اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔

تیکھے نقوش، حسین آنکھیں، بھرا بھرا بدن۔ وہ مسکرا رہی تھی لیکن ان خطوط میں میری ماں کے نقوش اور خدوخال کی جھلک تھی۔

○

وہ خدوخال سب مرجھا گئے تھے۔ لیکن یہ نقوش شاداب تھے۔ بلاشبہ وہ حسین تھی لیکن جس چہرے میں ماں کی جھلک ہو وہ مقدس ہوتا ہے۔ میں نے میلی آنکھوں سے اسے نہیں دیکھا۔ اور تصویر اپنے پاس رکھ لی۔

"آج میں نے تیرے لیے اپنے سارے پروگرام ملتوی کر دیے ہیں۔ اور ایک بے کیف رات گزارنے جا رہا ہوں۔ تیاریاں کر لے اور سن اپنی ماں کو کچھ نہ بتانا۔ عورت عزت کی چیز ہوتی ہے۔ مردوں کے راز جب بھی عورت کے پاس جاتے ہیں۔ وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ میں خود اسے ہدایات دے دوں گا۔ تو اپنی تیاریاں کر لے۔"

"جی ابا جی۔"

"بس جاؤ۔ جوان ہونے کے بعد میں یہ پہلا کام تمہیں سپرد کر رہا ہوں۔ اسے انجام دے کر میری آنکھوں میں اپنے لیے جگہ بناؤ۔ اس دور کا ہر رشتہ کاروباری ہے۔ منافع نہ ہو تو کوئی رشتہ رشتہ نہیں رہتا۔"

واپسی پر میں سوچ رہا تھا۔ "ہاں ابا جی یہ تو ٹھیک ہے بعض اوقات رشتہ رشتہ نہیں رہتا۔ سارے رشتے کاروباری ہو جاتے ہیں۔"

میرے دل و دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ آج بہت سی باتوں کا انکشاف ہو رہا تھا۔ ماں کی یہ حالت بلاوجہ ہی نہیں ہوئی تھی۔ اسے اس حال کو پہنچایا گیا ہے۔ میرے نانا نانی مر چکے تھے۔ یوں بھی وہ درمیانہ درجے کے لوگ تھے۔ ایک خالہ تھیں جن کے تذکرے سننے آیا تھا۔ آج تک انہیں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ خالو کو بھی ایک بار دوسرے گاؤں میں دیکھا تھا جس سے پتا چلا تھا کہ

"پر اس سے دل نہیں لگتا تھا۔"

"اور تم نے چھوڑ دیا۔"

"ہاں۔"

"تعلیم یافتہ نہیں ہو؟"

"نہیں جناب۔"

میں نے جواب دیا اور کپتان ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"آئندہ کیا پروگرام ہے؟"

"جب تک آپ اس جہاز پر رہنے دیں گے رہوں گا اور جب آپ کو میری ضرورت نہیں رہے گی کہیں اتر جاؤں گا۔"

"میری طرف سے اجازت ہے جس ملک میں اترنا چاہو میں وہاں تمہارا بندوبست کر دوں گا۔ اگر جہاز پر رہنا پسند کرو گے تو میں جب تک یہ نوکری کر رہا ہوں۔ اس وقت تک تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"میں شکر گزار ہوں کیپٹن۔"

"شکریے کا تبادلہ ہمارے درمیان نہیں ہوگا۔" کپتان نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر بولا۔ "آج سے تم کیبن پیر واشر کی ڈیوٹی انجام دو گے۔ خلاصی کا کام ختم۔ مسافروں کے آرام کا خیال تمہاری ڈیوٹی ہوگی۔ ان کے کیبنوں کو درست کی چیزیں فراہم کرو گے۔ دس آدمی تمہارے ماتحت کام کریں گے۔"

"اوہ۔ میں شکریہ ادا نہیں کروں گا جناب۔" میں نے مسرت سے کہا۔

"کلاس سے درمیان معاہدہ ہے۔" کپتان نے میرے گلاس میں دوبارہ وسکی انڈیل دی۔

نئی ڈیوٹی زیادہ دلکش تھی۔ یہ ڈیوٹی مجھے کتنی دلکش اس قدر کام آرہی تھی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں مسافروں کے ساتھ گفتگو کر کے اس میں مہارت حاصل کرتا جا رہا تھا۔

جہاز طلپائن پہنچ گیا۔ اب میری تنخواہ بھی بڑھ گئی تھی اور اول بھی اب میں جذبات کے طوفان سے گزر چکا تھا۔ اس لیے میں نے طلپائن میں اپنے دوسرے ساتھیوں کا ساتھ دیا۔ اور یہاں کی عیش گاہوں سے لطف اندوز ہوا۔ طلپائن میں ہمارا قیام ایک ماہ دس دن رہا۔ یہاں سے مصر کا پروگرام تھا چنانچہ جہاز کا کام شروع ہو گیا۔ یہ جہاز کارگو اور مسافر بردار دونوں حیثیتوں کا حامل تھا۔ طلپائن کے مسافر اتر گئے تھے اور نئی بکنگ شروع ہو گئی تھی۔ بکنگ کا ریکارڈ میرے پاس ہی تھے اور میں مسافروں کو معلومات فراہم کر رہا تھا۔

ساما شائل نامی ایک خاتون کے کاغذات میں کچھ گڑبڑ تھی اور وہ بے چاری بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ مصر کے روایتی لباس میں ملبوس یہ عورت یا لڑکی جو بھی تھی جیسویں منزل میں ہوگی۔ بدن لطافت کا حامل تھا۔ قد و قامت متناسب اور بے حد حسین تھا۔ سیاہ نقاب کے پیچھے اس کی پریشان آنکھیں عجیب سحر انگیز تھیں۔ میں ایک لمحے کے لیے ان آنکھوں میں کھو کر رہ گیا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے کاغذات درست نہیں۔ وقت بالکل نہیں ہے اگر میں اس جہاز سے روانہ نہ ہو سکی تو میرے لیے بڑی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔" اس نے عاجزی سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ جائیے۔ کاغذات درست ہو جائیں گے۔" میں نے جواب دیا اور وہ اچنبھے میں رہ گئی۔ پھر اس کی آنکھوں سے ممنونیت کے جذبات جھلکنے لگے۔ اس نے ان حسین آنکھوں سے میرا شکریہ ادا کیا۔ اور اندر چلی گئی۔ میں نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ اس کے کاغذات کی خرابی درست کرا دی جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اپنی مصروفیات میں گم ہو گیا اور اسے بھول گیا۔ تمام مصروفیتوں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد جہاز نے لنگر اٹھا لیے۔ کیبن انچارج کی حیثیت سے میں نے جہاز کی روانگی کے بعد کیبنوں کی چیکنگ شروع کر دی۔

فرسٹ کلاس کے ایک کیبن پر میں نے دستک دی تو اندر سے ایک ترنم بار آواز سنائی دی۔

"آجاؤ۔" اور میں نے کیبن کا دروازہ دھکیل دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ حسین ناشی میں ملبوس ایک خاتون کسی عربی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے نگاہیں اٹھائیں اور میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ خدوخال تو میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن یہ آنکھیں سرزمین مصر کی پراسرار داستانیں ان آنکھوں میں بکھری ہوئی تھیں۔ میں بھلا ان آنکھوں کو بھول سکتا تھا۔ یہ وہی خاتون تھیں جن کے کاغذات میں نے درست کر دیے تھے۔

انہوں نے بھی مجھے پہچان لیا تھا۔ "ارے آپ۔" وہ جلدی سے رسالہ رکھ کر بولیں۔ "تشریف لائیے۔"

میں بھی سنبھل گیا۔ مجھے اپنی ڈیوٹی یاد آ گئی۔

"آئیے نا۔ آپ رک کیوں گئے؟"

"معاف کیجیے گا میں ـــ"

"معاف کر دیا۔ تشریف لائیے۔" اس نے شوخ لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"کیبنوں کی دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے۔ مجھے تو علم بھی نہیں تھا کہ آپ اس کیبن میں موجود ہیں۔"

"پہلے ہاں یقین ہوں کہ آپ مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک نہیں آئے لیکن تشریف تو لائیے۔"

"جی شکریہ۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟" میں نے کاروباری انداز میں پوچھا۔ وہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ لیکن مجھے اپنی اوقات یاد رکھنی تھی۔ اور پھر کسی دوم یا سوئم کلاس کی مسافر نہیں بلکہ فرسٹ کلاس کی مسافر تھی وہ۔ یقیناً صاحب حیثیت ہوگی۔ اس کے کاغذات کی درستگی میں نے کسی خاص مقصد کے تحت نہیں کرائی تھی۔ البتہ اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہ رہوں گا کہ اس کی سحر خیز آنکھوں نے مجھ سے ایک لمحے میں سب کچھ کرا لیا تھا۔ بہرطور میں آگے بڑھا۔ اس نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا تو میں بیٹھ گیا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر میں نے کہا۔

"میں اپنا سوال پھر دہراؤں گا خاتون، کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو؟"

"ہے۔" اس نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

"جی فرمائیے، میں ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔"

"سوچ لیں آپ، میری تکلیف ذرا مختلف قسم کی ہے۔"

وہ شرارت آمیز انداز میں ہنس پڑی۔ میں نے ابھی تک خود کو سنجیدہ ہی رکھا تھا۔ لیکن ایک ہلکی سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر بھی آ گئی۔

"ہم آپ کی تمام تکلیفوں کو دور کرنے کے ذمہ دار ہیں۔"

"میں تنہائی کی تکلیف کا شکار ہوں، دیکھیے آپ۔ بور ہو رہی ہوں میں۔ یہ چند رسالے ہیں میرے پاس جو میرا ساتھ دے رہے ہیں۔ ورنہ ـــ"

"آپ انہیں پڑھ لیں تو میں آپ کو اور رسالے مہیا کر دوں گا۔ جہاز کی لائبریری میں ہر طرح کے رسالے موجود ہیں۔"

"رسائل بور کرتے ہیں۔" اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ یہ کمی تو ہے ان میں۔"

"کیا آپ یہ کمی پوری نہیں کر سکتے؟"

"میں کیا عرض کروں خاتون۔ ملازم آدمی ہوں۔ ویسے آپ مجھے جب بھی طلب فرمائیں گی میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"ابھی آپ کی طلب تو اس وقت بھی ہے مجھے۔ سوچ رہی تھی کہ کافی پیوں۔ لیکن تنہا کافی پینے میں کوئی مزا نہیں۔ اب بتائیے آپ میری مشکل کس طرح حل کریں گے؟"

"کیبن میں آپ سے پہلے کے لوگ موجود ہیں۔ شام کو ہی کلب کی تقریبات شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ کو ان تقریبات میں لطف آئے گا۔" میں نے کہا اور وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔

اس کے چہرے کی شوخ مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ پھر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ اس وقت تمام ضروریات موجود ہیں۔ اگر کوئی تکلیف ہوئی تو آپ کو اطلاع کرا دی جائے گی۔" یہ کہہ کر اس نے پھر رسالہ اٹھا لیا۔ میں ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا۔ یہ ناراضگی کا انداز تھا لیکن میں کیا کرتا۔ اس انداز کی پذیرائی کیسے کی جا سکتی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ مجھے اس قدر گھاس ڈال رہی تھی۔ کیا صرف اس لیے کہ میں نے اس کا ایک چھوٹا سا کام کرا دیا۔ ایک لمحے کے لیے میں تذبذب کا شکار رہا۔ اس نے دوبارہ میری طرف رخ بھی نہیں کیا تھا۔ بس رسالے میں مصروف رہی اور میں آہستہ قدموں سے باہر آ گیا۔

دوسرے کیبن میں داخل ہوا اور پھر تیسرے اور چوتھے میں اور پھر چند لمحات کے بعد میں اس کی ان کیفیات کو بھول چکا تھا۔ مسافر ہوتے ہیں طرح طرح کے مسافر ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ حسین تھی۔ ذہن کو ڈانواڈول کرنے والی تھی۔ لیکن مجھے یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ چند دن پہلے میں صرف ایک خلاصی تھا۔ جہاز کا فرش صاف کرنے والا اور اس کے دوسرے کاموں کی نگرانی کرنے والا۔ لیکن کپتان کی مہربانی نے مجھے یہ حیثیت بخش دی تھی۔ اور میں اس حیثیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اگر کسی مسافر نے میری بدتمیزی کی شکایت کر دی تو مجھے کپتان کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ جب کہ وہ مجھ پر بے حد بھروسہ کرنے لگا تھا۔ ٹھیک ہے اس کی ناراضگی مناسب ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے جو میرے لیے پریشان کن ہو۔

میں اپنے کاموں میں مصروف رہا۔ شام ہو گئی۔ رات کو میری ڈیوٹی ختم ہو جاتی تھی اور یہ ذمہ داری ایک دوسرے آدمی کو سونپ دی جاتی تھی کہ وہ کیبنوں کی نگرانی کرے۔ میں نے اپنے کیبن میں آ کر لباس وغیرہ تبدیل کیا اور پھر کلب کے لیے نکل آیا۔ زندگی کی تفریحات میں اب مجھے دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔ ذہن سے وہ تکدر اور خرابیاں دور ہو چکی تھیں جو اسے پراگندہ کیے رہتی تھیں۔ چنانچہ اب میں نے بھی کچھ دوست بنا لیے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑی بہت پی پلا لیا کرتا تھا۔ اس وقت بھی میں اپنے اچھے خاصے لباس میں ملبوس کلب کے ہال میں داخل ہوا۔ میرے بہت سے ساتھی وہاں موجود تھے اور شاید میرا انتظار بھی کر رہے تھے۔ ان میں سے دو ایک نے ہاتھ ہلائے اور میں ان کی جانب

تھا۔ بلکہ دوپہر کے کھانے کے بعد وہ میرے پاس پہنچ گئی۔
"کہاں غائب ہیں کیپٹن۔ صبح سے۔" اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔
"بس مس سارہ۔ میری مصروفیات آپ کے علم میں ہیں۔"
"ایسی بھی کیا مصروفیات۔ آپ تو کیبن سپر وائزر ہیں اور دوسروں کی ضروریات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ میری بھی پوچھی آپ نے؟"
"اوہ! معافی چاہتا ہوں۔ کیا کوئی الجھن تھی؟"
"جی۔" اس نے جواب دیا۔
"کیا الجھن تھی؟"
"میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ یہی الجھن تو تھی میری۔" اس نے کہا اور آہستہ سے ہنس پڑی۔
شام تک وہ میرے ساتھ رہی اور جب میری چھٹی ہو گئی تو اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔
"بس آپ میرے ساتھ میرے کیبن میں چلئے۔ لباس تبدیل کر آئیے۔ رات کا کھانا ساتھ کھائیں گے۔ بیٹھیں گے۔ باتیں کریں گی۔" میں اسے ایک لمحے تک دیکھتا رہا۔ یہ آخر کیا چاہتی ہے۔ اس قدر اپنائیت کسی خاص مقصد کے تحت ہے۔ یا پھر جیسا کہ اس نے کہا، وہ تنہائی کا شکار ہے اور اس کی تنہائی نے اسے اس بات پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ مجھ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرے۔ بہرطور میں انکار نہ کر سکا۔ خود میرے اپنے ذہن میں بھی تجسس تھا۔ میں نے لباس تبدیل کیا اور اس کے کیبن میں پہنچ گیا۔ وہ ایک خوبصورت سلیپنگ گاؤن میں ملبوس آرام کرسی پر دراز تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائی اور سامنے اشارہ کیا۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
"جناب عالی۔ اب آپ کی ڈیوٹی تو ختم ہو چکی ہے اب جہاز پر آپ کی کیا حیثیت ہے؟"
"اس جہاز پر میری حیثیت ایک ملازم کی ہوتی ہے۔"
"اچھا۔ اچھا۔ آپ کی حیثیت جو بھی ہو، اس وقت آپ چائے منگوا لیجئے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔
پھر میں خود ہی چائے کے لیے کہہ آیا ___ اور تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے دو پیالیاں چائے تیار کی اور پھر ایک پیالی میرے آگے رکھ کر ایک خود لے کر بیٹھ گئی۔
"بابر صاحب، جب بھی کوئی اجنبی شخص اتنی بے تکلفی سے کسی سے متاثر ہو تو ذہن میں لاتعداد خیال پیدا ہو جاتے ہیں۔ سوچ سمجھانے کیسی کیسی صورتیں نگاہوں میں لے آتی ہے۔ اور آپ نے بھی یقیناً میرے بارے میں سوچا ہو گا۔"
"ہاں۔ میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔"
"فطری عمل ہے۔ انکار کا کیا سوال ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "کیا سوچا آپ نے میرے بارے میں۔ میں جان سکتی ہوں؟"
"کچھ نہیں۔ بس یہی کہ آپ کی شخصیت کافی پراسرار ہے۔ لیکن میں نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ آپ سرزمین مصر سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو خود اسرار و رموز کی سرزمین ہے۔" وہ ہنس پڑی اور آہستہ سے بولی۔
"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ میری زندگی سے کچھ اسرار اور واقعات وابستہ ہیں لیکن بذات خود میں ٹھیک ٹھاک ہوں۔ یہ پراسرار واقعات میرے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ میں آپ کو پہلے بتا چکی ہوں۔ میں نہیں جانتی وہ کون لوگ تھے آج تک نہیں جان سکی۔ لیکن اتنا معلوم تھا کہ وہ میری موت کے خواہاں تھے۔ اگر میں ان کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ مجھے یقیناً قتل کر دیتے۔ موت کا خوف انسان کی فطرت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ بابر صاحب یقین کریں۔ اس سے قبل کبھی میرے ذہن میں کسی ایسے ساتھی کی خواہش نہیں ابھری جو میری زندگی میں داخل ہو جسے میری تنہائیاں میسر ہوں جو میرا محافظ ہو لیکن ملازم نہ ہو۔ بابر صاحب یہ خواہش شدت اختیار کر چکی ہے۔" وہ خاموش ہو گئی۔
"آپ نے شادی نہیں کی۔"
"نہیں۔"
"کیوں۔"
"بس نہیں کی۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہے میرے پاس۔"
"آپ کے والدین یا سرپرست۔"
"کوئی نہیں ہے میرا۔"
"اوہ۔ مجھے افسوس ہے۔"
"صرف افسوس۔ ایک کاروباری افسوس، رسمی الفاظ۔ کیا یہ رسمی الفاظ ہی میرا مقدر ہیں کوئی نہیں ہے اس دنیا میں جو رسموں کے سہارے چھوڑ کر میرا ہمدرد بنے۔ میرا ساتھی بن جائے۔"
"میں نہیں سمجھا۔"
"میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتی ہوں بابر۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا اور میں چونک پڑا۔

"مجھے ___ ایک معمولی سے انسان کو!"
"ہاں۔ تمہیں، ایک معمولی سے انسان کو۔ مجھے تم ___ میں تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ اپنی ساری پریشانیاں تمہیں سونپ کر خود کو ہلکا کرنا چاہتی ہوں۔ مسٹر بابر! جہاز کی ملازمت چھوڑ دو۔ مصر میں میرے ساتھ رہو۔ میں ساری زندگی تمہاری خدمت کروں گی۔ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی۔ میرا وعدہ۔ میری یہ پیشکش قبول کر لو۔ بابر! خدا کی قسم ___ میں نے زندگی میں پہلی بار یہ کشادگی ہے اس کو شروع پر۔ میں ایسی ویسی نہیں ہوں۔ میں تمہیں کسی حال مشکلات میں پھنسنے نہیں دوں گی۔ تم میرے ساتھی بن جاؤ۔ اس بارے میں غور کر لینا۔ میں ___ میں کل تم سے ملاقات کروں گی۔ بابر پلیز!" وہ جذباتیت سے بولی۔ اور اٹھ کر چلی گئی۔ میں دنگ رہ گیا تھا۔
سارہ شمائل کی پیشکش میرے لیے بڑی انوکھی تھی۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ سرزمین مصر پر سکونت اختیار کروں گا کسی اتنی حسین عورت کو زندگی کی ساتھی بنانے کا تصور بھی کبھی میرے ذہن میں نہیں ابھرا تھا۔ لیکن سارہ شمائل ___ مجھے یوں لگتا تھا جیسے یہ پراسرار مصری حسینہ میرے حواس پر چھا گئی ہو۔ اور میں اس کے وجود سے علیحدگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہوں۔ پھر کیا کروں۔ کیا ایک عورت کے سہارے زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لوں۔
ساری رات اسی مخمصے میں پھنسا رہا۔ رات کے آخری پہر میں نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے سوچا کہ میں نے انتہائی ناگزیر حالات میں اپنے وطن کو خیرباد کہا ہے۔ وطن واپسی کا اب کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں ہے۔ جو لوگ کسی بھی ناطے سے میرے اپنے تھے۔ وہ اب اتنی دور ہیں کہ اپنائیت کا کوئی تصور ان سے وابستہ نہیں رہتا تھا۔ پھر ان کے لیے سوچنا بے معنی تھا۔ باقی رہا اس جہاز کا معاملہ ___ تو کپتان بے شک میرے اوپر مہربان ہے۔ لیکن کسی کی ان مہربانیوں سے کب تک استفادہ کر سکوں گا۔ بالآخر ایک دن اس سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔ اگر تقدیر میں اس اجنبی سرزمین پر بود و باش لکھی ہوئی ہے تو یوں ہی سہی۔ مجھے سارہ شمائل کی رفاقت قبول کر لینی چاہئے۔
اور اس آخری فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ سارہ شمائل بے چین تھی۔ صبح ہوتے ہی میری تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ میں خود بھی اس کے پاس پہنچنے والا تھا۔ اس کی حسین آنکھوں میں فکر مندی دیکھی اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"میں رات بھر نہیں سو سکی۔" وہ بولی۔
"تمہاری حسین آنکھوں کا خمار اس کا مظہر ہے۔"
"کیا فیصلہ کیا تم نے؟"
"یہی کہ ایک دولت مند عورت کی دولت پر عیش و عشرت سے زندگی بسر کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔
"گویا ___ گویا ___ تم نے میرے حق میں فیصلہ کیا ہے؟"
"ہاں سارہ۔"
"لیکن بابر۔ تم اس انداز سے کیوں سوچتے ہو؟ تم نے جو الفاظ کہے ہیں وہ مناسب نہیں ہیں۔ زندگی کے ساتھی اس طرح نہیں سوچتے۔ جو کچھ میرے پاس ہے وہ تمہارا ہے۔ اس میں دوئی کا کیا تصور ___؟"
"کاش سرزمین مصر میرے لیے سکون بخش ہو۔ کاش میں اپنی عورت کو اپنے بازوؤں کی کمائی کھلا سکوں۔" میں نے کہا۔
"جو کچھ میرے پاس ہے تمہارا ہے بابر۔ براہ کرم اس انداز میں نہ سوچو۔ مجھے تمہارا سہارا مل جانا یہی میرے لیے کافی ہے۔ میں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی بابر کہ تمہارے اس فیصلے سے میں کس قدر خوش ہوں۔" اس کی آواز [illegible] رہی تھی۔
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرے پاس سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ جوں جوں سرزمین مصر قریب آتی جا رہی تھی میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جاتی تھیں۔ کپتان سے بھی اس سلسلے میں بات کرنی تھی۔
چنانچہ اس رات میں اس کے پاس پہنچ گیا۔
"آؤ بابر! کیا کوئی خاص بات ہے؟"
"جی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"کیا بات ہے؟"
"میں آپ سے ایک اجازت لینے آیا ہوں۔"
"ضرور ضرور۔ کہو۔"
"میں مصر میں اترنا چاہتا ہوں۔"
"کیا مطلب؟"
"میں سرزمین مصر کو اپنا وطن بناؤں گا۔"
"اوہ! کوئی خاص خیال ذہن میں ہے۔ جہاز سے اکتا گئے ہو، ویسے یہ حقیقت ہے کہ سمندر کی زندگی ابتدا میں تو دلکش لگتی ہے۔ لیکن اس کے بعد فطرت پانیوں کی اس زندگی سے اکتا جانے لگتی ہے۔ بہرحال ٹھیک ہے۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا

یہ شخص جہاز کے شناختی
عملے کو بلانے کے لیے تیار ہوں۔ اس کے بعد تم دونوں کے حالات
کاغذات کے ساتھ آئندہ دیکھ لے گا۔
سنبھال لینا۔"

"بہت شکریہ جناب۔" میں نے جواب دیا۔ کپتان سے
گفتگو کرنے کے بعد میں مطمئن ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد
باقی وقت میں نے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے گزارا۔ ہمیں
ہونے والا تھا۔

جوں جوں جہاز سرزمین مصر کے قریب ہوتا جا رہا تھا میرے
دل میں بے چینی بڑھنے لگی۔ بالآخر جہاز منزل پر آ گیا۔ شام کے
وقت جب جہاز ساحل سے لگا تھا۔ ابھی اسے برتھ نہیں ملی
تھی۔ سارہ اور میں رات جہاز پر ہی رہے تھے۔ دوسری صبح ساحل
پر اتر سکتے تھے۔

میں بہت خوش تھا لیکن رات کو دس بجے کپتان نے
مجھے بلایا اور مجھ سے تنہائی میں گفتگو کی۔

"دوست! تم نے میری زندگی بچائی ہے۔ اس بار میں اپنے
بچانے والوں کو نہیں بھولتا۔ تمہارا احسان شامل ہے مجھے افسوس
ہے کہ اس احسان کا میں کوئی صلہ نہ دے سکا۔ تم نے مصر کے
ساحل پر اترنے کا فیصلہ کر لیا ہے اس میں کوئی مزاحمت تسلیم نہیں
کرتا۔ مگر میرا کہنا ہے کہ پھر تم جہاں چاہو۔ اس اجنبی زمین پر تمہارے
کام آئے گی۔" اس نے مجھے ایک چیز پیش کی اور کہا۔

"یہ کیا ہے دوست؟"

"یہ اس کی ضرورت ہوگی نہیں۔ الحمدللہ کہ مجھے
افسوس ہوگا۔ وہ بس ساتھ ذرا کے لیے ہی ہے۔ اب انکار کی گنجائش
نہیں تھی۔

کپتان نے مجھے بہت سی دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ
رخصت کیا۔ میں سارہ کے کیبن پہنچ گیا۔ وہ میرا انتظار کر رہی
تھی۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی۔

"کپتان کے کیبن میں تھے؟"

"ہاں۔"

"اسے معلوم تھا کہ تم مسلمان ہو گے؟"

"نہیں۔"

"یہ تم نے اچھا کیا۔ میں خود بھی یہی چاہتی تھی کہ تم کسی کو
کچھ نہ بتاؤ۔ خیر۔ مصر پہنچ کر تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"خوش ہوں۔"

"بہت۔"

"ہاں اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنا بڑا فیصلہ کیسے طے کر لیتا۔"

"تمہیں اس فیصلے پر کبھی شرمندگی نہ ہوگی۔" اس نے جواب
دیا۔ میں خاموش رہا تھا۔ دوسری صبح جہاز کو برتھ مل گئی۔ مسافر
نیچے اترنے لگے۔ ان کے عزیز و اقارب انہیں لینے آئے تھے۔
میں بھی جہاز سے نیچے اتر آیا۔ یہاں سے میں سارہ کے ساتھ نہیں
تھا۔ وہی جہاز کے دوسرے لوگوں کو میرے بارے میں کچھ علم
تھا۔ کپتان نے اس سلسلے میں مجھے ہدایت کر دی تھی۔

گودی سے دور نکل کر سارہ میرے ساتھ ہو گئی اور ہم ایک
ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے۔ سارہ کے چہرے سے مسلسل مسرت
کے آثار پیدا ہو رہے تھے۔ وہ بہت خوش تھی۔

بہرحال ہم قاہرہ کے ایک پر رونق اور متمول لوگوں کے
رہائشی علاقے میں پہنچ گئے۔ جس عظیم الشان کوٹھی کے احاطے میں
ٹیکسی رکی تھی وہ معمولی نہیں تھی۔ بس کا دن ہی کتنا عظیم الشان تھا
کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ لان کے بیچوں بیچ ایک وسیع و عریض
سوئمنگ پول تھا۔ ملازم قسم کے لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے
سارہ کے پہنچتے ہی ان میں ہلچل مچ گئی۔ سامان وغیرہ ٹیکسی
سے اتار لیا۔ اور سارہ مجھے ساتھ لیے اندر داخل ہو گئی۔ اس کوٹھی
میں ملازموں کی پوری فوج موجود تھی۔ اور سارہ کے علاوہ یہاں
کوئی اور نہیں تھا۔

میں یہ سب کچھ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ سارہ اتنی دولت مند
ہوگی۔ میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اور اس دولت مند عورت نے مجھے
اپنی زندگی کا ساتھی منتخب کیا تھا۔ مجھے یہی اندازہ ہو رہا تھا سارہ
کی گفتگو سے۔ وہ میرا زندگی بھر کا ساتھ چاہتی تھی۔

ہم ایک طویل راہداری سے گزر رہے تھے جس میں خوشنما قیمتی
قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواریں بھی شوخ تجربے سے بنی ہوئی تھیں عمارت
مصری طرز تعمیر کا ایک حسین شاہکار تھی اور اس میں مصر کی قدیم تہذیب و
ثقافت جھلک رہی تھی۔

میں اس کوٹھی کے ماحول سے بے حد متاثر ہوا۔ ایک عجیب سا
احساس میرے ذہن پر طاری ہو گیا تھا۔ سارہ مجھے لیے ہوئے ایک
کمرے میں آ گئی۔ یہ کمرہ بھی قابل دید تھا۔ خواب گاہ کی حیثیت رکھتا
تھا۔ بہت وسیع تھا۔ اور نہایت حسین فرنیچر سے آراستہ تھا۔

"یہ تمہارے لیے ہے۔"

"تمہارے علاوہ اس عمارت میں اور کوئی نہیں رہتا؟"

"ملازمین ہیں۔"

"میرا مطلب ہے ان کے علاوہ۔"

"نہیں۔ ان کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہاری خواب گاہ کون سی ہے؟" میں نے مسکراتے
ہوئے پوچھا۔

"اس کمرے کے برابر والی۔ لیکن اب وہ عارضی ہے۔" اس
کے بعد وہ مسکرا دی۔ میں بھی خاموش ہو گیا۔ میں نے اسے
پکڑ رکھا تھا۔ وہ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ پھر بولی

"کوئی تعجب نہیں کیا تم نے؟"

"احساس کمتری کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"کیوں؟"

"بس تم میری توقع سے زیادہ دولت مند ہو۔"

"نہیں۔ یہ سب کچھ میرا نہیں ہے۔ میں تو صرف اس کی متولی
ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں میں اس عمارت اور ملکوں کیا کروڑوں روپے
کی جائداد کی متولی ہوں۔"

"اور اس کا مالک؟"

"کوئی اور ہے۔ بتا دوں گی تمہیں۔" اس نے کہا میں نے
اس سلسلے میں کوئی ضد نہیں کی تھی۔ لیکن میرے ذہن میں الجھنیں ضرور
تھیں۔ اگر غور کیا جاتا تو اب میں ایک ملازمت سے ... کر چکا
تھا۔ میری تو نوکری ... پر بن آیا تھا۔ اور جو قانونی طور پر اس کے
ساتھ منسلک تھا۔ ہر چند کہ وہ مجھ پر مہربان تھی۔ لیکن اگر کبھی نامہربان
ہو جاتی تو میری مصیبت آ جاتی۔ اس لیے مجھے اس کے ساتھ تعاون
کرنا تھا۔

لیکن ابھی کوئی نوبت نہیں آئی۔ سارہ بہت اچھی ثابت
ہوئی۔ اس نے میرے آرام کا ہر طرح خیال رکھا۔ کبھی کوئی ایسی
بات نہیں ہوئی جو میری منشا کے خلاف ہوتی۔ میرے لیے لباس وغیرہ
تیار کرائے گئے۔ میری شخصیت ہی بدل گئی۔ وہ مجھے عربی سکھاتی
تھی۔ انگریزی تو ناگیل نے مجھے اچھی طرح سکھا دی تھی۔ لیکن میں عربی
پر بھی عبور حاصل کرتا جا رہا تھا۔ ابھی تک میں نے سارہ سے کوئی سوال
نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اس کے کسی معاملے میں دخل دیا تھا۔ زیادہ وقت
وہ میرے ساتھ گزارتی۔ اہرام مصر ابوالہول اہرام اور مصر کے تمام
قابل ذکر جگہوں کی سیر کرائی تھی۔ اس نے مجھے دریائے نیل میں کشتیوں
کا سفر کیا تھا ہم نے۔ بس کبھی کبھی وہ کہیں چلی جاتی تھی۔
اور دوسرے دن واپس آ جاتی۔ میں نے اس سلسلے میں کبھی نہیں پوچھا
تھا۔ پھر ایک شام اس نے چائے پیتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"بابر ایک بات کہوں برا تو نہ مانو گے؟"

"نہیں۔" میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"خواہ کیسی بھی بات ہو۔"

"ہاں۔"

"میں آج تک دوست تمہاری فطرت کو پرکھ رہی تھی تمہیں
جانچ رہی تھی میں۔"

"اس میں برا ماننے کی کیا بات تھی؟" میں نے کہا۔

"تم بہت کشادہ ذہن اور فراخ دل انسان ہو۔ میں تمہارے
ساتھ زندگی گزارنے میں فخر محسوس کروں۔" وہ بولی۔

"سارہ میں کسی طور خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا سارہ۔"

"تم جو کچھ بھی ہو میں تمہارا مقابل نہیں۔"

"اس خیال کو ذہن سے نکال دو بابر۔ تم بہت اچھے انسان
ہو۔ میں جانتی ہوں۔ بابر کیا ... ہم ایک دوسرے ...
اگر تم اجازت دو تو ... تو میں قاضی کو بلوا کر ... اس کی
میں کیا مزہ دار ہو گئی۔"

"تم نے اچھی طرح غور کر لیا ہے سارہ؟"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے
آہستہ سے کہا۔

ہماری شادی ہو گئی۔ نہایت سادگی سے قاضی نے ہمارا
نکاح پڑھا دیا۔ ہمارے ملازموں کی فوج ہماری شادی میں شریک
تھی۔ سارہ شرعی طور پر میری بیوی بن گئی۔ اس کا مجھے اب بھی میری
نگاہوں میں تحریک تھا لیکن میں نے اس موضوع پر سوچنا چھوڑ
دیا تھا۔ اس سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ میرا حلقہ احباب پیدا ہو گیا تھا
جس پر سارہ نے کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ خود مجھے اکساتی
تھی کہ میں اس کے وجود میں سمٹا نہ رہوں بلکہ اپنی زندگی میں دوسری
تفریحات بھی تلاش کروں۔ دولت کی کمی نہیں تھی۔ میرا حلقہ احباب
وسیع ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی میں نے بہت سے مشاغل اپنا لیے
تھے۔ مصریات سے متعلق بہت سی کتابیں میں نے حاصل کی تھیں
عربی پر بھی عبور ہو چکا تھا۔ اور قدیم مصریات میرا بہترین موضوع تھا۔
غرض زندگی کے چند سال بڑے پرسکون گزر گئے۔ لیکن زندگی
کبھی یکساں نہیں ہوتی۔ اگر اس میں تحریک نہ ہو تو لوگ زندگی
کیسے گزار سکتے ہیں۔ شعلہ ... میرا دوست تھا۔ لاابالی انسان

والد بیوی کی دولت پر عیش کرنے والا۔
ایک دن وہ شراب پیتے ہوئے اس نے مستی کے عالم
میں کہا۔ "تم خوش نصیب انسان ہو بابر۔"
"کیوں؟"
"ایک دولت مند عورت کی دولت پر عیش کر رہے ہو۔"
"وہ میری بیوی ہے۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔ ہے تو تمہاری بیوی ہی لیکن ۔۔۔"
"لیکن کیا؟"
"تم سے مطمئن نہیں ہے شاید۔"
"کیا بکواس کر رہے ہو؟" میں نے غصیلے انداز میں کہا۔
"میں نے اکثر اسے ایبرو میں دیکھا ہے۔ معتبر جیسے
ہونے والا ہے۔ مگر میں نے اسے پہچان لیا۔"
"ایبرو؟"
"تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم؟" وہ متعجب
ہوا۔
"نہیں۔"
"تب اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کسی دن۔ ایبرو بی
کے علاقے میں میری ایک ایبرو بیکار پڑی ہے۔ ایک بیچ کے خو
بصورت بنگلے میں۔ میں نے بارہا تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔"
"اور اگر یہ غلط نکلا تو ۔۔۔؟" میں نے اسے خونخوار نگاہوں
سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"جو چور کی سزا وہ میری۔" شاداب نے کہا۔ میں ذہن
میں خلش لیے واپس آ گیا۔ سارہ پر میں نے کوئی اظہار نہیں کیا
لیکن اب میں اس پر نگاہ رکھنے لگا۔ اس کے معمولات غائب ہی
رہتے تھے۔ اکثر وہ ایک دن کے لیے غائب ہو جاتی تھی۔ میں
نے کبھی اس کے بارے میں نہیں پوچھا تھا لیکن اب میں ہوشیار
ہو گیا تھا۔ کئی بار میں نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن اس کے
معمولات عام تھے۔ خریداری کرتی واپس آ جاتی تھی۔
اس شام وہ تیار ہو کر نکلی تو میں نے اسے غائب ہوتا دیکھا
وہ ایبرو کے جانب تھی۔ اس شام جاتے ہوئے بولی۔
"میں رات کو واپس نہیں آؤں گی بابر۔"
"اوکے ڈارلنگ۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔
لیکن اس کے باہر نکلتے ہی میں بھی باہر نکلا اور میں نے اس کا
تعاقب کیا تھا۔ شاداب کی اطلاع کے مطابق وہ ایبرو کے
علاقے میں ہی گئی تھی۔ شاداب کی بات درست نکلی تھی۔ وہ
ایک خوبصورت بنگلے میں داخل ہو گئی تھی۔ میں سخت پریشان
ہو گیا۔ کون ہے اس مکان میں۔ کیا سارہ بے وفا ہے۔ کیا
وہ دھوکہ دے رہی ہے۔ لیکن کیوں۔ اور مجھے کیا کرنا چاہیے۔
میں نے حالات کا جائزہ لیا۔ میرا اپنا کردار کچھ بھی نہیں تھا۔
درحقیقت ایک دولت مند عورت کا شوہر تھا اور کچھ نہیں۔
مجھے اس سے کچھ لینے کا حق بھی نہیں ہے۔ اور اگر میں اس کے
خلاف کوئی شدید بات کی تو وہ مجھے برباد کر سکتی ہے۔ کچھ بھی تھا۔
لیکن معاشرے میں میری حیثیت غیر قانونی تھی۔ لیکن یہ بھی تو برداشت
نہیں کر سکتا تھا۔ وہ میری منکوحہ تھی اب۔ اور میں بے غیرت
نہیں تھا۔
میں کافی دیر ایبرو میں رہا۔ اور پھر واپسی ہو گئی۔ ذہنی
پیچیدگی عروج پر تھی۔ بیوی کی حیثیت سے سارہ شاید میرے لیے
کبھی بری ثابت نہیں ہوئی تھی۔ وہ مجھے بے حد چاہتی تھی۔
حالانکہ میری پوزیشن عجیب تھی۔ لیکن اس نے کبھی اس
بات کا احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ میں اس کا دست نگر ہوں۔
اس کے معمولات پر میں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔
لیکن اب اس حد تک بھی برداشت کرنا ممکن نہیں تھا میں کوئی
فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔
دوسرے دن وہ واپس آ گئی۔ معمول کے مطابق
تھی لیکن میرے انداز سے تبدیلی محسوس کر لی۔ چونک کر
بولی۔
"بابر! طبیعت کیسی ہے؟"
"ٹھیک ہوں۔"
"ٹھیک نظر نہیں آ رہے۔"
"کوئی خاص بات نہیں۔"
"عام بات ہی مجھے بتاؤ۔"
"کیوں؟" میں نے تیکھے انداز میں کہا۔ اور وہ چونک
پڑی۔ مجھے دیکھتی رہی پھر بولی۔
"اس لیے کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔"
"صرف بیوی نہیں، سرپرست اور محافظ بھی ہو۔ تمہارا
ایک اشارہ مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچا سکتا ہے۔" میں
نے کہا اور شدت حیرت سے اس کی آنکھیں اُبل پڑیں۔
"کیا بات ہے میرے محبوب۔ کیوں ناراض ہو رہے ہو؟"
"میں نے یہ بات غلط کہی ہے کیا؟"

"یہ تمہارے ذہن میں کس طرح آئی؟"
"اس لیے کہ یہ حقیقت ہے۔"
"مگر کیا میں کبھی ایسا کر سکتی ہوں؟"
"شاید کر ڈالو۔ اگر تمہارے خلاف بات کروں۔"
"بابر! پہلے مجھے اس تلخ گفتگو کی وجہ بتا دو۔ اس کے بعد
اس سے بھی سخت باتیں کر لینا۔ کوئی وجہ بتائے بغیر تمہارے یہ الفاظ
میرا دل دکھا رہے ہیں۔"
"سارہ۔ آج میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ میرا
نام بابر دادخان ہے۔ میرا باپ کئی گاؤں کا مالک ہے۔ دولت
کی کوئی کمی نہیں لیکن ۔۔۔" میں نے اسے پوری کہانی سنا دی۔ وہ
آنکھوں میں پیار کے جذبات لیے مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس
نے آگے بڑھ کر میری گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔
"مجھے پہلے ہی یقین تھا۔ خود کو چھپانے میں تم کامیاب
نہیں ہو سکے بابر۔ تمہاری ایک ایک ادا سے بڑائی جھلکتی تھی۔"
"میں بے غیرت نہیں ہوں سارہ اور میں نے تم سے
تمہاری دولت کے لیے شادی نہیں کی۔"
"میرا ایمان ہے کہ ایسی بات نہیں ہے۔"
"پھر مجھے ایک شوہر کا درجہ کیوں حاصل نہیں ہے؟"
"کون کہتا ہے۔ کوئی شکایت ہوئی ہے؟"
"ہاں تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔"
"اوہ!" وہ آہستہ سے بولی۔ اس کے چہرے پر عجیب
سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟"
"تم ایک رات کے لیے کہاں جاتی ہو؟ کیا یہ ایک غیرت مند
شخص کے لیے تازیانہ نہیں ہے کہ اس کی بیوی ہفتے میں ایک
رات گھر سے غائب رہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں اپنی
غلطی تسلیم کرتی ہوں۔ اچھا بابر! براہ کرم لباس تبدیل کر لو۔"
"کیا مطلب؟"
"پلیز بابر۔ لباس تبدیل کر لو۔" اس نے لجاجت سے کہا۔
اور میں مجبور ہو گیا۔ لباس تبدیل کر کے میں اس کے ساتھ باہر
نکل آیا۔ اس نے بڑے احترام سے میرے لیے دروازہ کھولا۔ اور
میں بیٹھ گیا۔ صورت حال کسی حد تک میرے علم میں تھی۔ میں جانتا
تھا کم از کم مرد کے معاملے میں وہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکے گی لیکن
اس وقت مجھے سنبھلنا پڑا جب کار ایبرو کے اسی بنگلے میں داخل
ہو کر رکی۔ دو ملازم جلدی سے اس طرف لپکے۔
"سلمان کہاں ہے؟" سارہ نے پوچھا۔
"اندر موجود ہیں میڈم۔" ملازم نے جواب دیا اور سارہ
میرے ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ یہ بنگلہ بھی بے حد خوبصورت
تھا۔ ایک کشادہ اور خوبصورت کمرے میں بارہ تیرہ سال کا ایک
لڑکا موجود تھا۔ لیکن یہ لڑکا۔ حسن و جمال کی ایسی تصویر میں نے
تمام زندگی نہیں دیکھی تھی۔ اس زمین کی مخلوق ہی نہیں معلوم ہوتا
تھا۔ سرخ و سفید رنگ۔ بھرا بھرا سا چہرہ۔ بڑی بڑی نیلی
آنکھیں۔ کشادہ پیشانی جس پر سنہرے گھنگھریالے بالوں کے
جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ یونانی سنگتراشوں کا کمال لگتا تھا وہ ایک
بار نظر پڑے تو ہٹائے نہ ہٹے۔
میں اسے دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ بچہ سارہ کو دیکھتے ہی کھڑا ہو
گیا۔ "ارے۔ باجی آپ۔ کوئی چیز بھول گئی تھیں کیا؟"
"سلمان۔ یہ کون ہیں؟" سارہ نے سنجیدگی سے کہا۔
"یہ ۔۔۔" سلمان نے مجھے دیکھا۔ اور پھر ایک دلکش مسکراہٹ
اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔
"شاید بابر دادخان۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تمہیں ان کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"
"یہ بابر دادخان ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اس بے تکلفی سے
آج تک کسی اور کو آپ کے ساتھ یہاں آتے نہیں دیکھا۔"
"اگر یہ بابر دادخان ہیں تو میرے لیے ان کی کیا حیثیت
ہے؟"
"ہماری خدا کی۔ آپ نے ہمیشہ یہی کہا ہے۔ مگر بات
کیا ہے؟"
"میں تمہارے پاس ہفتے میں کتنی بار آتی ہوں؟"
"صرف ایک بار۔"
"کس وقت آتی ہوں؟"
"جمعرات دوپہر کو۔"
"کب جاتی ہوں؟"
"دوسرے دن۔"
"یہاں کیا کرتی ہوں میں؟"
"میری دیکھ بھال۔ میرے پاس کی ڈریسنگ اور پھر ہم
ٹینس کھیلتے ہیں۔"
"تم میرے کون ہو سلمان؟"
"بھائی۔ آپ میری پیاری بہن ہیں باجی۔ مگر براہ کرم بات
کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں ہو گی؟"
"میں بابر دادخان کو تم سے ملوانا چاہتی تھی۔ بابر کو یقین نہیں

شاکر تم جیسا کوئی خوبصورت پیارا بھائی بھی ہو سکتا ہے۔"
"قبیس! کل باجو جتنی خوبصورت جتنی پیاری ہیں۔ میں تو
کم بھی نہیں ہوں۔" بچے نے کہا۔
اور میں بری طرح پانی پانی ہو گیا تھا۔ میں سخت شرمندہ ہو گیا تھا
میں نے کنکھیوں سے سارہ کو دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔
بہرحال میں نے خود کو سنبھالا۔ اور پھر بچے کو پیار کرتے ہوئے
بولا۔
"بھئی سلمان میاں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے قبل آپ
سے کیوں نہ ملا۔ پڑھتے ہیں آپ؟"
"جی ہاں۔"
"کون سے اسکول میں؟"
"اسکول تو خود ہمیں پڑھانے آتا ہے۔" سلمان نے جواب
دیا اور سارہ بول پڑی۔
"سلمان پڑھنے نہیں جاتے۔ یہ دنیا کی بہترین زبانوں کے
ماہر ہیں۔ فنون سپہ گری، قدیم مصری زبانوں اور ایسے ہی دوسرے
فنون سے آراستہ ہیں۔ قابل ترین استاد انہیں تعلیم دینے کے لیے
یہیں آتے ہیں اور یہ اپنی تعلیم مکمل کر چکے ہیں۔ ہم نے انہیں
کبھی کسی اسکول میں نہیں پڑھایا۔"
"اوہ اچھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ خود ہی میں نے
سارہ سے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔ بہرطور سلمان کی جانب سے
میرا ذہن بالکل صاف ہو گیا تھا بلکہ میں عجیب طرح کی شرمندگی محسوس
کر رہا تھا۔ تب میں نے کہا۔ "سارہ! مجھے سلمان سے مل کر بہت مسرت
ہوئی ہے۔ اور میرا ذہن ایک آئینے کی طرح شفاف ہو گیا ہے۔"
"آؤ واپس چلیں۔" وہ اٹھ گئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔
بہرطور ابھی میں یہی کافی خجالت محسوس کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر
خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔
"سارہ اگر کوئی کسی سے شکوہ کرتا ہے تو اس شکوے میں
اس کی محبت پوشیدہ ہوتی ہے۔ مجھے نہیں علم تھا کہ تم یہاں آتی
ہو لیکن میں جاننا چاہتا تھا۔ تم نے اپنی زندگی میں مجھے اتنا بڑا درجہ
دیا ہے۔ سارہ! میں اس حد تک بے باک ہو گیا ہوں کہ میرا دل
چاہتا ہے کہ تمہارے بارے میں ایک ایک لفظ جان لوں۔ وہ سب
کچھ جو تم کرتی ہو۔ شاید مجھے غرور تھا۔ اور شکر یہ ادا کیا
بھی۔ بس اسی خدشے نے مجھے تم سے نا آشنا رکھا تھا۔ اگر میری
ان باتوں نے تمہارے دل کو تکلیف پہنچائی ہے تو میں تم سے معافی
چاہتا ہوں۔" اس نے گردن گھما کر مجھے دیکھا۔ اور پھر آہستہ سے

اپنی گردن میرے شانے پر ٹکا دی۔
"سنبھلو سارہ! تم ڈرائیونگ کر رہی ہو۔" میں بولا اور
وہ آہستہ سے ہنس دی۔ "میں آنکھیں بند کر کے بھی ڈرائیونگ
کر سکتی ہوں۔" اس نے فخریہ انداز میں کہا۔
"اب میں تسلیم کیے لیتا ہوں۔ کیونکہ تم بلاشبہ بہترین صلاحیتوں
کی مالک ہو لیکن سارہ اپنے بھائی کو تم نے خود سے اس قدر دور
کیوں رکھا ہے؟ میں اس بارے میں کچھ جان سکتا ہوں۔"
"ہاں کیوں نہیں۔ وہ میرا بھائی نہیں ہے۔" سارہ نے
جواب دیا۔ اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
"کیا مطلب؟"
"ہاں، وہ میرا بھائی نہیں ہے۔ لیکن تم پھر کسی خیال میں
مت ڈوب جانا۔ وہ میرا آقازادہ ہے۔"
"اوہ!" میں ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔
"وہ بچپن سے میرے والد کی کفالت میں تھا اور میرے
والد نے اس کے سلسلے میں مجھے ایک کہانی سنائی تھی۔ اس وقت
اس کی عمر صرف پانچ سال تھی۔ جب میرے والد اسے لیے ہوئے
گھر آئے تھے۔ اس وقت ہماری حالت بہت زیادہ اچھی نہیں
تھی یار۔ درمیانی درجے کے لوگ تھے ہم۔ میرے والد کسی بہت
دولت مند شخص کے پرسنل سیکریٹری تھے۔ اس دولت مند شخص
کے بارے میں انہوں نے یہ بتایا تھا کہ وہ فراعنہ کی نسل سے تعلق رکھتا
ہے اور قدیم ترین نسل کا پیروکار ہے۔ وہ ایک بہت بڑی شخصیت
کا مالک تھا۔ موت کے وقت اس نے اپنے بیٹے کو میرے والد کی
تحویل میں دیتے ہوئے کچھ ہدایات دی تھیں۔ جن کے بارے میں
یقین کرو یار مجھے بھی نہیں معلوم۔ ہاں میرے والد جب اس بچے
کے ساتھ آئے تھے تو ان کے پاس ایک قدیم طرز کا چوبی صندوق
بھی تھا۔ یہ صندوق بے حد وزنی ہے اور اس عمارت کے تہ خانے
میں محفوظ ہے جس میں ہم لوگ رہتے ہیں۔ یہ صندوق تہ خانے میں
رکھ دیا گیا اور والد صاحب نے اس بچے کو اس عمارت میں منتقل
کر دیا۔ اس کی کیفیت بڑی عجیب تھی۔
والد صاحب ہمیشہ اس بچے کے ساتھ بڑی عزت و احترام
کے ساتھ پیش آتے تھے اور اکثر و بیشتر اس کی دلجوئی کرتے تھے۔
وہ پانچ سال کا بچہ بڑا عجیب تھا۔ سہما سہما سا رہا لیکن ہماری محبتوں نے
اسے آہستہ آہستہ سنبھال لیا۔ اور وہ ہمارے درمیان مطمئن ہوتا چلا گیا۔
اسی طرح زندگی گزرتی چلی گئی۔ اس وقت جب یہ تقریباً نو
سال کا تھا میرے والد صاحب پر نمونیے کا شدید حملہ ہوا اور ان

کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ جب انہیں اپنی بیماری سے تھوڑی
سی مہلت ملی تو انہوں نے سلمان کے بارے میں مجھے راز دار بنا
لیا اور کہنے لگے۔
"سارہ! سلمان ہمارے پاس کسی کی امانت ہے۔ جیسے
جیسے ہمارے حالات سلمان ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ یہ تمام دولت
اور ثروت سلمان ہی کی ہے۔ لیکن یقین کرو میں نے اپنے آقا کی یہ
دولت ان کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کی۔ میرے آقا نے مرتے
وقت مجھے وصیت کی تھی کہ میں اس بچے کو اپنی تحویل میں لے
لوں اور اسی کی پرورش کروں۔ جب وہ پچیس سال کا ہو جائے
تو یہ چوبی صندوق اس کے حوالے کر دوں۔ اور وقت کا انتظار
کروں۔
لیکن موت مجھے مہلت نہیں دے رہی کہ میں اپنے
ہاتھوں سے اپنے آقا کا حکم بجا لاؤں۔ تم میری بیٹی ہو کاش!
میرا کوئی بیٹا ہوتا۔ تو مجھے اتنا اندیشہ نہیں ہوتا۔ یہ امانت میں تمہارے
سپرد کیے جا رہا ہوں۔ صندوق تہ خانے میں موجود ہے اور اس
کی چابی بھی اس کی پشت میں لٹکی ہوئی ہے۔ جب سلمان پچیس
سال کا ہو جائے تو یہ چابی اس کے حوالے کر دی جائے۔ لیکن
سارہ خدا کے لیے اس سے قبل اس صندوق کو مت کھولنا۔ یہ
میری وصیت ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باپ کی وصیت
کا احترام کرو گی۔ اس صندوق میں سلمان کی زندگی سے متعلق
اہم ترین راز چھپے ہیں۔ اور ان کا قبل از وقت افشا ہو جانا
خود تمہاری زندگی کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔"
میرے والد صاحب مجھے نصیحت کرتے رہے اور بالآخر
انہوں نے دم توڑ دیا۔
میں اس وقت بھری تھی۔ یوں بھی میری عمر کچھ خاصی ہو چکی تھی
اور اتفاق تھا کہ میری شادی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔
والد صاحب نے جو مشن میرے سپرد کیا تھا۔ اس کی انجام دہی
کے لیے میں نے ذہن سے شادی کا خیال ہی نکال دیا تھا۔ اور میں
نے اپنی زندگی سلمان کے لیے وقف کر دی۔ اس کا سارا کاروبار بھی
مجھے ہی دیکھنا پڑتا ہے ـــــ اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی مجھ
پر ہی عائد ہے۔ میں فلپائن بھی اسی سلسلے میں گئی تھی۔ اور یہاں
مجھے کچھ پراسرار دشمنوں سے واسطہ پڑا۔ جانے وہ مجھ سے کیا چاہتے
تھے۔ لیکن بہت پہلے سے میں تھکن محسوس کر رہی تھی یار۔ میرا
دل چاہتا تھا کہ میں کچھ دن سکون سے رات گزاروں۔ فلپائن سے
واپس آنے سے قبل میں بہت ہی نروس تھی اور پھر تم مجھے نظر

آ گئے۔ پہلی ہی نگاہ میں تم مجھے پسند آ گئے تھے یار اور میں نے
اپنے دل کے اظہار میں کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں تمہاری وفادار ہوں
یار میں تمہیں پیار کرتی ہوں۔ تم میری زندگی کا محور ہو اور بس۔"
اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔
"مجھ سے پہلی اور آخری غلطی ہوئی ہے سارہ۔ معاف کر دو۔
آئندہ کبھی تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"
"مجھے اب کوئی شکایت نہیں ہے تم سے۔" اس نے جواب
دیا اور پھر وہ نارمل ہو گئی۔ اسی رات وہ مجھے لے کر اس تہہ خانے
میں گئی اور میں نے اس پراسرار چوبی صندوق کو دیکھا جس میں جانے
کیا کیا اسرار و رموز پوشیدہ تھے۔ بہرحال میں نے اس سلسلے میں سارہ
کے مشن کی تکمیل کی ذمہ داری قبول کر لی۔ اب ہمارے درمیان
کوئی دیوار نہیں رہی تھی۔
سلمان کی تربیت جاری تھی ـــــ گھڑ سواری، تلوار بازی
نیزہ بازی اور اس کے بعد آتشیں اسلحے کا استعمال سلمان نے اسی
طرح سیکھ لیا۔ جس طرح اس نے بارہ سال کی عمر میں بیس زبانوں
پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ میں اس کا نگران تھا اور سارہ کی ساری الجھنیں
میں نے دور کر دی تھیں۔ میرے ایما پر سارہ سلمان کو اب اسی عمارت
میں لے آئی۔ میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ سلمان کے لیے کوئی تردد
نہ کرے اور میں نے اس کی سخت حفاظت کی۔ سلمان اب جوان
ہوتا جا رہا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ہی وہ قد آور نوجوان نکل آیا
تھا۔ اور اپنی عمر سے کافی بڑا معلوم ہوتا تھا۔ حسن و جمال تھا کہ اس
پر ختم۔ ہماری رہائش گاہ کے گرد حسین لڑکیاں چکراتی رہتی تھیں۔
روز کوئی نہ کوئی ہنگامہ کھڑا رہتا تھا۔ سینکڑوں رشتے آ چکے تھے۔
ایک سے ایک بڑھ کر۔ لیکن خود سلمان کی فطرت میں آوارگی نہیں
تھی۔ اور اس کی یہ کیفیت ہمارے لیے باعث اطمینان تھی۔
سارہ کے بطن سے کوئی بچہ نہیں ہوا تھا لیکن ہمیں اس کی
حاجت نہیں تھی ـــــ ہماری تمام تر توجہ سلمان پر مرکوز تھی۔ اور
ہم اسے اپنی اولاد کی مانند چاہتے تھے۔
لیکن پھر سارہ کی زندگی نے دغا کی اور خود بھی وہ اپنے والد
کی مانند شدید نمونیے کا شکار ہو گئی۔ کیا کچھ علاج نہ ہوا لیکن قضا
مہلت نہیں دے رہی تھی۔ آٹھ دن کی مسلسل بے ہوشی کے بعد
اسے ہوش آیا تو اس نے آنکھیں کھول کر سلمان کو پوچھا۔ سلمان نزدیک
ہی تھا۔
سارہ نے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے نحیف
آواز میں کہا۔ "تقدیر کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ تم میری زندگی

● سرزمین مصر میں تمہارا قیام ایک طویل ترین قیام کے طور پر ہے، تمہاری نسلیں یہیں آباد تھیں اور شاید تمہیں اس بات پر حیرت ہو کہ تم دنیا بھر کی قدیم ترین نسلوں میں سے ایک کے جانشین ہو۔ تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اسلاف کو تمہارے مورث اعلیٰ تقریباً سترہ پیڑھیاں ... الانسل تھے۔ یہ نسل، نسل پشت میں مصر کے مذہبی معتقد اور یونانی الانسل تھے۔ یہ نسل در نسل چلتی رہی اور تاریخ میں اس کی کہانیاں درج ہیں۔ ستائیسویں فرعون رامبوس کے دور کا واقعہ ہے جس کو میں بجنسہ درج کروں گا تاکہ تمہیں اپنی ذات کی شناخت ہو سکے۔ یہ واقعہ میں نے قدیم مصری زبان سے ترجمہ کیا ہے جو اس دور میں رائج نہیں ہے، لیکن اگر میرے خاص دوست یعنی تمہارے آتالیق نے تمہیں دینی تعلیم دلائی ہے جو میری خواہش کے مطابق ہے تو شاید تم یہ تحریر ان بوسیدہ اوراق میں پڑھ لو جو اس صندوقچے میں ہماری قدیم ترین روایات کے مطابق محفوظ ہے — مصری تاریخ بہت قدیم ہے پندرھویں اور سولھویں خاندان کے ماتحت سولہ سو اسی سن قبل مسیح میں مصر اجنبی فاتحوں کے قبضے میں رہا، جنہیں ہکسوس کہا جاتا ہے، یہ غالباً فلسطین اور ایشیائے کوچک سے آئے ہوئے لوگ تھے۔ سترھواں خاندان مصری تھا، جس نے ہکسوس کو باہر نکالا اور نئی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت سن ۱۵۸۰ سے سن ۱۰۹۰ قبل مسیح تک قائم رہی۔ تھوتمس ثالث اٹھارھویں خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس نے خلفیہ، فلسطین اور شام فتح کر لئے۔ لیکن بعد کے فراعنہ ایشیائی مقبوضات کھو بیٹھے اور ایک بار پھر مصر پر اجنبیوں کا تسلط ہو گیا۔ ہمارا دور چھبیسویں فرعون ثناآلث سے شروع ہوا اور اس کے بعد طویل عرصے تک فرعون کا اقتدار قائم رہا۔ قدیم مصری تہذیب کے مطابق فرعون کو لاتعداد اختیارات حاصل تھے۔ حیات بعد الموت کا تصور مقدم رہتا تھا، عالیشان مقبرے اور حنوط شدہ بدن محفوظ کر دیئے جاتے تھے جنہیں اہرام کہا جاتا ہے۔ جسم و روح کا ایک تصور تھا ہمارے سامنے، عقیدہ یہ تھا کہ جسم ایک ... ہے جسے ... کا سمجھتے ہیں زندگی مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے اور ... کا ... عیر فانی ہے۔

کاہن معبدوں کے حکمران تھے لیکن فرعون کی حکومت سے ان کا براہ راست تعلق ہوتا تھا۔ اور انہیں بادشاہ وقت کی مانند اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ راعبوس چھبیسویں فرعون کا بیٹا تھا ایک شوخ اور البیلا نوجوان جسے گو بچپن سے شہنشاہیت اور فرعون کے تقدس کا احساس دلایا گیا تھا لیکن اس کا دل حسن و عشق کی چاشنی سے لبریز تھا۔ محل کی لاتعداد کنیزیں اس کی خدمت کے لئے حاضر رہتی تھیں اور وہ ان کے درمیان خوشی اور مسرت محسوس کرتا تھا۔ لیکن یوں ہوا کہ اس نے ایک بار عبادت کے دوران کاہن اعظم تباسا کی بیٹی زیتھا کو دیکھا کہ حسن و جمال میں یکتا اور آسمانوں سے اتری ہوئی کوئی دیوی محسوس ہوتی تھی، یوں راعبوس اس سے دل ہار گیا، کاہن اعظم کی مقدس بیٹی معبد کی ان حسین پجارنوں میں سے ایک تھی جن کی شادی کسی سے نہیں ہوتی اور جو تقدس کی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ یہ تقدس کاہنوں کی ملکیت تھا اوّل تو ان کے خاندانوں میں شادیاں ہی بہت کم ہوتی تھیں لیکن اگر کوئی لڑکی پیدا ہوتی تو اسے کبھی کسی سے منسوب نہیں کیا جاتا تھا وہ کنواری ہی رہتی اور کنواری ہی مر جاتی تھی، اس کی روح کو آسمان کی بلندیوں پر صاف دیکھا جا سکتا تھا، سو کاہن اعظم تباسا کی یہ بیٹی بھی تقدیس کے انہی مراحل سے گزر رہی تھی کہ راعبوس کی نگاہ پڑ گئی سرکش اور ضدی راعبوس اس کی خلوتوں میں جانے کی کوششیں کرنے لگا، سو یہی ہوا کہ ایک بار اسے عبادت کے بعد اس کا موقع مل گیا، کیونکہ وہ عام لباس میں اور عام عبادت کرنے والوں کی مانند معبد میں پہنچا تھا۔ اور قطعی ان لوگوں میں نہیں شامل ہوا تھا جو شہزادگان یا عظیم المرتبت لوگوں میں شامل ہوتے تھے، یوں اس کی جانب توجہ نہ ہوئی کسی کی اور جب عبادت ختم ہوئی تو وہ ایک ایسی چٹان کی آڑ میں ہو گیا، جہاں سے واپسی پر اسے کوئی نہ دیکھ سکے، لیکن اس کا مقصد یہی تھا کہ جب ماحول سنسان ہو جائے تو وہ نزدیک سے زیتھا کی زیارت کرے۔

حسین زیتھا معبد کی پہلی سرنگ کے آخری کمرے میں قیام پذیر تھی اور اس طرف کسی ذی روح کو داخلے کی اجازت نہ تھی سوائے ان خادماؤں کے جو زیتھا کے لئے مخصوص تھیں۔

زیتھا کا دیوانہ راعبوس ان رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرنگ میں داخل ہو کر زیتھا کے دربر پہنچ گیا۔

نوجوان لڑکی جو عمر کے اٹھارھویں سال سے گزر رہی تھی ششدر رہ گئی، اسے جو تعلیمات دی گئی تھیں ان کے تحت کسی مرد کا سایہ تک اس کے لئے ناجائز تھا، لیکن راعبوس کی مردانہ وجاہت، اس کے بلند و بالا قد اور اس کی شربتی آنکھوں نے زیتھا کو مسحور کر دیا، اس نے خادماؤں کو حکم دیا کہ سرنگ کے آخری حصے پر ٹھہریں اور یہ کسی کو نہ ظاہر ہونے دیں کہ وہ جو ہو رہا ہے جو نہ ہوتا تھا۔

یوں پذیرائی ہوئی راعبوس کے عشق کی اور اس کے بعد ملاقاتیں ہونے لگیں —

زیتھا کے سینے میں محبت کا جوالا مکھی پھوٹ پڑا، دونوں تنہائیوں میں ایک دوسرے کے ساتھی بن گئے اور یوں یہ بیان حسن و عشق کے مدارج طے ہونے لگے۔

حسین زیتھا حسن و جمال کا نمونہ تھی تو راعبوس کا بلند و بالا قد — اس کی مردانہ وجاہت پورے مصر میں یکتا تھی اور خیال تھا یہ عام لوگوں کا کہ دور فرعون میں اس سے خوبصورت نوجوان اس سے قبل نہیں پیدا ہوا۔

زیتھا کو دہی جواب ملا اس محبت کا جو اس کے سینے میں تھا۔ لیکن دونوں ہی جانتے تھے کہ فرعون کے مقدس مذہب کی روایات انہیں کبھی یکجا نہ ہونے دیں گی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا یہ عشق کاہنوں اور بادشاہوں کے درمیان چپقلش کی بنیاد نہ بن جائے —

سو پھر یوں طے کیا انہوں نے کہ بہتر ہے کوئی رات مقرر کر لی جائے، جب وہ اس کمین گاہ سے نکلیں اور طویل و عریض زمین کے کسی ایسے گوشے میں پناہ گزین ہو جائیں جہاں یہ روایات ان کا تعاقب نہ کر سکیں۔

راعبوس حکومت چھوڑنے کو تیار تھا اور زیتھا اپنا تقدس سو یہی ہوا کہ وہ موقع کی تاک میں رہنے لگے اور راعبوس نے معلوم کر لیا کہ ایک تجارتی جہاز بہت جلد بندرگاہ سے روانہ ہونے والا ہے۔ اس نے اپنے کچھ خاص غلاموں کی مدد سے دو ایسے افراد کا بندوبست اس جہاز میں کیا، جو خاموشی سے مصر سے نکل جانا چاہتے تھے، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ اور یوں ہوا کہ جب جہاز کی روانگی کی رات آئی تو زیتھا نے اپنی کنیزوں کو کسی کام سے بھیجا اور خود سرنگ سے باہر نکل کر اس جگہ پہنچ گئی جہاں راعبوس اس کا انتظار کر رہا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ دونوں جہاز پر پہنچے اور جہاز نے اپنے لنگر اٹھا دیئے، وہ ایک طویل سفر پر روانہ ہو گیا۔

چالاک راعبوس نے ایسے انتظامات کئے تھے کہ جب تک جہاز کھلے سمندروں میں دور تک نہ پہنچ جائے کسی کو شبہ نہ ہو سکے کہ وہ اس جہاز سے فرار ہوا ہے۔

اور یہی ہوا —!

فرعون وقت کو پتہ بھی نہ چل سکا کہ راعبوس محل سے غیر حاضر ہے — یہی کیفیت زیتھا کی بھی ہوئی تھی اکثر وہ تنہائیوں میں جی بہلانے کے لئے دور تک نکل جاتی تھی چنانچہ ان دونوں کو مصر سے دور نکلنے کا موقع مل گیا اور کوئی دشواری پیش نہ آئی انہیں اس سفر میں — لیکن اس وقت تک جب تک ایک مہیب سمندری طوفان نے انہیں نہ آلیا —

وہ بڑا جہاز جس میں بے شمار افراد سوار تھے۔ طوفانی لہروں کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے بادبان پھٹنے لگے، مستول ٹوٹنے لگے اور عملے کے افراد زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار ہونے لگے۔ ان کی ذمہ داری جہاز کو بچانا تھی، لیکن تقدیر اس کی تباہی متعین کر چکی تھی، ہواؤں کا طوفان، گھبرا گھبرا کر جہاز کو اس کی منزل سے نجانے کتنی دور لے گیا اور یہ اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ وہ خوفناک چٹانیں کب جہاز کے نزدیک آ گئیں، جو سیاہ سمندر میں سر ابھارے کھڑی خونی نگاہوں سے اس جہاز کو دیکھ رہی تھیں —

جہاز کسی کنکر کی مانند ان چٹانوں سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔

انسانی شور ہواؤں کی آوازوں میں دب گیا، کسی کی آہ تک سنائی نہ دی، سمندر کی مہیب لہروں نے انسانی جانوں کو ڈس لیا تھا لیکن قدرت کو ان دونوں کو بچانا مقصود تھا کہ ایک چوڑے تختے نے انہیں خشکی سے جا لگایا۔

تفصیل اس جگہ کی یوں تھی کہ ریتلے ساحل دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور گھنے درختوں کے جھنڈ آپس میں اس طرح دست و گریباں کھڑے تھے جیسے کان سے کان ملائے سرگوشیاں کر رہے ہوں، ان کے درمیان فٹ فٹ بھر لمبی مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے اور ایسے زبردست تھے یہ جالے کہ اڑنے والے حشرات الارض کا تو ذکر ہی کیا۔ چڑیاں، فاختائیں اور دوسرے پرندے بھی ان جالوں میں پھنس کر اپنی جان نہیں بچا سکتے تھے۔ اور یہ خونی مکڑیاں آن کی آن میں اپنے شکار کو اس طرح چٹ کر جاتیں جیسے کبھی اس کا وجود ہی نہ رہا ہو، ہاں چند چھوٹی چھوٹی ہڈیاں ان جالوں میں اٹکی رہ جاتیں اور اپنے وجود کی کہانیاں سناتی رہتیں۔ اس خوفناک ماحول میں وہ دونوں ایک دوسرے کی قربت میں آگے بڑھتے رہے اور پھر وہاں کے سیاہ فام سنگ دھڑنگ لوگوں کے ہاتھ لگ گئے۔ جنہوں نے انہیں قید کر کے اپنی ملکہ کے پاس پہنچا دیا۔

وحشیوں کی اس ملکہ کے بارے میں وحشیوں کے درمیان

قریب علاقوں کی کہانیاں مشہور تھیں، ان کا کہنا تھا کہ ان کی یہ ملکہ ہزاروں سال سے زندہ ہے اور ہزاروں سال زندہ رہے گی، ہرچند کہ وہ سیاہ فام وحشیوں کے درمیان تھی، لیکن اس کے حسن و جمال کے بارے میں کاہن اعظم تباسا کی بیٹی زیبتھا نے جو کچھ لکھا ہے ان الفاظ کا صحیح ترجمہ ممکن نہیں۔ کہنا اس کا یہ تھا کہ یہ ملکہ عام طور سے لوگوں کے سامنے نہیں آتی تھی کہ وحشیوں میں اسے دیکھنے کی تاب نہ تھی۔

لیکن جب چاند پورا ہوتا اور گیارہ چاند گزر چکے ہوتے تو ایک رات وہ زیارت گاہ کی چٹان پر اپنا چہرہ دکھانے آتی اور وحشی اس کے حسن و جمال کی تاب نہ لاکر ہلاک ہو جاتے۔ اس کا سارا وجود سیاہ رنگ کی جالی میں لپٹا ہوتا تھا لیکن کیفیت یہ ہوتی کہ سیاہ جالی سے چمکدار دودھیا رنگ چھلک چھلک کر تمام عالم کو منور کر دیتا یا پھر یہ محسوس ہوتا جیسے روشن چاند پر تاریک قبا ڈال دی گئی ہو۔ اس حسین عورت کو اپسرا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور زمین کے اس خطے میں جہاں انسانی قدم شاذ ہی پہنچتے ہیں، وہ آج بھی اپنے اسی جاہ و جلال کے ساتھ حکمراں ہے۔ آسمانوں سے [illegible] ہوئی یہ اپسرا لاتعداد کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ کہانیاں صرف [illegible] دماغ سے نہیں ابھری ہیں جو [illegible]تھا کے فراہم کردہ تھے بلکہ بعض اور طریقوں سے بھی اپسرا کے وجود کا [illegible] ہوا ہے جس کی تفصیل تمہیں آئندہ کبھی [illegible] جائے گی۔

حسن و [illegible] اس [illegible] بے مثال کہ انسانی نگاہ اس پر ٹھہر نہ سکے۔ ایک ایک نقش اپنی جگہ مکمل، یاقوت سے تراشے ہوئے ہونٹ اتنے سرخ کہ یاقوت کی چمک ان کے آگے ماند پڑ جائے۔ رخسار ایسے کہ ان کے لئے کوئی تشبیہ ہی ممکن نہ ہو، رنگ یوں، جیسے چاند پر موم جامہ کر دیا گیا ہو، بدن اتنا سڈول اتنا حسین کہ سنگ مرمر کے مجسمے اس کی چکناہٹ اور تراش کے آگے سرنگوں ہو جائیں۔ یہ حسن و جلال تو یوں تھا کہ اسے دیکھ کر مر جایا جائے۔ اپسرا کے سامنے جینے کا تصور بھی بے مقصد ہو جاتا تھا۔ اور خاص طور سے کسی مرد کے لئے

لیکن راعموس پر اس کا اثر نہ ہوا، کیونکہ وہ زیبتھا کا عاشق تھا اور ان کے درمیان روحانی رشتے قائم ہو چکے تھے۔

ملکہ نے راعموس کو اپنا حسن و جمال دکھایا۔ اور شاید اس بات پر [illegible] رہ گئی کہ یہ حسین نوجوان اپنے حواس کیوں نہ کھو بیٹھا، اسے راعموس کی یہ ادا بھا گئی اور اس نے راعموس کو حاصل کرنے کا خیال کیا۔ لیکن [illegible] نوجوان اپنی محبت میں مستحکم تھا۔ زیبتھا کو اس نے تمام روایات کو توڑ کر حاصل کیا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے اس اقدام کی وجہ سے حکومت مصر اتھل پتھل ہو سکتی ہے۔ کاہنوں اور شاہوں کے درمیان ایسی چپقلش پیدا ہو سکتی ہے جو شاید تاریخ بن جائے۔ سو ان تمام باتوں کو مد نگاہ رکھتے ہوئے وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور جب ملکہ نے اپنی پرفسوں مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اے نوجوان، پہاڑوں کی یہ ملکہ تیرا خیر مقدم کرتی ہے اور تیری زندگی کی ضمانت دیتے ہوئے تجھے یقین دلاتی ہے کہ تو ابدیت حاصل کرے گا۔ تجھے موت نہ ہوگی اور تو میرے ساتھ صدیاں گزارے گا لیکن شرط یہی ہے کہ اس لڑکی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دے، جو میری لاعلمی کی بنا پر تیری مالک بنی رہی ہے، ہاں یہی سزا ہے اس کے لئے کہ تو اسے موت کے گھاٹ اتار دے اور میرا بن جا۔"

راعموس نے نہایت متانت سے ملکہ کو دیکھا اور ادب سے بولا۔

"ویران علاقوں کی حکمران بے شک تیرا حسن [illegible] رو دگار ہے، تیرے جیسی اپسرا کا تصور انسانی ذہن نے کبھی نہ کیا ہوگا اور میں تاب نہیں رکھتا کہ تیرے [illegible] پر نگاہ جما سکوں لیکن زیبتھا میری آخری محبت ہے [illegible] پہلی بھی۔ میں نے اس سے پہلے کسی کو چاہا اور [illegible] کے بعد نہ کسی کو چاہوں گا۔ [illegible] ازل اور ابد کے سلسلے ہیں۔ جو ٹوٹ نہیں سکتے۔ سو بہتر ہے کہ تو ہمیں آزاد کر کے [illegible] زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دے یہی تیری [illegible]"

حسن و جمال کی [illegible]، اپنے حسن کی توہین برداشت نہ کر سکی یہی کیا کم تھا اس کے لئے کہ راعموس نے اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر ہوش و حواس نہ کھو دیئے تھے، بلکہ وہ تو اس کی خود سپردگی کی پیشکش کو بھی ٹھکرا رہا تھا چنانچہ اس کا ذہن طیش کا شکار ہو گیا۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"باہر کی دنیا سے آنے والے نوجوان تو نے آج تاریخ کی توہین کی ہے، شاید ہی کبھی ہم نے کسی انسان کی آرزو کی ہو لیکن جب یہ الفاظ ہماری زبان سے نکل گئے تو وہ تاریخ بن جانے چاہئیں تھے۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ نئی زندگی کا آغاز کر کے تجھے اپنے درمیان جگہ دیں لیکن یوں لگتا ہے کہ تیری روشن پیشانی کی گہرائیوں میں تاریکیاں چھپی ہوئی ہیں جو تیری تقدیر ہے، اور ان الفاظ کے بعد تیری زندگی بھلا کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے سیاہ رو نیزہ برداروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس نوجوان کے بدن کے مسامات میں نیزے اتار دیئے جائیں، اس طرح نیزے کی انیوں سے اس کے بدن کو ڈھکا جائے کہ اس کا کوئی عضو نظر نہ آئے۔

اور یہی ہوا، اپسرا کے حکم کی بھرپور تعمیل کی گئی، زیبتھا کے سامنے اس کے محبوب کو قتل کر دیا گیا اور زیبتھا کی دلخراش چیخیں آسمان کو چھونے لگیں۔

وحشیوں نے راعموس کے بدن کو نیزوں سے اس طرح ڈھکا کہ درحقیقت اس کے خون کے قطرے بھی نمایاں نہ ہو سکے اور اس کے بدن پر نیزوں کا شہر آباد ہو گیا۔

وحشی ملکہ کو اس کی موت سے بھی سیری نہ ہوئی تو اس نے زیبتھا کی جانب دیکھا اور غضب زدہ لہجے میں بولی۔

"آہ اے عورت تو ہی ہماری عظمت کی توہین بنی ہے اور یہ تو ہی تھی جس کی وجہ سے یہ حسین نوجوان موت کا شکار ہوا ہے، تو کیا تیری زندگی کسی طور ممکن ہے؟ نہیں، کبھی نہیں، تجھے اس سے بدترین موت کا شکار ہونا پڑے گا۔"

اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور سیاہ وحشی زیبتھا کو پکڑ کر ایک آتش کدے کے نزدیک لے گئے جو نجانے کب سے روشن تھا۔

آگ کے شعلوں نے قرب و جوار کے تمام ماحول کو بھسم کر ڈالا تھا۔ اور زمین دور دور تک گرم تھی کہ اس پر پاؤں نہ رکھے جا سکیں لیکن پھر ایک سیاہ فام بوڑھے نے جو شیطانی قوتوں کا مالک تھا، ان لوگوں کو روک دیا اور ان سے کچھ کہا جسے سن کر تمام وحشی بھاگ گئے اور زیبتھا وہیں کھڑی رہ گئی۔

سوکھا مریل بوڑھا جس کی آنکھوں میں شیطان جاگزیں تھا زیبتھا کا ہاتھ پکڑ کر ایک بار پھر ملکہ کے روبرو لے آیا اور اس نے ملکہ سے کہا۔

"عظیم المرتبت، ہمیشہ زندہ رہنے والی تیری زندگی قائم رہے تیرا اقبال بلند ہو، تیرا حسن یونہی چاند اور سورج کی طرح دمکتا رہے، یہ لڑکی حاملہ ہے اور یہ ایک ایسی روایت کو توڑنے کا باعث بنی ہے جو خونریزی کی بنیاد ہے، اگر ہم نے اس سرزمین پر اس کا خون بہا دیا تو وہ روایت یہاں بھی قائم ہو جائے گی اور ہمیشہ یہاں خون بہتا رہے گا میرا علم یہی کہتا ہے اور یقیناً تو اس سے ناواقف نہ ہوگی، کسی حاملہ عورت کو اس سرزمین پر قتل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ صدیوں تک عورتوں کے ہاں مردہ بچے پیدا ہوں اور یوں ہماری نسل گھٹتی چلی جائے یہ ایک بیماری ہے بہت بڑی عظیم ملکہ اور اس بیماری کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے یہاں سے نکال دیا جائے۔ سو یوں کیا جائے کہ درختوں کے تنوں سے کاٹی ہوئی ایک لکڑی کے درمیان خول کر کے اسے اس خول میں بٹھایا جائے اور پھر اس خول کو سمندر کے حوالے کر دیا جائے کہ تیز ہوائیں اسے دور لے جائیں اور کسی مناسب جگہ غرق کر دیں یوں تیرا انتقام بھی پورا ہو جائے گا اور ہماری سرزمین نحوست سے پاک ہو جائے گی۔"

یہ بوڑھا شخص شاید حسین اپسرا کے لئے کوئی بڑی حیثیت رکھتا تھا اس نے بوڑھے کی بات مان لی اور حکم دیا کہ اس لڑکی کو کسی ایسی جگہ قید کر دیا جائے جہاں سے یہ نکل نہ سکے، اس کے بعد درخت کے تنے کا خول بنا کے اسے اس میں بٹھا کر روانہ کر دیا جائے۔

سو یہی ہوا۔

زیبتھا جو اپنے محبوب کی جدائی کے بعد زندگی کو خود پر گراں سمجھ رہی تھی، درخت کے تنے کے خول کی کشتی بنا کر اس میں بٹھا کر سمندر پر ڈال دی گئی۔ لیکن سمندر نے بھی اس کی موت قبول نہیں کی تھی لہریں اسے ایک تاریخ کی ترتیب کے لئے لئے جا رہی تھیں۔ بھوکی پیاسی عورت کو کچھ پتا نہیں تھا کہ کتنے دن اور کتنی راتیں وہ سمندر کے سینے پر گزار چکی ہے۔ اور کب درخت کا وہ تنا کسی خشکی پر جا پڑا۔

اسے جب ہوش آیا تو اس کے پہلو میں غلاظت میں لپٹا ہوا ایک حسین بچہ موجود تھا، زیبتھا نے اسے دیکھا اور اس کے دل میں نئی زندگی جنم لینے لگی، اس نے زچہ گیری کے تمام لوازمات سے فارغ ہو کر بچے کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ ایک حسین لڑکا جو اس کے محبوب کی شکل تھا، اس کی ہو بہو تصویر، اس کا ہمشکل۔ اس تصویر کو دیکھ کر زیبتھا کے دل میں نجانے کیا کیا خیالات پروان چڑھنے لگے، اس کا ذہن انتقام کی آگ میں پھنک رہا تھا، وہ بے سہارا تھی، اگر اسے کسی کا سہارا حاصل ہوتا اور وہ وحشیوں کی ملکہ کو زندگی سے محروم کر سکتی تو اپنی جان کی قیمت پر اپنے محبوب کا انتقام لیتی لیکن جہاں اس کی نگاہوں میں تاریک تھا، کوئی کچی دیوار بھی نہ تھی جس سے سہارا لے کر وہ کھڑی ہو سکتی۔

اس نے مصر کی روایات کو توڑا تھا، کاہن اعظم کی عظمت کو داغدار کر دیا تھا، فرعون کی تقدیس بھری روایات کو پامال کر دیا تھا سو مصر میں اس کے لئے کون سی جگہ تھی۔ لیکن اب یہ ننھا سا وجود اسے احساس دلا رہا تھا کہ اس کے انتقام کی کہانی آگے بڑھے گی۔ اور اس نے اس وجود کو اپنا خون جگر پلا کر پروان چڑھانا شروع کر دیا کہ وہ اس کی آرزوؤں کا درخت تھا۔

اور یہ درخت بڑھتا چلا گیا۔ لیکن ابھی وہ عمر کی تیسری منزل میں تھا کہ ایک دخانی جہاز اس خشکی کے کنارے آ لگا اور لوگوں نے اسے دیکھ لیا۔

ان میں وہ بھی تھے جو زیبتھا کے واقف کار تھے یعنی اسے کاہن اعظم کی بیٹی کی حیثیت سے جانتے تھے، انہوں نے زیبتھا کو مقدس جانا، اس کے بچے کو اپنی تحویل میں لیا اور ان کا سفر مصر کی جانب ہو گیا۔

دی۔ لیکن وہ اس سے عشق کرنے لگی تھی، سو وہ اس کے لئے کوئی اور پھر اس نے میری موت کا فیصلہ کیا۔ لیکن میں بچ گئی، وہ اس لئے مجھے قتل نہ کر سکی کہ تو میرے شکم میں تھا، اور کاہن اعظم کا تقدس، میرے وجود کا محافظ۔ انہوں نے مجھے درخت کے ایک کھوکھلے تنے میں بٹھا کر دریا برد کر دیا، اور اس کے بعد میں عمر پہنچی تو مجھے علم ہوا کہ وہاں کے حالات بدل چکے ہیں۔ یوں مجھ پر تنہائی اور مصیبتوں کے درمیان پتن آنا پڑا۔ اور اب میرے بیٹے میں تجھ سے درخواست کرتی ہوں کہ تو اس عورت کو تلاش کر اور اگر تجھے وہاں کا راستہ معلوم ہو جائے تو، تو جا اور جا کر اپنے باپ کے خون کے بدلے میں اس کو قتل کر دے۔ اور اگر تو ڈرے یا اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے تو یہ لازم ہے تجھ پر کہ اپنی اولاد کو اس انتقام کی وصیت کر جا، اور اگر اس کی اولاد بھی یہ کام نہ کرے تو پھر اسے چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو وصیت کر جائے یہاں تک کہ تیری نسل سے کوئی ایسا پیدا ہو جو میری روح کو سکون بخش دے۔ اور اس حیات ابدی کا پرچار کرنے والی عورت کو موت کی نیند سلا دے۔ ممکن ہے کہ تجھے ان باتوں پر یقین نہ آئے۔ مگر یہ سارے واقعات مجھ پر گزرے ہیں اور یہ سب میری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا تجھ سے اور تو ذمہ دار ہے میری اس سچائی کا۔"

سلمان رکا اور پھر وہ دستخطوں والے حصے کو پڑھنے لگا۔ سب سے پہلے زبیتا کے دستخط تھے، اور اس کے نیچے چھوٹی سی تحریر تھی "دیوتاؤں کی مرضی دیکھتی کر رہی جاؤں، اب اپنے بیٹے کے سپرد کرتا ہوں۔" اس کے بعد دوسرے لوگوں کے دستخط اور چھوٹی چھوٹی تحریریں تھیں، جن کا ماحصل یہی تھا کہ وہ جو کام انجام نہ دے سکے، ان کا بیٹا اسے انجام دے۔ قدیم انگلستانی زبان میں، اور دوسری میں مختلف زبانوں میں یہ تحریریں لکھی ہوئی تھیں، اور ان کا مقصد یہی تھا، سب نے اپنے اپنے بیٹوں کو نصیحتیں کی تھیں کہ وہ انتقام لیں، اور یہ آخری خط کاشان کا تھا، جو سلمان کے نام تھا۔ یہ تحریر بھی ختم ہو گئی۔ اور ہم نے اپنے ارد گرد لاتعداد روحوں کو گریاں پایا۔ یوں لگتا تھا جیسے تمام روحیں اب ہمارے درمیان آموجود ہوئی ہیں، جو اس انتقام کو پورا نہ کر سکی تھیں۔ فضاؤں میں عجیب عجیب سی سرگوشیاں چکرا رہی تھیں اور ماحول اتنا بوجھل ہو گیا تھا کہ ہمارے سینے میں سرسراہٹ سی ہونے لگی، لیکن پھر آہستہ آہستہ سلمان کی حالت بہتر ہونے لگی۔ شاید اس پر ان روحوں کا سایہ ہو گیا تھا وہ اٹھا اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔

"اٹھیے چچا جان، ہم اپنا مقصد پورا کر چکے ہیں۔" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ سلمان کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جذبہ تھما رہا تھا، اس کا چہرہ سرخ تھا۔ اور یوں لگتا تھا۔ جیسے اب وہ تمام اثرات سے آزاد ہو گیا ہو۔

"بیٹو۔ مجھے بتاؤ کہ اس سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"میں نہیں کہہ سکتا چچا جان۔ کہ میری زندگی مجھے یہ مہلت دے گی یا نہیں کہ میں اپنے اجداد کے اس فرض کو پورا کر سکوں لیکن جیسا کہ میرے اجداد کرتے چلے گئے ہیں، میں اس سے منہ نہ موڑوں گا۔ یہ مقدس امانت صدیوں کے بعد مجھ تک پہنچی ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں اس سلسلے میں جدوجہد کروں، میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں اس سفر پر روانہ ہوں گا۔ اور وہ سب کچھ کرنے کی کوشش کروں گا جو میرے اجداد کرتے چلے آئے ہیں اگر ناکام رہا تو جو ہدایت آپ دیں گے۔ اس پر عمل کروں گا اور اگر اس جدوجہد میں موت آگئی تو بھی میرے لئے بُری نہ ہوگی۔ ہاں اس کے لئے چچا جان میرے ان الفاظ کو گستاخی پر محمول نہ کریں۔ میں آپ کو کھلی اجازت دیتا ہوں کہ اگر آپ کا دل چاہے تو میرے ساتھ شریک رہیں ورنہ انکار کر دیں۔ یہ سب کچھ میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں، یہ ہر طرح سے آپ کی اپنی ملکیت ہے۔ آپ اسے جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ چونکہ بہر طور اس کا کوئی تعلق براہ راست مجھ سے ظاہر نہیں ہو سکا ہے آپ اپنے طور پر زندگی گزاریں اور مجھے اپنے طور پر دیوانگی میں مصروف ہو جانے دیں۔"

"گویا تم یہ فیصلہ کر چکے ہو۔ کہ تم اس تحریر کے مطابق عمل کرو گے۔"

"ہاں چچا جان، میرے ارد گرد وہ تمام لوگ موجود ہیں، جو اس سلسلے میں کوششیں کرتے رہے ہیں اور اس میں ناکام رہے ہیں۔ یہ ایک مقدس فریضہ ہے جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔ میں بھی اسے پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ ناکام رہا تو میری تقدیر۔"

"گویا تم اس تحریر پر مکمل اعتماد کر چکے ہو۔؟"

"ہاں۔ میرے اندر سے جو آوازیں نکل رہی ہیں، وہ اس بات کا اظہار کر رہی ہیں کہ یہ تحریر غلط نہیں ہے۔ میں اسے کسی طور جھٹلا نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ حقیقت ہے اور میں حقیقتوں سے گریز کرنا نہیں چاہتا۔"

"تو پھر برخوردار یہ کیسے ممکن ہے کہ میں نے جو تمہیں اپنی اولاد کی مانند پروان چڑھایا ہے، ان لمحات میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں ٹھیک ہے میں خود بھی تمہارے ساتھ اس سفر کے لئے آمادہ ہوں۔ لیکن اس صندوق کا کیا کرو گے۔؟"

"اسے اس تہہ خانے میں دفن کر دیا جائے۔ ممکن ہے ہم اپنا

کام پورا نہ کر سکیں۔ ان حالات میں کچھ اور لوگ اس تک پہنچیں گے اور شاید ان میں وہ ہو جو میرے اجداد کی روح کی تسکین کا باعث بنے"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی اس صندوق میں اور بھی تو چیزیں موجود ہیں، انہیں بھی دیکھ ڈالو۔"

"ہاں۔ اس سفر کے مقاصد کے لئے اگر ہم انہیں دیکھ لیں تو کوئی حرج نہیں ہے، ورنہ میرا فرض مجھ تک پہنچ چکا ہے۔"

"پھر بھی تم ان کا جائزہ لو۔" میں نے کہا اور سلمان میری ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ یہ ایک نقشہ تھا جس میں جگہ جگہ قدیم اور مختلف انداز کے نشانات بنے ہوئے تھے اور یہ ہمیں صحرائے اعظم افریقہ کی نشاندہی کرتے تھے، وہ بلند و بالا مینار جو پہاڑی چٹانوں کے تراشے ہوئے تھے نقشے میں واضح تھے۔ گویا ان تک پہنچنا اولیت رکھتا تھا۔ اور اس کے بعد اس ملکہ کی تلاش، ہم نے یہ نقشہ ایک اور کاغذ پر اتار لیا تاکہ یہ ہمارے پاس محفوظ رہے اصل ہم نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ اور پھر ہم تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔ سلمان پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ وہ کھویا کھویا سا نظر آ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر اس کاوش طاری ہو گیا تھا۔ اور اب میں بھی فیصلہ کر چکا تھا کہ چلو اگر اب زندگی ان لمحات میں ایک اور تبدیلی چاہتی ہے تو یہی سہی۔ اگر صحرائے اعظم افریقہ میں موت لکھی ہے تو موت کو کون ٹال سکتا ہے۔ میں بھی اس دوران اپنے طور پر سوچتا رہا تھا۔ مجھے اپنے آباؤ اجداد یاد آ رہے تھے جن سے بچھڑے ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ اب تو ان کی شکلیں بھی ذہن سے محو ہو گئی تھیں۔ نہ جانے کیا کیا تبدیلیاں ہو گئی تھیں وہاں نہ جانے کون کون ہوگا، اور کون نہ ہوگا۔ لیکن جن سے واسطہ ہی ختم ہو چکا، انہیں یاد کرنے سے کیا فائدہ۔

دوسرے دن سلمان پر سکون تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں چچا جان کہ اب ہم اس معاملے میں دیر نہ کریں۔ سب سے پہلے ہمیں ایک لائحہ عمل متعین کرنا ہوگا۔ کہ کس طرح ہم ان علاقوں کا سفر کریں گے، اس کے علاوہ میں نے ایک اور کام کیا ہے۔ اس نقشے کی میں نے کئی کاپیاں تیار کرا لی ہیں، تاکہ اگر ان میں سے کوئی ایک گم ہو جائے تو دوسری ہمارے پاس موجود رہے۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا۔ رہی اس سلسلے میں لائحہ عمل کی بات، تو میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہم غور و خوض کر کے پہلے اقدامات کا تعین کریں اور پھر روانگی کا فیصلہ۔ ہم ان لوگوں کی طرح اندھے اقدامات نہیں کریں گے کیونکہ ہم جدید دور میں سانس لے رہے ہیں۔ ہم نہایت ٹھوس بنیادوں پر وہاں تک کا سفر کریں گے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" سلمان نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میز کے گرد بیٹھ جاؤ، اور ایک ڈائری ترتیب دو جس میں ہم سلسلے وار اپنے اقدامات کا فیصلہ کریں گے۔"

سلمان نے میری ہدایت پر عمل کیا، اور ہم کافی دیر تک اس سلسلے میں غور و خوض کرتے رہے۔ تقریباً تمام دن ہی بیت گیا تھا، لیکن اس دن نے ہمیں ایک لائحہ عمل دیا تھا۔ اور اب ہم اس پر بتدریج عمل کر سکتے تھے۔

عمل کے پہلے دور میں ہمیں چند سر پھرے لوگوں کا بندوبست کرنا تھا جو ہماری مانند ہوں۔ لیکن یہ فیصلہ بھی کیا تھا ہم نے کہ انہیں حقیقت حال نہ بتائی جائے گی۔ ہم جو حضرات جس قسم کی مہمات پسند کرتے ہیں انہیں ان کی پسند کے مطابق ہی مطمئن کرنا تھا۔ اگر انہیں صحیح صورت حال بتا دی جاتی تو چند استہزائیہ قہقہوں کے علاوہ ہمارے ہاتھ اور کچھ نہ آتا۔ ظاہر ہے وہ لوگ فراعنہ کے دور کے ایک شہزادے کے لئے اپنی زندگیاں کس حساب میں خطرے میں ڈالتے جسے اپنے آباؤ اجداد کا انتقام لینا تھا۔ یہی سمجھتے سب کے سب کہ اس نوجوان اور اس بوڑھے شخص کا دماغ چل گیا ہے۔ اور کسی خواب پریشان نے انہیں آلیا ہے۔ اور اس طرح کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئی ہیں۔ چنانچہ یہ خود کو تو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ دوسروں کی زندگی کے گاہک بھی بنتے ہیں۔ لیکن ہم نے جو بندوبست کیا تھا، وہ خوب تھا اور ہمیں یقین تھا کہ اس طرح ہم ان لوگوں کو اپنے مقصد کے لئے آمادہ کر سکتے ہیں۔ اور اس عمل پر آہستہ آہستہ ہی کام کیا جا سکتا تھا جس کے لئے میں اور سلمان مصروف تھے۔ ضمیر کے سکون کے لئے بھی ہم نے چند فیصلے کئے تھے۔ اس پر جو بحث ہوئی تھی کچھ یوں تھی، سلمان نے کہا۔

"چچا جان۔ ہم نے جو فیصلہ کیا ہے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی تو نہیں ہے۔؟"

"ہے تو سہی۔ لیکن یہ لوگ کسی بھی مفروضے پر عمل کرنے کے لئے زندگی داؤ پر لگانے والے ہوتے ہیں۔"

"تقدیر نے اگر یاوری کی اور میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا تو ان بے چاروں کے ہاتھ کیا آئے گا۔؟"

"صرف تکلیف اور پریشانی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا اصولی طور پر یہ درست ہوگا چچا جان۔؟"

"ہرگز نہیں، کسی کو دھوکہ دے کر اس سفر پر آمادہ کرنا، اور وہ بھی صرف اپنے مقصد کے لئے ایک غیر شریفانہ حرکت ہے۔ اس کے عوض ہم ان کے لئے صرف ایک ہی عمل کر سکتے ہیں۔؟"

"وہ کیا۔؟"

"وہ یہ، کہ یہ جو کچھ ہمارے پاس بے کار پڑا ہے۔ اور اتنا ہے کہ

اگر ہم دونوں مل کر اسے ساری زندگی خرچ کریں تو اس کا پچاسواں حصہ بھی استعمال نہ کر پائیں۔ کیوں نہ اسے ہم ان لوگوں کے لئے وقف کر دیں۔ خواہ وہ وقت سے پہلے اسے وصول کر لیں یا بعد میں۔"

"اوہ — تجویز تو بہتر ہے۔ لیکن اگر وقت سے پہلے ہم نے یہ سب ان کے حوالے کر دیا تو کہیں وہ ہماری نیت پر شک نہ کریں۔"؟

"تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم یوں کرتے ہیں، کہ جن لوگوں کو ہم اپنے ساتھ شامل کریں گے، ان کے لئے کچھ رقومات وقف کر دیں گے، اور یہاں اپنی ایک وصیت تیار کر کے رکھ دیں کہ ان میں سے جو شخص زندہ سلامت واپس آ گیا اسے یہ ادائیگی کر دی جائے، جو مر جائے اس کا معاوضہ، اور اگر ہم خود واپس آ گئے تو پھر انہیں ان کی محنتوں کا صلہ اپنے ہاتھ سے ادا کر دیں گے۔"

"یہ تجویز بھی مجھے پسند آئی، اس کے علاوہ اور کوئی صورت سامنے نہیں ہے۔" سلمان نے کہا۔

"وہاں صحرائے اعظم افریقہ ان قدرتی دولتوں سے مالا مال ہے جو انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، لیکن پہاڑوں اور جنگلوں میں ان کا وجود بے معنی ہے، اگر ہمیں واقعی کوئی ایسی چیز مل جاتی ہے، تو پھر وہ بڑی خوشی سے ان لوگوں میں برابر تقسیم کر دی جائے گی۔"

"چلئے یہ ٹھیک ہے اس طرح سے کم از کم ہمارے ذہن کو تھوڑا سا سکون ملتا ہے کہ ہم نے انہیں غلط ذرائع سے اپنے مقصد کے لئے آمادہ تو کیا، لیکن ان کے ساتھ مکمل ناانصافی نہ ہوئی۔" سلمان نے جواب دیا۔ میں خاموش رہا تھا۔ بہر طور ہمارے کام کا آغاز ہو گیا۔ قاہرہ کے چھوٹے چھوٹے قہوہ خانوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت مل جاتی تھی جو فراعنہ کے سنہرے دور کے خزانوں کی فکر میں غلطاں رہتے تھے۔ وہ ریگستانوں کی خاک چھانتے، زمین میں دفن شدہ مقبرے تلاش کرتے، بعض لوگوں کی تو زندگی اسی طرح گزر جاتی تھی۔ کسی کام کے نہ کاج کے، بس قہوہ خانے میں قہوے کی پیالیاں اڑاتے رہتے تھے، مفلوک الحال تھے، اور اس وقت کے منتظر جب ان کی زندگی میں کوئی سنہرا دور آ جائے گا۔ چنانچہ میں نے اور سلمان نے ان قہوہ خانوں کی الگ الگ سیر شروع کر دی۔ میری ملاقات سب سے پہلے قطبی سے ہوئی۔ گٹھے ہوئے بدن کا خشخشی داڑھی والا یہ شخص، اپنے جبڑوں کی بناوٹ اور آنکھوں کی چمک سے انتہائی مضبوط قوت ارادی کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ میں نے اسے اپنے مقصد کا پایا تو اس سے راہ و رسم بڑھالی۔ دو یا تین دن کی نشستوں میں، میں نے اس پر یہ ظاہر کیا کہ میں ایک مہم جو ہوں اور دفینوں کی تلاش میرا محبوب مشغلہ۔ قطبی میری اس شخصیت سے بے پناہ متاثر نظر آیا تھا۔

اس نے بتایا کہ وہ خود بھی ایک اچھا ملاح رہ چکا ہے۔ اور اکثر بادبانی جہازوں پر طویل سفر کر چکا ہے۔ لیکن اس کی بدنصیبی کہ کبھی اسے کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہوئی، سوائے اس کے کہ ایک بار صحرائے اعظم کے سمندر کے کنارے اسے ایک سنہرے سکوں سے بھری تھیلی مل گئی تھی۔ جس نے اس کی زندگی کو کچھ دن کے لئے دلچسپیاں بخش دی تھیں۔ وہ بڑی حسرت سے کہنے لگا۔

"کاش، میری تقدیر میں بھی کوئی دفینہ ہوتا۔ لوگ دفینوں کی تلاش میں جاتے ہیں اور مالا مال ہو کر آ جاتے ہیں، خود میں نے مصر میں کئی ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے جو کبھی کچھ نہ تھے، لیکن جہازراں تھے، وہ ایسے تاریک خطوں میں نکل گئے، جہاں انسانی قدم کم ہی پہنچتے تھے۔ لیکن جب وہ لوگ واپس آئے تو ان کی شخصیتیں ہی بدل گئیں۔ اور آج وہ یا تو قاہرہ کے متمول افراد میں شمار ہوتے ہیں، یا پھر باہر کے ملکوں میں نکل گئے ہیں اور وہاں اپنی امارات کا رعب جمائے ہوئے ہیں۔"

"تم جہازرانی کے بارے میں کیا جانتے ہو قطبی؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ کہ ایک چھوٹی سی کشتی سے میں ہزاروں میل کا سفر کر سکتا ہوں۔ کشتی رانی بھی دراصل ایک فن ہے۔ سمندر کے سینے پر انسانی زندگی کس طرح گزاری جا سکتی ہے، ایک عام انسان یہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ایک کامیاب سفر کے لئے جو بے وسائل ہو، انسان کو کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہی بات ہے کہ اس چیز کا کوئی مقصد ہو، بے مقصد سفر یورپ کے سر پھرے کیا کرتے ہیں۔ ہم لوگ ذرا اس بارے میں مختلف ہیں۔" قطبی نے اپنی دانست میں ان مہم جوؤں کا مذاق اڑایا جو صرف دنیا کو دکھانے کے لئے طویل و عریض سمندری سفر طے کرتے تھے اور جن کے بارے میں تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ میرے چہرے پر سنجیدگی کے آثار دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کس سوچ میں پڑ گئے دوست۔ کیا تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں قطبی، ایک ایسی بات جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیا؟" قطبی کی چمکدار آنکھوں میں اور بھی چمک پیدا ہو گئی۔

اور میں نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سکے نکالے جنہیں میں نے بمشکل مہیا کیا تھا، ایسے بہت سے سکے سلمان کے پاس بھی تھے۔ اور وہ الگ اپنی مہم پر نکلا ہوا تھا۔

سونے کے ٹیڑھے میڑھے سکوں پر عجیب و غریب نشانات تھے، جو ہم نے ہی کندہ کئے تھے، اور پھر انہیں اس طرح دھندلا دیا تھا، کہ وہ قدیم ترین محسوس ہوں، یہ سکے کسی خاص دور سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ بس ان کی حیثیت پراسرار قسم کی تھی۔ قطبی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سکوں کو دیکھا، اور پھر ان میں سے ایک سکہ ہاتھ پر اٹھایا اور اپنا رومال میز پر رکھ کر سکے کو اس پر رگڑ کر یہ اندازہ لگایا کہ یہ خالص سونے کا ہے یا اس میں کوئی ملاوٹ ہے۔ لیکن سکے خالص سونے کے تھے، اور انہیں، انہیں لوگوں کو پھانسنے کے لئے تیار کرایا گیا تھا۔ اس نے متحیرانہ انداز میں میری جانب دیکھا اور حریصانہ انداز میں بولا۔

"اوہ یہ تو خالص سونے کے ہیں۔ اور اتنے سکوں کی قیمت اچھی خاصی ہو جاتی ہے۔ اور اس کا مطلب ہے کہ تم اچھے خاصے مالدار آدمی ہو دوست۔"

"ہاں قطبی۔ تمہارا خیال درست ہے لیکن تم بھی میری طرح دولت مند ہو سکتے ہو۔ بشرطیکہ تم دل و جان سے ایک مہم کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

"اوہ۔ اوہ۔ ان سکوں کا کیا راز ہے مجھے بتاؤ۔" قطبی نے کہا۔ اور میں نے پہلے سے تیار شدہ کہانی اسے سنا دی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ میرے جد امجد صحرائے اعظم افریقہ کے ایک ایسے گوشے میں جا نکلے تھے، جو انسانی علم سے باہر ہے اور وہاں انہیں کافی مشکلات پیش آئیں اور وہاں سے وہ عظیم خزانہ نہ لا سکے جو اگر آبادیوں تک پہنچ جاتا، تو کسی بھی انسان کو متمول ترین بنا سکتا تھا۔ البتہ ان کے لباس میں یہ چند سکے پوشیدہ رہ گئے۔ جو انہوں نے بس یونہی جیبوں میں بھر لئے تھے۔ میں نے قطبی کو وہ نقشہ بھی دکھایا جس کے تحت ہم تھوڑی سی جدوجہد کے بعد اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور قطبی اتنا پرجوش ہو گیا کہ اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ میرے بازو پر رکھتے ہوئے کہا۔

"آہ دوست: اگر یہ بات ہے تو تم قطبی کو اپنا غلام سمجھو یوں جانو کہ قطبی تمہارے ساتھ اس مہم میں شریک ہے، ایسی دولت حاصل کرنے کے لئے زندگی کی بازی لگا دینی چاہئے، دیکھو نا اگر دولت ہے تو انسان کی زندگی بھی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ ورنہ کیا رکھا ہے ان قہوہ خانوں میں، قہوے کی پیالیاں پیتے ہوئے اور بعض اوقات تو ان پیالیوں کی ادائیگی کے لئے بھی پیسے نہیں ہوتے ہمارے پاس۔ اگر ہم ایک بھرپور کوشش کر ڈالیں، تو ممکن ہے ہماری قسمت یاوری کر جائے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں قطبی، لیکن تم جانتے ہو کہ اس قسم کی کارروائیاں آسانی سے نہیں ہوتیں۔ ان کے لئے طویل جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔ اور کچھ اور افراد کو بھی اپنے ساتھ رکھنا پڑتا

ساڑھے آٹھ لاکھ اقسام —— ارشد مصطفیٰ

اپنے آس پاس حشرات ارض کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اگر یہ بے زبان، بے وقعت کیڑے مکوڑے پوری زمین کی ملکیت کا دعویٰ کریں تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ جمہوریت کا دور ہے، کیڑوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے۔

زمین پر ایک انسان کی نسبت بیس کروڑ حشرات الارض ہیں اور یہ تناسب روز بروز بڑھ رہا ہے۔ یہ انکشاف ایک امریکی جریدے "انسان اور پرندے" نے کیا ہے۔ جریدے کا اندازہ ہے کہ کیڑے مکوڑے دنیا بھر کی فصل کا ایک تہائی حصہ برباد کر دیتے ہیں۔ انسان قدیم زمانوں سے کیڑے مار دوائیں ایجاد کرنے کی تگ و دو میں ہے۔ سب سے پہلے گندھک اور سنکھیا وغیرہ کا استعمال کیا گیا، لیکن اب تک جدید دور کی مہلک ترین دوا بھی اس مخلوق پر قابو نہیں پا سکی ہے۔ حشرات ہر دوا کے خلاف اپنے اندر مدافعتی نظام وضع کر لیتے ہیں اور بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر کے جانداروں کا اسی فیصد حصہ کیڑوں مکوڑوں پر مشتمل ہے۔ ماہرین اب تک آٹھ لاکھ پچاس ہزار قسموں کے کیڑے دریافت کر چکے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہر برس کیڑوں کی دو سو نئی اقسام دیکھنے میں آتی ہیں۔ ان اقسام میں سب سے زیادہ تعداد چیونٹیوں کی ہے۔ روئے زمین کے چھوٹے بڑے تمام جانداروں کے وزن کا پچیس فی صد وزن چیونٹیوں پر مشتمل بتایا جاتا ہے۔ حیاتیات کے ماہرین کہتے ہیں اس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ دوبارہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ زمین پر کیڑوں کے قدرتی دشمن بھی پرورش پا سکیں۔

ہے۔ اگر میں یہ کام اکیلے سرانجام دے سکتا تو یقیناً یہ کوشش کرتا لیکن میں نے یہ حماقت نہ کی، بلکہ میری نگاہ نے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو میرا بھرپور ساتھ دے سکیں۔ قطبی کو اپنے ساتھ شامل سمجھو، ویسے میں صحیح طور پر تمہارا تعارف حاصل نہیں کر سکا۔

میرے دوست، میرا نام بابر زاہد خان ہے۔ ایشیا کے ایک علاقے کا باشندہ ہوں لیکن پوری زندگی قاہرہ ہی میں گزاری ہے اور اب اپنے آپ کو مصری کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہوں، میرے ساتھ میرے ایک دوست کا بچہ بھی قیام پذیر ہے، جس کا نام سلمان ہے اور جو اس مہم کے لئے مجھ سے زیادہ بے چین ہے کیونکہ نوجوان ہے اور زندگی کو حسین ترین دیکھنے کا خواہاں، ہر چند کہ ہم ایک بہترین زندگی گزار رہے ہیں۔ اور ہمارے پاس دولت کی کمی نہیں ہے لیکن خزانوں کی بات ہی اور ہے۔ اول تو ہمیں اس سے دلچسپی ہے، اور اس کے بعد یہ خواہش بھی ہے کہ ہم دولت مند ترین ہوں۔"

"ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے بابر، لیکن براہ کرم تم مجھے اس مہم کے لئے نظرانداز مت کر دینا۔"

"قطعی نہیں۔ مجھے تمہارے جیسے ساتھیوں کی ضرورت ہے بلکہ ہمیں کچھ اور افراد کی بھی ضرورت ہوگی، جس کے لئے میں تم سے تفصیلی بات کروں گا، اس پتے پر آج رات کو پہنچ جانا، اور رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔"

جس وقت قطبی رات کے کھانے پر پہنچا تو سلمان کے ساتھ فیکان نامی ایک شخص بھی موجود تھا، یہ ایک عمدہ ڈاکٹر تھا اور سلمان نے کیا خوب انتخاب کیا تھا، چوڑے چکلے بدن، بلند و بالا قامت کا مالک یہ شخص بھی ایک ذہین اور مہم جو معلوم ہوتا تھا۔ سلمان نے اسے بھی اسی انداز میں اپنے شکنجے میں پھانسا تھا، جس طرح میں نے قطبی کو، اور رات کے کھانے پر مدعو کر دیا تھا۔

یہاں ہم لوگ سر جوڑ کر بیٹھے اور کھانا کھانے کے بعد اس مہم کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ میں نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا کہ دوستو! کسی بھی مہم کو راز رکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسے اپنی زبان پر نہ لایا جائے۔ ہم لوگ جو کچھ کریں گے، اس پر نہایت رازداری سے عمل کریں گے ہر چند کہ ہمیں مزید کچھ لوگوں کی ضرورت ہوگی، لیکن بہتر یہی ہے کہ ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جو مضبوط قوت ارادی کے مالک، جنگجو اور بہادر ہوں، اور بہادر وہی ہوتا ہے، جو اپنے راز کو سینے میں چھپا کر رکھے۔ ہمارے دونوں ساتھیوں نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

بہرحال مزید چند دنوں کی کوشش کے بعد ہم نے فرازی نامی ایک شخص کو بھی تیار کر لیا۔ جو فنون حرب کا ماہر تھا اور جنگلات کی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ اس طرح ہمارے علاوہ یہ تین افراد ایسے شریک ہو گئے تھے جو اس مہم میں ہمارے بہترین ساتھی ہو سکتے تھے۔ سلمان کا خیال تھا کہ لوگوں کی زیادہ بھیڑ نہ جمع کی جائے۔ ہر چند کہ یہ معاملہ ایک مہم کا ہے۔ لیکن کوشش یہ کی جائے کہ کم سے کم افراد اس میں شریک ہوں۔ ان تین آدمیوں کے علاوہ ہم نے طے کیا تھا کہ آٹھ مزدوروں کا انتخاب کیا جائے جو بہترین معاوضے کے عوض ساتھ اس مہم میں شریک ہو جائیں۔ اور ایسے مزدوروں کی فراہمی بھی قطبی نے اپنے ذمے لی تھی۔ اس کے بعد ہمارے درمیان آخری بات چیت ہوئی۔

میں نے پیشکش کی ان سب کو کہ اگر ہم خزانے کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔ تو خزانے کے چھ برابر حصے ہوں گے جن میں پانچ حصے ہم لوگوں میں تقسیم ہو جائیں گے، اور ایک حصہ ان مزدوروں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جو ہمارے ساتھ اس مہم میں شریک ہوں گے۔ عنقریب لوگ بھی زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ پھر میں نے انہیں اس پیشکش کا دوسرا حصہ سنایا۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر ہم کسی طرح بھی اس مہم میں ناکام رہتے ہیں، تو چونکہ میں نے اور سلمان نے آپ لوگوں کو اس کام پر آمادہ کیا ہے، اس لئے یہاں قاہرہ واپس آنے کے بعد آپ لوگوں کو آپ کے وقت کے زیاں کا معاوضہ تیس تیس ہزار دینار کی شکل میں ادا کیا جائے گا۔ اور یہ تیس تیس ہزار دینار ہم نے آپ لوگوں کے لئے مخصوص کر رکھے ہیں۔ لیکن یہ اسی شکل میں کہ ہم لوگ ناکام لوٹیں۔ اگر خزانہ ہمارے ہاتھ لگ جاتا ہے تو پھر یہ معاوضہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ یقینی طور پر اس کی مالیت اس سے زیادہ ہوگی۔"

تینوں افراد کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا تھا۔ فرازی نے مجھ سے سوال کیا۔

"یہ یقین کیسے کر لیا جائے کہ اگر ہمیں ناکامی ہوتی ہے تو واپسی میں یہ سب کچھ ہمیں مل جائے گا۔؟"

"اس کے لئے ہم مطلوبہ دینار کسی بینک میں جمع کرا دیتے ہیں۔ اور کسی وکیل کو مقرر کر کے یہ وصیت اس کے سپرد کر دیتے

ہیں، کہ زندہ سے ــــ لوٹنے والے کو یہ دینار ادا کر دیئے جائیں۔ فرض کرو، اگر خدانخواستہ، فیکان اور قطبی واپس نہ آئیں۔ تو تیس ہزار دینار صرف فرازی کو مل جائیں گے اور باقی ساٹھ ہزار واپس ہو جائیں گے۔ میں یہ بھی اعلان کر سکتا تھا کہ نوے ہزار ایک شخص کو مل جائیں لیکن اس شکل میں خرابی یہ ہو سکتی ہے ممکن ہے لالچ کسی کے ذہن میں در آئے اور ہم ایک دوسرے کے ہی دشمن بن جائیں۔ تاکہ واپس آ کر نوے ہزار دینار مل جائیں۔ میری اس تجویز کو سب ہی نے پسند کیا تھا۔ اور پھر ان لوگوں نے بڑے پُرجوش انداز میں اس بات کو قبول کر لیا کہ اگر ناکامی بھی رہے۔ تب بھی وہ خسارے میں نہ رہیں گے۔ میں نے ان کی تسلی کے لئے ضرورت کے مطابق سب انتظام کر دیئے۔ ایک ایڈووکیٹ کو اس سلسلے میں مقرر کر دیا گیا۔ اور یوں ہمارا یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ قطبی نے ان آٹھ قوی ہیکل مزدوروں کا بندوبست کر دیا تھا جو مقامی ہی تھے۔ اور مہم جوئی سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ یہ مزدور فنون حرب کے بھی ماہر تھے، آتشی اسلحہ بھی استعمال کر سکتے تھے اور ضرورت کے وقت بہترین لڑاکے ثابت ہو سکتے تھے۔ نہ صرف لڑاکے بلکہ اس کے ساتھ ہی وہ کشتی رانی میں بھی ہماری مدد کر سکتے تھے۔ گویا اس طرح اب وہ پورا گروہ بن گیا تھا جس میں آٹھ افراد مزدور کی حیثیت سے تھے۔ تین وہ جن میں ایک ڈاکٹر ایک جہازران اور ایک جنگلات کا ماہر، باقی ہم دو۔ گویا کل تعداد یہ تھی جو وحشیوں کی اس علاقے سے انتقام لینے کے لئے ایک خوفناک مہم پر نکلنے والے تھے، اس مرحلے سے فارغ ہونے کے بعد مہم کے دوسرے مرحلے کا آغاز ہو گیا۔ یعنی کسی ایسے جہاز کا انتخاب جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچانے کا انتظام کر سکے ایک اور میٹنگ ہوئی اس سلسلے میں۔ قطبی نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں بندرگاہ جا کر معلومات حاصل کروں گا لیکن صورتحال کیا ہوگی۔؟"

"تمہیں کافی کام کرنا ہوگا مسٹر قطبی۔ ہمیں ایک موٹر لانچ درکار ہوگی۔ ایسی لانچ جو ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دے اور ہم اس سے واپسی کا سفر بھی کر سکیں۔" میں نے کہا۔

"لانچ سے سفر کریں گے تو پھر جہاز کی کیا ضرورت...؟"

"آپ سمجھے نہیں۔ ہم ابتدا ہی سے لانچ کا سفر نہیں کریں گے۔ بلکہ لانچ کسی جہاز پر بار کریں گے جس کا رُخ کسی افریقی ساحل کی طرف ہوگا۔ یہ جہاز ہمیں راس العدیہ کے پاس اتار دے گا اور وہاں سے ہم لانچ کے ذریعہ سفر کریں گے۔ واپسی پر پھر اللہ مالک ہے۔ کوئی دوسرا جہاز ہمیں مل جائے گا، نہ ملا تو لانچ سے ہی کوشش کریں گے۔"

"واہ۔ یہ خیال اچھا ہے۔ لیکن کسی جہاز کے کپتان کو اس کے لئے آمادہ کرنا بھی مشکل ہوگا۔"

"اسے منہ مانگا معاوضہ ادا کیا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں کوشش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی لانچ کا بھی بندوبست کرنا ہوگا۔ اگر میں اس میں ناکام رہا تو پھر آپ لوگوں کو بتاؤں گا۔"

قطبی درحقیقت ایک بہترین منتظم تھا۔ دوسرے دن اس نے فون کر کے بتایا کہ موٹر لانچ کا بندوبست ہو گیا ہے۔ شام کو اسے دیکھ لیا جائے۔ اور اسی شام ہم پانچوں سب اکٹھے ہوئے اور پھر سب مل کر لانچ دیکھنے چل پڑے۔ بیالیس فٹ لمبی جدید ترین لانچ ہمیں پسند آئی تھی۔ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ سودا ہوا اور بھاری قیمت پر لانچ خرید لی گئی۔ ہم نے اس میں کچھ تبدیلیوں کا آرڈر دے دیا۔ مثلاً کیبن کی جگہ اس کے درمیان ایک سائبان ہوا دیا گیا۔ اس کے علاوہ ڈبل انجن اور بادبان کا انتظام بھی قائم کر دیا گیا۔ ہم نے لانچنگ کمپنی کو ہدایت کی کہ دن رات کام کر کے ہمیں پندرہ دن کے اندر اندر اس کی ڈلیوری دے دی جائے۔

دوسری تیاریاں بھی ہو رہی تھیں۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد ایک شام قطبی خوش خوش واپس آیا۔ "حالات ہر طرح ہمارا ساتھ دے رہے ہیں بابر صاحب! ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔"

"کیا...؟"

"ڈی گارشیا نامی ایک پرتگالی جہاز ساحل سے لگا ہے۔ اس کا کپتان ڈان سوانز ہے۔ میرا گہرا دوست، اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ پچیس دن کے قیام کے بعد زنجبار جائے گا۔"

"اوہ۔ خوب۔ سوانز سے ملاقات ہوئی۔"

"ہاں! دوپہر کا کھانا میں نے اسی کے ساتھ کھایا تھا۔"

"کوئی بات ہوئی۔؟"

"ڈان سوانز سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے درمیان گہری دوستی ہے، تاہم میں نے اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر دیا ہے۔"

"کیا جواب دیا اس نے۔؟"

"تیار ہے۔ راس العدیہ کے پاس وہ ہمیں سمندر میں اتار دے گا۔"

"اتنی بڑی لانچ کو وہ جہاز پر بار کرے گا۔؟"

"ہاں۔ البتہ میں نے اسے ایک پیشکش ضرور کر دی ہے وہ یہ کہ اس سلسلے میں وہ جو معاوضہ چاہے مجھ سے ادا کر دیا جائے گا۔"

"اس نے اس انوکھے سفر کی وجہ نہیں پوچھی؟"

"اوہ۔ وہ مجھے ایک مہم جو کی حیثیت سے جانتا ہے" قطبی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ پھر اس سے کب ملاقات ہو رہی ہے؟"

"کل" قطبی نے جواب دیا۔

پانچ ہزار امریکن ڈالر پر بات طے ہو گئی۔ ڈون سوانو، مخلص آدمی تھا۔ اس نے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ کشتی وقتِ مقررہ پر مل گئی۔ ہماری توقع کے عین مطابق تھی۔ اسے جہاز پر پہنچا دیا گیا۔ اور دوسرے تمام انتظامات بھی حسبِ خواہ مکمل ہو گئے۔ چنانچہ ہم اس پُراسرار سفر کے لئے تیار تھے۔

●

بالآخر ڈی گارشیا نے ساحل چھوڑ دیا۔ آٹھوں چالاک چوہے طرح یا مزدور خوش تھے۔ ابھی کچھ وقت ان کی مصروفیت کا نہیں تھا۔ اس کے بعد انہیں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنی تھیں۔ قاہرہ کی چہل پہل، پُررونق قہوہ خانے، پُراسرار سرزمین طویل عرصے کے بعد مجھ سے جدا ہوئی تھی۔ میں عرشے پر کھڑا نجانے کب تک افق کی گہرائیوں میں جھانکتا رہا تھا۔ اب آنکھوں کے سامنے دُور دُور تک سمندر پھیلا ہوا تھا۔ پانی کی عظیم چادر جو کائنات پر مسلط محسوس ہوتی تھی اور جس کی چھت پر آسمان کا شامیانہ تنا ہوا تھا رات کے وقت چاند کی شعاعیں پانی سے کھیلتی ہوئی ایسی حسین لگتیں کہ نگاہ اٹھانے کو جی نہ چاہے۔ جہاز کی برق رفتاری چاندنی رات میں کھلے ہوئے ستارے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس حسین داغ حسن کو سمندر پر تیرتے دیکھ کر حیران ہوں۔

ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے ذہن کو کائنات کے نجانے کون کون سے سربستہ رازوں سے آگاہ کر رہے تھے۔ صندوق کا راز میرے ذہن میں تھا اور میں اس پُراسرار زمین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جس کی کہانیاں [illegible] تھا۔ جس کے بارے میں ہم جو طرح طرح کی داستانیں گھڑتے تھے اور مزے لے لے کر ایک دوسرے کو سناتے تھے جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ سونے کی سرزمین ہے اور آرزوئیں [illegible] والا وہاں جا نکلے تو اس کی تقدیر میں اسی طرح ستارے جگمگا تے ہیں جس طرح ان کی چمک دمک آسمان کو منور کرتی ہے۔ خوفناک وحشی جانوروں اور بھیانک بلاؤں کی یہ سرزمین کچھ ہی لمحے کے بعد میرے قدموں میں ہو گی۔

سلمان چونکہ نوجوان تھا اور جہاز کی دلچسپیوں نے اسے اپنی جانب گھسیٹ لیا تھا، جوان ہو چکا تھا اور عمر کی پچیسویں منزل سے گذر رہا تھا اس لئے اب میں نے اس پر سے پابندیاں اٹھالی تھیں یوں بھی مضبوط کردار کا نوجوان تھا اور یہ خدشات میرے ذہن سے نکل چکے تھے کہ وہ کسی بُری راہ پر پڑ سکتا ہے۔ حسین اتنا تھا کہ جہاز پر بھی میں نے اس کے بارے میں چہ میگوئیاں سنی تھیں مسافر لڑکیاں دن کی روشنی میں ہی مجھے اس کی جانب مائل نظر آئی تھیں خاص طور سے میں نے دو لڑکیوں کو ایک گوشے میں کھڑے اس کی طرف اشارے کرتے دیکھا۔

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ سرزمین قاہرہ بھی حسن و عشق کی سرزمین تھی اور وہاں سلمان کے لئے کیا کچھ کھیل نہ ہوئے تھے۔ لیکن میں نے اس کھیل میں سلمان کا کوئی کردار نہیں دیکھا تھا اس لئے آج بھی اس کی جانب سے مطمئن تھا۔

رات آہستہ آہستہ گذرتی رہی اور میں گذرتی رات کی رعنائیوں سے محظوظ ہوتا رہا۔ سمندر کی مترنم لہروں کا منظر کچھ اتنا دلکش تھا کہ میں عرشے پر ہی کھڑا رہا۔ پھر سلمان ہی نے عقب سے مجھے آواز دی اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس ایک لمحے میں مجھے سلمان کی آواز بے حد پُرفسوں لگی، بہرحال میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا بات ہے سلمان؟"

"ساڑھے بارہ بج چکے ہیں چچا جان۔ کیا واپس نہیں چلیں گے؟"

"میں چونک پڑا۔ "کیا کہا، ساڑھے بارہ" میں نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔ کیا آپ بہت دیر سے یہاں کھڑے ہوئے ہیں؟"

"وقت گذرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا"

"کچھ سوچ رہے ہوں گے" سلمان نے مسکرا کر کہا۔ اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"سوچ تنہائیوں کی رفیق ہوتی ہے۔ ایک غیر مرئی ساتھی جو ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے"

"کیا خیال تھا ذہن میں، پوچھ سکتا ہوں۔؟"

"کوئی ایک نہیں۔ بس ماضی ہر انسان کا شریک ہوتا ہے، مستقبل کی کوئی شکل نہیں ہوتی"

"ہاں، مستقبل سنگ مرمر کے اس مجسمے کی مانند ہوتا ہے، جس کے خدوخال نہ تراشے گئے ہوں۔ ویسے آپ نے آنے والے وقت کے بارے میں ضرور سوچا ہو گا"

"کیوں نہیں۔ خیالات پر کسے قابو ہے"

"آپ کا ان معاملات کے بارے میں کیا خیال ہے، کیا ہم اپنی اس مہم میں کامیاب رہیں گے؟"

"میں پیش گو نہیں ہوں"

"اندازہ تو لگا سکتے ہیں" سلمان اس وقت بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔ اپنی فطرت کے خلاف گفتگو کر رہا تھا۔ ورنہ کم گوئی اس کی سرشت تھی۔ حجتی نہیں تھا۔ کسی بھی سلسلے میں بحث اسے [illegible] تھی۔ لیکن اس وقت اس کا بچپن عود کر آیا تھا۔

"اندازہ بھی لگانا مشکل ہے نورِ چشم۔ تم کسی ایسی اجنبی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہو جس سے ہم ناواقف ہیں"

"میں آپ کو اپنے احساسات بتاؤں"

"اگر مناسب سمجھو تو۔"

"مجھے یوں لگتا ہے چچا جان۔ جیسے کچھ انجانی آنکھیں میری نگراں ہیں۔ بہت سے لوگ میرے ساتھ ہوں۔ ان کی آوازوں کی بھنبھناہٹ میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے"

"یہ آوازیں تم سے کچھ کہتی ہیں" میں نے پوچھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ مختلف زبانیں ہوتی ہیں۔ مسلسل بولی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ میں کچھ سمجھ نہیں پاتا" سلمان نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں تھوڑی دیر تک اس کی شکل دیکھتا رہا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "سلمان۔ میرے دوست، ہر چند کہ میری زندگی سادہ ہے اور میں نے اس کے نشیب و فراز واضح نہیں دیکھے۔ عمر ایک ہی انداز میں گذری ہے۔ اور سوائے عمر کے ابتدائی حصے کے میرے ساتھ کوئی الجھن نہیں پیش آئی۔ لیکن عمر تجربے کا نام ہے۔ میں تمہیں اور کچھ نہیں دے سکتا لیکن اپنا تجربہ ضرور تمہاری نذر کر سکتا ہوں"

"یہ میرے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، چچا جان۔" سلمان نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے اپنے اجداد کے مشن کو لبیک کہا ہے۔ وہ کوششیں جو صدیوں سے کی جا رہی ہیں اور ان میں ناکامی ہوئی ہے جاری رکھنے کا تصور خاص طور سے موجودہ دور میں مشکل ہے۔ عیش و عشرت کی زندگی کو چھوڑ کر خود کو ایک تصوراتی مہم کے لئے تیار کرنا معمولی بات نہیں۔ لیکن تم نے ان آوازوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ میں نے تمہارے اس جذبے سے انحراف نہیں کیا۔ اور خود بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ زندگی بہت ہلکی پھلکی شے ہے۔ خود کو وسوسوں سے آزاد رکھو اور یہی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے۔ وسوسے تمہارے سامنے مختلف شکلیں پیش کریں گے، اگر تم ان کے جال میں پھنس گئے تو نہ جانے کیا کیا عمل تیار کرو گے۔ وقت کا انتظار کرو۔ جو وقت کی کہانی ہو گی وہی بھلی۔ اس سے پہلے ذہن کو آزاد چھوڑ دو"

سلمان میرے الفاظ پر غور کرتا رہا۔ اور آہستہ آہستہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بزرگ دانا ہوتے ہیں۔ آپ کا مشورہ نہایت اطمینان بخش ہے۔ بلاشبہ آپ درست کہتے ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ خود کو الجھن میں نہ پھنساؤں۔ اور اس سفر کو ایک تفریحی شکل دے دوں۔ آپ تو مطمئن ہیں"

"ہاں، مجھے کوئی تردد نہیں ہے۔ حالات ہمارے پروگرام کے مطابق پُرسکون ہیں" میں نے جواب دیا۔ سلمان کی آنکھوں میں اطمینان کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں اپنے کیبن میں آ گئے۔ جو مشترک تھا۔ کپتان نے ہم پر خصوصی عنایت کی تھی اور یہ کیبن جہاز کے بہترین کیبنوں میں شمار ہوتا تھا۔

رات گذر گئی۔ دوسرے دن ابر چھایا ہوا تھا۔ موسم بھیگا بھیگا اور دلخوش کن تھا۔ ہم ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر قطبی اور دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔ وہ تینوں سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر مسکرائے۔

"کیا گفتگو ہو رہی ہے بھئی" میں نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سنہری دولت کی حشر سامانیاں زیر بحث ہیں۔ یہ انسان کو کس طرح دربدر کرتی ہے۔ نظامِ کائنات اس سنہری مجُوت کے زیر اثر چل رہا ہے۔ ہم اس موضوع پر بات کر رہے تھے"

"واوہ۔ اس میں کوئی شک نہیں" میں نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ قطبی نے کہا۔

"میں نے کپتان سے بات کی ہے۔ ہم رات کو تقریباً تین بجے رس الحدبہ کے پاس سے گذریں گے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے ہمیں لانچ میں سوار ہو کر سفر کرنا ہے۔ کپتان سے اس بارے میں بھی گفتگو ہوئی تھی"

"کب۔؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کا خیال ہے کہ ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا ہے وہ بہت پُرخطر ہے۔ سمندری جانور اس راستے میں بہت زیادہ ہیں۔ کپتان نے بتایا کہ ایک بار سمندری طوفان کی وجہ سے اسے راستہ بدلنا پڑا تھا۔ اور وہ راس العدیہ کے مشرق کی طرف پلٹ کر سفر کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ تب اس نے اس پُرخطر راستے پر غور کیا۔ اس طرف بڑی شارک مچھلیوں کے لاتعداد قبائل آباد ہیں۔"

"اور کوئی راستہ اس طرف جانے کا نہیں ہے؟"

"نہیں۔ اور اگر ہے تو بہت ہی عجیب۔ یعنی ہمیں تقریباً دو سو سمندری میل کا چکر کاٹ کر اپنی منزل کی طرف جانا پڑے گا۔"

"اوہ۔ گویا کئی دن کا سفر۔"

"ہاں۔ سفر بھی اس کے علاوہ ہم اس طرف سے اپنی منزل کا صحیح نشان نہیں پا سکتے۔"

"ہوں۔ پھر کیا سوچا تم نے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔ انتظام کر کے چلیں گے۔" قطبی نے جواب دیا۔

"وہاں کے لئے کوئی انتظام ہو سکتا ہے؟" میں نے پوچھا اور قطبی مسکرا کر بولا۔

"یہ آپ کا خادم بہت معمولی سا انسان ہے۔ لیکن کوشش کرے گا کہ خود کو آپ کے اعتماد کا اہل ثابت کر سکے۔" اس نے کہا۔

"میں تم لوگوں کی طرف سے بہت مطمئن ہوں۔" میں نے کہا۔ کافی دیر تک ہم لوگ بیٹھے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر سلمان اٹھ کر باہر چلا گیا۔ میں اپنے کیبن میں چلا گیا تھا۔

رات کو نو بجے سب لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو گئے سلمان میری اجازت سے جہاز کے کلب کی طرف چلا گیا۔ میں اس جگہ پہنچا جہاں ہماری لانچ رکھی ہوئی تھی۔ لیکن یہاں قطبی فرازی، اور فیکان آٹھوں مصریوں کے ساتھ موجود تھے۔ لانچ نیچے اتاری گئی تھی، روشنیاں چیک کر لی گئی تھیں اور وہ لوگ لانچ میں مصروف تھے۔ سامان بار ہو رہا تھا جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس سامان میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا تھا۔ جس پر میں نے توجہ نہیں دی۔ البتہ مجھے ان لوگوں کی مستعدی سے خوشی ہوئی۔ ذمہ دار لوگ تھے اور خود بھی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنا جانتے تھے۔ میں ان کے ساتھ کام کی نگرانی کرنے لگا۔ بارہ بجے تک ہم لوگ یہاں رہے اور تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ پھر چند مزدوروں کو لانچ کے پاس چھوڑ کر ہم یہاں سے چل پڑے۔ "میرے خیال میں اب تھوڑی دیر آرام کریں گے تاکہ رات کے آخری پہر ہم چاق و چوبند ہوں۔" قطبی بولا۔

"بالکل ٹھیک۔ رات کے لئے کیا بندوبست کیا گیا ہے۔ کپتان بذاتِ خود ہمیں جگائے گا۔"

"نہیں، مسٹر فرازی جاگیں گے اور مقررہ وقت سے کچھ قبل ہمیں جگا دیں گے۔ پھر یہ اپنی نیند کشتی میں پوری کر لیں گے۔" قطبی نے جواب دیا۔ اور میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ میں کیبن میں واپس آگیا اور میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر کے بعد سلمان بھی کلب سے واپس آگئے۔

"میں لانچ کے پاس دیکھ کر آیا ہوں۔ ہمارے دو ساتھی وہاں موجود ہیں۔" سلمان نے کہا۔

"ہاں اس میں تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی ہیں۔ اب تم بھی آرام کرو، ہمیں دو بجے جاگنا ہے۔ دو گھنٹے کی نیند کسی قدر سکون بخش ہو گی۔ کیونکہ بقیہ رات جاگ کر گزارنی ہے۔"

سلمان نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔ وہ تو تھوڑی دیر کے بعد ہی خراٹے لینے لگا لیکن میں کروٹیں بدلتا رہا۔ لاکھ سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی ذہن کو بار بار جھٹکا لیکن خیالات تھے کہ امڈے چلے آرہے تھے۔ میں نیند سے مایوس ہو گیا۔ سونا کسی طور ممکن نہ ہوا، اور دو گھنٹے گزر گئے فرازی نے کیبن کے دروازے پر دستک دی تو میں نے دروازہ کھول دیا

"دو بج گئے ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں، میں تیار ہوں۔" میں نے کہا اور فرازی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ سلمان کو ابھی جگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ فرازی دوسرے لوگوں کو جگا آیا تھا۔ بہر حال ہم لانچ کے پاس آگئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کپتان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ماتحت کو بلایا اور اسے ہدایات جاری کرنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاز کے اس حصے میں اچھی خاصی رونق ہو گئی۔ تیز لائٹیں جلائی گئیں تاکہ تمام کام بہتر طور پر ہو سکیں۔ ایک بڑی کرین اسٹارٹ ہو کر وہاں پہنچ گئی۔ اور لانچ کو کرین کے ہک میں اس طرح پھنسایا گیا کہ وہ کسی بھی طرف جھک نہ سکے۔ بہت بڑی لانچ تھی جسے اٹھا کر سمندر میں اتارنا خاصا مشکل اور مہارت کا کام تھا۔ لیکن کپتان بذاتِ خود اس کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے کپتان سے پوچھا۔

"جہاز مقررہ جگہ کس وقت تک پہنچے گا؟"

"ہم اس کے آس پاس ہیں! میں سوچ رہا ہوں تھوڑا سا اور

آگے بڑھ جائیں، اس کے بعد لانچ کو سمندر میں اتارا جائے۔ میرے خیال میں ہمیں اس کے لئے پون گھنٹہ اور صرف کرنا ہو گا۔" کپتان نے جواب دیا۔

"موسم بھی میرے خیال میں مناسب ہے۔"

"ہاں، کوئی خاص بات نہیں ہے، ہوائیں پُرسکون ہیں میرا خیال ہے آپ کو کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔" کپتان نے جواب دیا میں واپس اپنے کیبن کی طرف چل پڑا۔ دوسرے لوگ بھی اپنا اپنا سامان سمیٹنے کے لئے کیبنوں میں واپس آگئے تھے، سلمان کے خراٹے کیبن میں گونج رہے تھے۔ میں اسے جگانے لگا لیکن جوانی کی منہ زور نیند بھلا کیسے خاطر میں لاتی ہے۔ میں نے سلمان کو جھنجھوڑا بمشکل تمام اس کی آنکھ کھلی وہ اپنی خوبصورت آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ان آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"اٹھو گے نہیں سلمان؛ وقت ہو گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسا وقت؟" سلمان نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔ اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھئی تم ایک اہم مشن پر نکلے ہو، ذہن کو حاضر رکھنا ضروری ہوتا ہے، اترو گے نہیں جہاز سے؟" میں نے کہا اور سلمان کھوئی کھوئی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر اس کی آنکھوں سے نیند چھٹنے لگی۔ اور وہ مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

"اوہ۔ معاف کیجئے گا چچا جان! کیا آپ مجھے بہت دیر سے جگا رہے ہیں؟!"

"ہاں، ایسی ہی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ بہر حال سلمان اٹھ گیا۔ اور میری ہدایت پر جلدی جلدی سامان سمیٹ کر تیار ہو گیا۔ ہم لوگ جہاز کو خیرباد کہہ کر اب اپنی مہم کے لئے تیار تھے۔ ڈیک پر کام ہو رہا تھا۔ سب مستعد تھے۔ قطبی درحقیقت ایک اچھا منتظم تھا۔ چونکہ سمندری امور کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی۔ اس لئے اس وقت اس نے ساری کمان سنبھال رکھی تھی۔

دوسری طرف کپتان قطبی سے تعلقات اور مناسب معاوضہ کی وجہ سے ہمیں جلد از جلد ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچا رہا تھا۔ جہاز کی رفتار سست ہونے لگی۔ ہمیں سمندر میں اتارنے کے لئے اُسے رُکنا تھا۔ اس لئے اس نے رفتار سست کر دی تھی۔

وقت گزرتا رہا اور پھر وہ وقت آگیا جب لانچ کو سمندر میں اُتارا جانا تھا۔ کرین آپریٹر نے سیٹ سنبھال لی۔ اور پھر کرین حرکت میں آگئی۔ اس کا اسٹیئرنگ بلند ہونے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد لانچ میں بندھے ہوئے مضبوط تار بندھ گئے۔ پھر لانچ اپنی جگہ چھوڑنے لگی۔ دیو پیکر کرین نے اسے اٹھایا اور ایک مخصوص بلندی تک لے گئی۔ اس کے بعد اس کا رُخ تبدیل ہونے لگا۔ اب وہ سمندر کی جانب رُخ کر رہی تھی۔ اور آہستہ آہستہ آگے بڑھتی جا رہی تھی ڈیک کے بالکل نزدیک پہنچنے کے بعد وہ رک گئی اور اس کا اوپری حصہ گھوم کر سمندر کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کے بعد تار آہستہ آہستہ نیچے آنے لگے۔ لانچ اب سمندر میں اتر رہی تھی۔ دوسری جانب ہمارے لئے اب سیڑھی لگا دی گئی تھی۔ وہ جہازی لانچ میں سوار تھے تاکہ اسے نیچے پہنچنے کے بعد اسٹارٹ کر کے اپنی مطلوبہ جگہ لے آئیں۔ ہم سب ڈیک کے نزدیک کھڑے ہوئے لانچ کو سمندر میں اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بالآخر لانچ کی نچلی سطح نے پانی کو چھو لیا۔ اور اس کے بعد وہ سمندر میں پہنچ گئی۔

جہازیوں نے نیچے سے ہک کھولے اور کرین تار سمیٹنے لگی تھوڑی دیر کے بعد کرین ڈرائیور کرین کو پیچھے لے گیا تھا۔ ہم نے کپتان سے ہاتھ ملایا، اور کپتان نے ہمیں خوش بختی کی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ ایک ایک کر کے ہم سیڑھیوں کے ذریعے نیچے پہنچ گئے۔ جہازی لانچ اسٹارٹ کر کے اس جگہ لے آئے تھے جہاں سیڑھیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہمارا آخری آدمی قطبی تھا جو کپتان سے ہاتھ ملانے کے بعد نیچے اُترا تھا۔ اور اس کے بعد ہم سب لانچ پر پہنچ گئے۔ اوپر کپتان اور اس کے ساتھی کھڑے ہمیں الوداع کہہ رہے تھے، جہاز بالکل رک گیا تھا۔ مسافر اگر سو نہ رہے ہوتے تو یقیناً صورتحال معلوم کرنے کے لئے دوڑ پڑتے، ممکن ہے اب بھی کچھ لوگ اس بات پر حیرت زدہ ہوں کہ جہاز کیوں رک گیا۔

بہر حال قطبی نے لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ لانچ پہلے ہی اسٹارٹ تھی، جہازی اسے اسٹارٹ کر کے چھوڑ گئے تھے۔ لانچ جہاز سے آگے بڑھ گئی۔ کپتان اور دوسرے لوگ کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں ان کے ہیولے نمایاں تھے۔ اور ہم جہاز کی روشنیوں کو دُور ہوتے دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ لانچ کافی دُور تک پہنچ گئی۔ تب جہاز نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور مخالف سمت بڑھنے لگا۔ ایک عظیم الشان سمندری سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔ اور ہمارے ذہنوں میں عجیب عجیب تاثرات تھے۔ شہروں کی رونق چھوڑ کر ہمیں اب ایک طویل و عریض سمندر سے نبرد آزمائی کرنی تھی۔ اور ہم اس کے لئے خود کو مستعد پا رہے تھے۔ تمام لوگ جنس بول رہے تھے، آٹھوں مصری مزدوروں نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ قطبی ہر چند کہ اسٹیئرنگ سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ انہیں ہدایت بھی دیتا جا رہا تھا۔ جس سمت وزن زیادہ تھا۔ اس سمت وزن کم کیا جا رہا تھا اور چیزوں کو مختلف طریقوں سے رکھا جا رہا تھا۔

اوپر کا چھوٹا سا سائبان ہم سب کی پناہ گاہ تھا۔ اور اس میں آرام دہ نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ یوں بہترین سفر کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔ لیکن آسمان بدستور تاریک تھا۔ قطبی نے آسمان کی طرف دیکھا اور ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"کیوں، کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں، میں ہواؤں پر غور کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بادل چھائے ہوئے ہیں، ممکن ہے بارش ہو جائے۔"

"مگر کپتان کا خیال تھا کہ بارش نہیں ہوگی۔" میں نے کہا اور قطبی مسکرانے لگا۔

"سمندر کسی کے تابع نہیں ہوتا۔ بلبر صاحب، آسمان ایک لمحے میں رُخ بدل لیتا ہے۔"

"کیا طوفان کا خطرہ ہے؟"

"اوہ نہیں۔ یہ طوفانوں کا موسم نہیں ہے۔ سمندر کی پریشانیاں میرے سپرد ہیں۔ آپ بھی کوئی فکر نہ کریں۔"

"وہ نہیں مسٹر قطبی پریشان ہونے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہمیں بے شمار الجھنوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔"

سلمان اور دوسرے لوگ بہت خوش تھے۔ سمندری سفر تو پہلے بھی ہو رہا تھا۔ لیکن یہ خود مختار سفر زیادہ دلچسپ تھا۔ سلمان قطبی کے پاس پہنچ گیا۔

"لائیے۔ اب میں ڈرائیو کروں۔"

"ضرور، لیکن یہ کار ڈرائیونگ نہیں ہے سلمان میاں۔"

"آپ مجھے سکھا دیں، میں چند گھنٹوں میں سیکھ جاؤں گا۔" سلمان نے کہا اور قطبی نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ سلمان کو لانچ کے انجن کے بارے میں بتانے لگا۔ سلمان بڑے اطمینان سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

"اس طرح تو مجھے بڑی آسانی حاصل ہو جائے گی۔ میرے خیال میں دوسرے لوگوں کو بھی سلمان کی طرح تھوڑی تھوڑی دیر ڈرائیونگ کی مشق کرنی چاہیے۔" قطبی نے کہا۔

"ہم سب تیار ہیں۔" فرازی بولا۔ یوں ہنستے مسکراتے یہ سفر جاری رہا۔ اس وقت تلخ کافی نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دو دو پیالیاں پی گئی تھیں۔ پھر بہت دور مشرق سے سویرا جھانکنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ سمندر کا نیلا پانی روشن ہونے لگا۔ ... کی گھڑی میں ناشتے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ ناشتہ کپتان کے ہاتھ۔ تقریباً ساڑھے سات بجے ناشتہ دیا گیا۔ اور اب چاند

ہو گئے تھے۔ اور آسمان شفاف نظر آ رہا تھا۔ سلمان نے آگے بڑھ کر ویل کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ انہیں لانچ چلانے میں بہت لطف آ رہا تھا۔ قطبی انجن کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ ڈیزل چیک کیا۔ کھلے ڈبے کھول کر ٹنکی پوری بھر دی گئی۔ پھر قطبی بادبان کے مستولوں کی طرف چل پڑا۔ بادبان لپٹے ہوئے تھے اور مستول ٹھیک ٹھاک کر رہے تھے۔

سارے کاموں سے فارغ ہو کر قطبی نے اجازت چاہی کہ تھوڑی دیر آرام کر لے۔ میں سلمان کے پاس آ کھڑا ہوا۔ باقی لوگ سونے لیٹ گئے تھے۔ مزدوروں میں سے بھی چار مزدوروں کو سونے کی ہدایت کر دی گئی تاکہ وہ چاک و چوبند رہیں۔ سورج خوب چمک رہا تھا اور سمندر روشن تھا۔ پانی کر بھرتی ہوئی نم ہوائیں سورج کی تیزی کا احساس نہ ہونے دے رہی تھیں۔ سلمان یکایک مسکرانے لگا۔

"خیریت، کیا خیال آ گیا ذہن میں؟"

"ان بے چاروں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کون بے چارے؟"

"یہی جو سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ ممکن ہے ان کی آنکھوں میں سونے کے خواب گردش کر رہے ہوں۔"

"آہستہ سلمان۔ الفاظ پر قابو رکھنا ہوگا ورنہ یہ دوستی اور بھائی چارے کی فضا دشمنی میں بھی بدل سکتی ہے۔"

"سو رہے ہیں سب۔"

"پھر بھی احتیاط رکھو۔"

"انسان دولت کا اتنا لالچی کیوں ہوتا ہے چچا جان۔"

"نوجوانی بول رہی ہے اور ایسی نوجوانی جو بچپن سے لے کر اب تک کسی مالی مشورے کا شکار نہیں ہوتی۔"

"کیا دولت مل جانے سے انسان مطمئن ہو جاتا ہے؟"

"کسی حد تک۔"

"پھر یہ دولت مند لوگ مسلسل دولت حاصل کرنے کے لئے کیوں جد و جہد کرتے رہتے ہیں؟"

"یہ انسانی عمل ہے۔ اس کی ہوس کبھی کم نہیں ہوتی۔" سلمان میری یہ بات سن کر مسکرا دیا۔ اور پھر آہستہ سے بولا۔

"یقین کریں چچا جان۔ میں تو یہ ہوس بالکل محسوس نہیں کرتا۔"

"تمہاری بات اور ہے سلمان۔"

"کیوں چچا جان! میری بات کیوں اور ہے؟"

"اس لئے کہ تم ایک قدیم نسل کے شہزادے ہو۔ یہ داستان تم میں نے اس تحریر میں پڑھی، در حقیقت سلمان۔ میرے ذہن میں بھی ابھی مشکوک ہے۔ ہر چند کہ وہ تمہارے اجداد کی تحریر ہے

اور تم اس سے بہت متاثر ہو۔ لیکن میں نے صرف اس لئے اپنے کسی شک کا اظہار نہیں کیا کہ کہیں تمہارے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے بہر طور اگر اس میں صداقت ہے تو تمہیں سیر چشم ہونا ہی چاہیے۔" سلمان نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے یہ موضوع ختم کر دیا۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ کوئی ان ہماری یہ گفتگو دشمن نہ لے جو ہر چند کہ دھیمی آواز میں کی جا رہی تھی۔ لیکن بہر طور ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ سفر جاری رہا اور پھر دفعتاً سلمان چیخ پڑا۔

"چچا جان۔ وہ۔ وہ۔ وہ دیکھئے۔" میں نے اس کے اشارے کی سمت نگاہیں دوڑائیں۔ تو ایک عجیب سی شے نظر آئی — سیاہ اونٹ نما کوہان بے شمار تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ ان کا رُخ اسی موٹر بوٹ کی جانب تھا۔

"شارک۔" میرے حلق سے آواز نکلی۔ اور سلمان دلچسپی کی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"یہ شارک مچھلیاں ہیں، ان کے بارے میں تو بڑی بڑی خوفناک داستانیں سنی ہیں۔ بلکہ کچھ فلمیں بھی دیکھی ہیں۔ کیا یہ اتنی ہی خطرناک ہوتی ہیں جتنی انہیں کہا جاتا ہے؟"

"اس سے کہیں زیادہ خوفناک میں نے بھی اب تک شارک مچھلیوں کے بارے میں جو کچھ سنا ہے، وہ یہی ہے کہ سمندر میں ایک خوفناک عفریت کی حیثیت رکھتی ہیں۔"

"اوہ۔ یہ کشتی ہی کی طرف آ رہی ہیں، کہیں اسے نقصان تو نہیں پہنچائیں گی؟" سلمان نے کہا۔

"ہوشیار ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے تھوڑا سا رُخ تبدیل کر دیں۔" میں نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور سلمان نے موٹر بوٹ کا رُخ بدل دیا۔ مچھلیوں کا غول اس طرح دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ جیسے موٹر بوٹ کو نگل جائے گا، اور پھر وہ آن کی آن میں ہمارے قریب پہنچ گیا۔ پھر موٹر بوٹ کو شدید جھٹکے لگے۔ اور ان جھٹکوں سے سوئے ہوئے لوگ بھی جاگ پڑے۔ قطبی جلدی سے ہمارے قریب آ گیا۔

"یہ کیا ہوا۔ کیا ہوا؟"

"میرا خیال ہے شارک۔ شارک مچھلیوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔" میں نے جواب دیا اور قطبی ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر سمندر میں دیکھنے لگا۔ ایک سیاہ نام مزدور موٹر بوٹ کے کنارے پہنچا ہی تھا کہ قطبی زور سے دھاڑا۔

"خبردار۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔ پیچھے ہٹ جاؤ بے وقوف آدمی۔ کیوں زندگی کو موت سے ہمکنار کر رہے ہو۔" اور وہ شخص گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ مچھلیاں موٹر بوٹ کے نیچے سے گذر رہی

تھیں۔ اور وہ اتنی طاقتور تھیں کہ موٹر بوٹ کو جھٹکے لگ رہے تھے کوئی کوئی مچھلی موٹر بوٹ سے ٹکرا بھی رہی تھی۔ اور اس وقت یوں لگتا جیسے موٹر بوٹ ایک جانب کو اٹھ رہی ہو۔"

"کیا کیا جائے قطبی؟" میں نے قطبی سے پوچھا۔ اور قطبی نے آگے بڑھ کر رائفل نکالی تمام رائفلیں تیار تھیں اس نے دوسرے تمام لوگوں کو بھی یہی اشارے کئے۔ اور تمام مصری جوان رائفلیں تان کر کھڑے ہو گئے۔

پھر قطبی نے پہلا فائر کیا، اور ایک شارک مچھلی کا کوہان زخمی ہو گیا۔ وہ تڑپ کر نیچے گئی، اور دوسرے لمحے پھر ابھری، اس بار اس کا ہولناک منہ ہماری طرف تھا۔

یہ مچھلی تھی، یقین نہیں آتا تھا۔ اتنا بڑا منہ پھیلایا تھا کہ ایک آدمی کا سر اس کے منہ میں چلا جاتا۔ اس نے پانی میں غوطہ مارا، اور آ کر موٹر بوٹ سے ٹکرائی۔ موٹر بوٹ زور سے ہلی اور سلمان کی گرفت اسٹیئرنگ پر مضبوط ہو گئی۔ یہ زخمی مچھلی کے خون کی بو تھی یا پھر ان کا انتقام کہ دور دور سے اور بھی مچھلیاں اس سمت آنے لگیں۔ شارک کا پورا خاندان ہمارے گرد جمع ہو گیا تھا۔ جس طرف نگاہ اٹھتی کوہان ہی کوہان نظر آتے، قطبی عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے پُر تشویش لہجے میں کہا۔

"یہ صورت حال میرے لئے نئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ شارک مچھلیاں عموماً زخمی ہو کر بھاگ جاتی ہیں لیکن ان کا یہ غیظ و غضب بڑا عجیب ہے۔ ویسے میں آپ کو بتاؤں بلبر صاحب۔ کہ ان مچھلیوں کے خاندان سمندر کے مختلف حصوں میں آباد ہوتے ہیں اور جہاں ان کے قبیلے ہوتے ہیں وہ جگہ بے حد خوفناک ہوتی ہے۔ کپتان نے مجھ سے کہا تھا کہ اس سمت شارک مچھلیاں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ موٹر بوٹ چونکہ چھوٹی ہے، جہاز کی بات دوسری ہوتی ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ موٹر بوٹ کو کیسے جھٹکے لگ رہے ہیں۔ کہیں کوئی اور مچھلی اسے الٹ نہ دے۔" قطبی نے کہا۔

ہم سب کے چہروں پر تشویش کے آثار نمودار ہو گئے سوائے سلمان کے۔ اس کے چہرے پر بچوں کی سی شوخی اور چمک تھی جیسے وہ اپنا پسندیدہ کھیل دیکھ رہا ہو۔

دفعتاً ایک شارک مچھلی نے لانچ کے بالکل کنارے پر سر ابھارا۔ اور تقریباً چار فٹ اونچی بلند ہو گئی۔ خوش قسمتی تھی، ہم لوگوں کی کہ کوئی کنارے پر موجود نہیں تھا۔ ورنہ اس وقت تک کوئی خوفناک حادثہ پیش آ چکا ہوتا۔ مچھلی کا منہ کنارے پر پھنس گیا تھا اور لانچ اتنی ٹیڑھی ہو گئی تھی کہ اگر کوئی دوسری مچھلی

آتا چاہتی تو آسانی آسکتی تھی۔ اس کا کنارہ پانی کو چھونے لگا تھا۔
قطبی نے اندھا دھند مچھلی کے فائرنگ شروع کردی تین
چار گولیاں کھانے کے بعد وہ پیچھے اور سمندر میں الٹ گئی۔
لانچ کو شدید جھٹکا لگا۔ اور دوسری جانب تمام لوگ
لڑھک گئے۔ مچھلیاں اتنی تعداد میں جمع ہوگئی تھیں۔ کہ اب یہ خطرہ
پیدا ہوگیا تھا کہ وہ یقینی طور پر لانچ کو تباہ کردیں گی۔ تب قطبی نے
گردن ہلادی۔ اور اپنی رائفل ایک جانب رکھ دی۔ پھر وہ مجھ سے
کہنے لگا۔

"اب میں دوسرا کھیل کھیلنے جا رہا ہوں۔ شکر ہے کپتان
نے ہمیں اس صورت حال سے آگاہ کردیا تھا۔"

"دوسرا کھیل۔۔۔؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے قطبی کو دیکھا۔

"وہاں میں اس کا بندوبست کرکے چلا تھا" قطبی نے جواب
دیا۔ اور تیزی سے دوڑتا ہوا لانچ کے پچھلے حصے میں پہنچ گیا۔ اس نے
لانچ میں رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹن اٹھائے جن میں پٹرول بھرا
ہوا تھا، پھر وہ ان ٹینوں کے کارک کھولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے
پٹرول کو زور سے پانی میں اچھال دیا۔ ٹن الٹے گرے تھے اور پٹرول
پانی کی سطح پر پھیل گیا۔

قطبی نے لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کرنے کے لئے کہا۔ اور
سلمان لانچ کو موڑ کر پیچھے لے آیا۔ اس کے بعد قطبی نے پٹرول کا
ایک اور ٹن پانی پر خالی کردیا۔ اس کام کے لئے اسے بڑی مہارت
سے کام لینا پڑا تھا۔

کنارے پر جانا بے حد مشکل تھا، پٹرول کو چھوٹے سے ٹن
کے ذریعے پانی پر پھینکنا تھا۔ اگر کنارے پر جایا جاتا تو یقینی طور
پر کسی نہ کسی شارک مچھلی کا شکار ہو جاتا، اور اگر ٹن ذرا بھی بے
احتیاطی سے اٹھایا جاتا تو پٹرول لانچ کے کناروں پر بھی
پڑ سکتا تھا۔

چنانچہ قطبی نے لانچ کو بچانے کی کوشش کی اور تین چار
ٹن پھینکنے کے بعد پیچھے ہٹ کر لانچ کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اس کی
یہ حرکت میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن اسٹیئرنگ سنبھال کر اس
نے لانچ کو تھوڑا سا پیچھے کیا اور اسے ایک مخصوص زاویے پر لا کر لانچ
کا اسٹیئرنگ سلمان کے حوالے کردیا۔ پھر اس نے جلدی سے کپڑا اٹھایا
سے بھگویا اور اس کا گولہ سا بنا کر ہاتھ میں لے لیا۔ پھر اس نے
فرازی کو ہدایت کی کہ اس کپڑے میں آگ لگائی جائے۔

فرازی نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اب یہ صورت حال میری
سمجھ میں بھی آگئی تھی۔

جلتا ہوا گولہ سمندر میں پھینکا گیا اور اب پانی کی سطح پر ایک
عجیب و غریب نظارا پیدا ہوگیا۔ پٹرول نے آگ پکڑ لی تھی۔

مچھلیوں کا غول چونکہ بہت زیادہ تعداد میں تھا۔ اس لئے وہ
اس آگ کی لپیٹ میں آگئیں۔ اور ان میں افراتفری پھیل گئی۔ اس
واقعے سے شاید وہ ڈر گئی تھیں۔ لانچ کو اس مہارت سے پیچھے ہٹا
لیا گیا تھا کہ سمندر پر پڑا ہوا پٹرول اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور
پھر قطبی کے کہنے پر لانچ کی رفتار تیز کردی گئی۔ کچھ مچھلیاں لانچ کے
پیچھے لپکیں، لیکن پھر جب انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کا خاندان
بہت پیچھے رہ گیا ہے تو وہ خود بھی اپنی جگہ تبدیل کرنے لگیں۔
سمندر پر شعلے ابھر رہے تھے۔ اور دلچسپ نظارہ نگاہوں کے
سامنے تھا، لانچ ان شعلوں سے کافی دور نکل آئی تھی۔ اور اس طرح
ان مچھلیوں سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

میں نے تحسین آمیز نگاہوں سے قطبی کو دیکھا اور قطبی مسکرانے لگا
"جب مجھے کپتان نے یہ بات بتائی تھی کہ اس طرف شارک
مچھلیوں کے غول بہت زیادہ نظر آتے ہیں، تب میں نے اس پٹرول
کا بندوبست کیا تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی چارہ نہیں تھا
یہ غول بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔ میں نے ایک بار کسی سیاح کے سفر
نامے میں ان کے بارے میں پڑھا تھا۔ بعض اوقات تو یہ غول چھوٹے
چھوٹے جہازوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔ اور ان کی تعداد جوں جوں
بڑھتی جاتی ہے یہ زیادہ خطرناک ہوتے جاتے ہیں۔ مسئلہ صرف یہ
تھا کہ ان میں سے کوئی ایک مچھلی ڈر جائے۔ گولیوں کے زخم تو انہیں
نہیں ڈرا سکے تھے، لیکن آگ کے شعلوں نے انہیں بدحواس کردیا۔"

"قطبی، شکریہ۔۔۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ اور قطبی ہنسنے لگا۔

"نہیں بابر، یہ تو میرا فرض تھا۔ میں بلاوجہ ہی تم لوگوں کے
ساتھ نہیں آگیا تھا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ سمندری امور کی ذمہ
داری میرے سپرد کردی جائے۔ باقی معاملات خدا کے ہاتھ میں
ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

فرازی اور فیگان بھی قطبی کی اس کوشش سے متاثر نظر آ
رہے تھے۔ بہرصورت ہم میں سے کوئی شخص اگر سب سے زیادہ
بے فکر تھا تو وہ تھا سلمان۔ اور میں جانتا تھا کہ نوجوانی کی عمر ایسی
ہی ہوتی ہے۔ دنیا کا کوئی خطرہ، خطرہ نہیں محسوس ہوتا۔

لانچ اب کافی دور نکل آئی تھی۔ تب میں نے قطبی سے کہا
"قطبی کوئی سمندری حادثہ ہمیں راستہ نہ بھٹکا دے، اس بات کا
بھی خاص طور سے خیال رکھنا ہے۔۔۔"

"یقیناً۔ جو نقشہ ہم نے ترتیب دیا ہے اس کے تحت
ہم ابھی راستے سے نہیں بھٹکے۔ سوائے اس کے کہ تھوڑی دور جانے کے
بعد ہم نے سیدھا کردیں گے۔۔۔ اگر ہم یہیں سے اپنا رخ بدلیں تو

مچھلیوں کا یہ غول پھر سے ہمارے قریب پہنچ سکتا ہے۔"

"نہیں نہیں، اسی طرح چلتے رہو، آگے چل کر راستہ بدل
لینا۔۔۔"

تقریباً ایک سمندری میل چلنے کے بعد ہم نے پھر
لانچ کا رخ اسی سمت کردیا جدھر ہمیں سفر کرنا تھا اور اس کے بعد
شام تک کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا۔ ہم سب شارک مچھلیوں کے
اس حادثے کو بھول گئے تھے، کئی جگہ ہمیں شارک مچھلیاں نظر آئیں
لیکن تنہا تھیں، وہ تھوڑی دور تک موٹربوٹ کے پیچھے دوڑتی ہیں۔
اور اس کے بعد رخ بدل کر چلی گئیں۔ غالباً ایک یا دو مچھلیاں کبھی کسی
ایسی چیز پر حملہ نہیں کرتی تھیں جن سے انہیں خطرہ درپیش ہوسکے۔
میں اس سمندری مخلوق کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہر جانور ہر جگہ
ایک باقاعدہ ذہنی نظام رکھتا ہے۔ اس کی اپنی سوچ ہوتی ہے،
اور وہ اپنے اندازے کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔

سورج ڈھل چکا تھا۔ شام ہوگئی۔ آسمان پر ایک بار پھر
بادل امنڈ آئے اور پھر تقریباً ساڑھے آٹھ یا نو بجے کا وقت ہوگا کہ
بوندیں پڑنے لگیں۔

قطبی نے جلدی سے لانچ پر دوسرے انتظامات کئے۔
یوں تو ہم نے لانچ پر ایک سائبان جیسی جگہ بنائی ہوئی تھی۔ کیبن اس
لئے نہیں بنائے گئے تھے کہ ان کیبنوں کی تعداد کتنی ہوسکتی تھی،
ظاہر ہے تمام افراد کیبنوں میں نہیں آسکتے تھے۔ اس لئے لانچ
پر ایک سائبان ترتیب دے دیا گیا تھا۔ جس کے نیچے سورج سے
پناہ لی جاسکے۔ بہرحال قطبی کی وجہ سے درحقیقت سمندری سفر
میں بے حد آسانیاں ہوگئی تھیں۔ اس نے شارک مچھلیوں کو جس
طرح بھگایا تھا وہ قابل تحسین کارنامہ تھا۔ بارش باقاعدہ ہونے لگی،
اور چاروں طرف تاریکی پھیل گئی۔ قطبی کسی قدر سوچ میں ڈوبا ہوا
تھا۔ لیکن اس نے کسی تشویش کا اظہار نہیں کیا۔

اس وقت رات کے تقریباً بارہ بجے ہوں گے کہ دفعتاً تیز
ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے۔ اور کشتی ہچکولے کھانے لگی۔ قطبی نے
ایک لمحے آرام نہیں کیا تھا۔ وہ جیسے اس وقت کا منتظر تھا۔ اس نے
مجھے قریب بلایا اور سرگوشی کے انداز میں بولا "مسٹر بابر، صورت حال
پریشان کن ہوگئی ہے۔ یہ تیز ہوائیں سمندری طوفان بھی ہوسکتی
ہیں۔ ہرچند کہ یہ طوفانوں کا موسم نہیں ہے۔ لیکن سمندر کا کیا بھروسہ۔"

"کیا طوفان خوفناک ہوسکتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آثار ایسے ہی ہیں۔" قطبی کے جواب نے مجھے بھی پریشان
کردیا تھا۔

اگر سمندری طوفان آگیا تو کیا ہوگا۔ یہ چھوٹی سی لانچ
اس طوفان کا کیا مقابلہ کرسکے گی۔ سب لوگ قطبی کے انکشاف
سے آگاہ ہوگئے تھے۔ سب کے سب بے سکون تھے سوائے سلمان کے۔
وہ کشتی کے ایک سرے پر کھڑا آسمان کی طرف منہ اٹھائے کچھ بڑبڑا رہا
تھا۔ نہ جانے کیا ہوگیا تھا اسے۔ میں اسے اس کیفیت میں دیکھ کر اس کے
قریب پہنچ گیا۔ "سلمان۔۔۔" میں نے اسے آواز دی تو اس نے
گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ "کیا بات ہے! اوپر کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔؟"
میرے سوال پر اس نے گہری سانس لی اور مسکرانے لگا "کچھ
نہیں چچا جان، کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

"طوفان کا خطرہ ہے۔" میں نے کہا۔

"یہاں بہت لوگ پریشان ہیں۔"

"تم نہیں ہو۔۔۔؟"

"طوفان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔" سلمان نے جواب دیا اور
میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ اس وقت سوال جواب کا موقع نہیں
تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"درحقیقت جوانی سے بڑا طوفان کوئی نہیں ہوتا لیکن اس
کے باوجود احتیاط ضروری ہے۔ تم نادانی کی باتیں نہ کرو خود کو تیار کرلو۔"

"میں تیار ہوں چچا جان۔۔۔!" سلمان ایک دم سنبھل گیا۔ قطبی
نے لانچ کے انجن بند کرادیئے تھے اور بڑی تندہی سے ویسی تمام چیزیں
کو رسیوں اور لوہے کی موٹی زنجیروں کے ذریعے بندھوا رہا تھا جن
کے سمندر میں گر جانے کا خطرہ تھا۔

"یہ شخص درحقیقت ہمارے لئے بے حد کارآمد ہے اسے
جہاز رانی کا پورا تجربہ ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں۔ سلمان نے اعتراف کیا۔ ہوائیں تیز ہونے
لگی تھیں اور سمندر کا رنگ بدل رہا تھا۔ اونچی اونچی موجیں کشتی کی طرف
دوڑنے لگیں۔ طوفان آگیا۔ موجیں کشتی سے ٹکراتیں تو پانی اچھلتا اور
پوری کشتی کو شرابور کرتا دوسری طرف جا پڑتا۔ کشتی اب سمندر کے رحم و
کرم پر تھی۔ عمل ختم ہوچکا تھا اور اب خاموشی سے اپنے بچاؤ کرنے کی
کوششیں کی جارہی تھیں۔ آٹھوں مزدوروں نے ایک موٹے رسّے
کو اپنی کمروں سے کس کر گرہیں لگائی تھیں۔ یہ رسّہ ایک مستول سے بندھا
ہوا تھا۔ کشتی بری طرح ہچکولے لے رہی تھی کبھی ایک طرف جھک
جاتی اور یوں لگتا جیسے کہ اب ڈوبی تب ڈوبی۔ کبھی کوئی شدید موج اس کا
ایک سرا اٹھا لیتی۔ میں نے سلمان کو مضبوطی سے ایک رسّے سے کس لیا
تھا۔ مجھے اس سے اپنے بچوں ہی کی مانند پیار تھا اور درحقیقت اس
وقت مجھے اپنے آپ سے زیادہ اس کے بچاؤ کی فکر تھی۔ پانی کے تھپیڑے
بڑھ گئے تھے اور کبھی کبھی کشتی چکر کھانے لگتی تھی۔ خطرہ تھا کہ وہ ٹوٹ نہ
جائے۔ وزنی چیزیں بھی بے وزن ہوگئی تھیں اور آپس میں ٹکرا کر

صاف کر کے دوبارہ لگانے پر بھی انجن اسٹارٹ نہیں ہوا۔ قطبی مایوسی سے سر ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔

" ایک غلطی اور ہو گئی ہم سے کاش ہم کسی لانچ انجینئر کو بھی ساتھ لے لیتے۔"

" کیا خیال ہے قطبی صورتحال بہتر ہونے کے امکانات نظر نہیں آتے ؟" میں نے سوال کیا۔

" میں کیا بتاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کچھ اور دھوپ پڑ جائے تو انجن اسٹارٹ ہو سکے" قطبی نے جواب دیا اور ہم سب خاموش ہو گئے۔ چڑھتا سورج آہستہ آہستہ ڈھلتا رہا اور پھر شام ہو گئی۔

شام کو ہوا کا رخ بدل گیا اور وہ کسی قدر تیز ہو گئی۔ تیز ہوائیں اتنی تیز نہیں تھیں کہ سمندر میں طوفان کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ لیکن وہ کشتی کو اچھی خاصی رفتار سے لے کر بھاگ رہی تھیں۔ اور کشتی اب تیزی سے ایک سمت بڑھ رہی تھی۔ بڑی الجھنوں کا شکار ہو گئے تھے ہم سب کے سب کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ مجھے سب سے زیادہ حیرت سلمان کے پرسکون چہرے کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔ کشتی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی ہواؤں نے اس کے لئے راستے کا تعین کیا تھا اور ہم اس راستے کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔

کشتی کے آخری کونے میں کھڑے ہوئے سلمان کے نزدیک پہنچ کر میں نے کہا۔

" صورتحال تمہیں پریشان کن ہو گئی ہے سلمان"

" کیوں ؟" اس نے تعجب انداز میں پوچھا۔

" تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ جب طوفان آرہا تھا۔ تب بھی تم اتنے ہی پرسکون تھے۔ اور اب بھی میں تمہارے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھ رہا ہوں"

" کیا آپ میری بات پر یقین کریں گے۔ چچا جان۔ میرا مطلب ہے جو کچھ میں کہوں گا۔ اسے میرے دماغ کی خرابی تو نہیں تصور کریں گے۔"

" کہو کیا کہنا چاہتے ہو" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

" ہم جس منزل کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ وہی ہماری منزل ہے۔ ہم وہاں تک سلامتی سے پہنچ جائیں گے آپ اس بات پر یقین کریں۔ حالات کیسی بھی شکل اختیار کریں۔ لیکن ہمیں ہر طرح وہاں پہنچنا ہے۔"

" یہ بات تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو ؟" میں نے سوال کیا۔ اور سلمان کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

" میں اس سلسلے میں کوئی خاص بات نہیں کہوں گا بس یوں سمجھ لیجئے کہ کچھ سنائی دینے والی آوازیں میرے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ طوفان اور یہ راستے کی رکاوٹیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ہمیں منزل تک پہنچنا ہے" میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ مجھے گمان گزرا کہ کہیں سلمان کی ذہنی حالت تو متاثر نہیں ہوئی ہے۔ لیکن وہ ہر طرح سے مطمئن نظر آرہا تھا۔ بہر طور میں نے اس سلسلے میں اس سے کوئی بات نہیں کی۔ کم از کم اس بات کا تو مجھے بھی اندازہ تھا کہ حالات پراسرار ہیں اور سلمان کو جو مشن اس کے آباؤ اجداد نے سونپا ہے۔ اس میں وہ سب اس کی امداد بھی کر رہے ہیں۔ سلمان کی اس بات کو سن کر مجھے یک گونہ سکون محسوس ہوا تھا۔ بہر طور کشتی بڑھتی رہی۔

ستارے نکل آئے چاند روشن تھا۔ ستاروں کی مدھم چھاؤں میں ہم سمندر کی چمکتی ہوئی موجوں کو دیکھتے رہے۔ ہماری رات کوئی سکون سے نہیں بسر ہو سکا تھا۔ کسی کو اگر اونگھ آ بھی جاتی تو وہ چونک کر آنکھیں پھاڑنے لگتا۔ بے یار و مددگار سمندر کے سینے پر وقت گزارنے کا تصور سب ہی کے لئے ہولناک تھا۔ خاص طور سے قطبی جو کہ جہاز راں رہ بھی چکا تھا اس سلسلے میں سب سے زیادہ پریشان تھا۔ کیونکہ سمندر کی پراسرار زندگی کے بارے میں وہی سب سے زیادہ جانتا تھا اسے یقیناً علم تھا کہ اگر کشتی اسی طرح بے یار و مددگار سمندر کے سینے پر بھٹکتی رہی تو بلاآخر ایک دن وہ آجائے گا۔ جب خوراک ختم ہو جائے گی اور پھر وہ تمام سلسلے شروع ہو جائیں گے۔ جن کے قصے کہانیوں کی باتیں کیا جاتا ہے۔ لیکن جس کی حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یا کم از کم وہ قطبی نہیں جو کسی نہ کسی طرح سمندر میں کسی ہولناک حادثے کا شکار ہو چکا ہو اور تقدیر نے اسے بچا کر دوبارہ زندگی کی طرف لوٹا دیا ہو۔

رات گزر گئی۔ لیکن دوسری صبح جو ابھی پوری طرح ابھرنے بھی نہیں پائی تھی ہمارے لئے خوشیوں کا پیغام لائی تھی۔ دور افق کے سرے پر ہم نے ایک سیاہ لکیر دیکھی تھی اور یہ سیاہ لکیر کوئی جزیرہ ہی ہو سکتی تھی ہم سب ایک جگہ

جمع ہو گئے اور جزیرے کی جانب دیکھنے لگے۔ مزدور شور مچانے لگے وہ عربی زبان میں جزیرہ۔ جزیرہ پکار رہے تھے اور قطبی کے کہنے پر ایک بار پھر انہوں نے چپو سنبھال لئے۔ کم از کم ایک منزل نظر آئی تھی اور اب اس منزل کی جانب سفر کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ کشتی کا رخ اس طرف ہو گیا۔ آہستہ آہستہ واضح ہوتا جا رہا تھا۔ لکیر نمایاں ہو گئی تھی اور ہم سب اب مسرت سے سرشار ہو رہے تھے۔ کہ بالآخر وہ مشکل حل ہو گئی۔ جو ہم سب کو وسوسوں کا شکار کئے ہوئے تھی۔ ہم سب بے حد خوش ہو گئے تھے۔ جزیرہ آہستہ آہستہ قریب آتا جا رہا تھا۔ اور کشتی اسی کی جانب بڑھ رہی تھی لیکن جب ہم جزیرے کے کچھ اور قریب پہنچے تو یہ دیکھ کر ہم سب پر ہیبت طاری ہو گئی کہ جزیرے کے گرد چاروں طرف بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور وہاں بڑی بڑی شوریدہ سر لہریں اٹھ رہی ہیں۔ جو ان چٹانوں سے ٹکرا کر ایک عجیب شور پیدا ہوتا۔ اگر کشتی ان موجوں کی لپیٹ میں آکر چٹانوں سے ٹکرا گئی تو چند لمحات کے اندر اندر ہمارے اعضاء فضا میں بکھر جائیں گے ہم نے آپس میں مشورہ کیا قطبی نے کہا کہ کشتی کو زیادہ نزدیک نہ لے جایا جائے۔ بلکہ کسی ایک جگہ رک کر تیرتے ہوئے جزیرے تک پہنچا جائے۔ اس تجویز سے فرازی اور فیکان کو تھوڑا سا اختلاف ہوا۔ فیکان نے کہا۔

" لیکن کشتی کو اس طرح سمندر میں تو نہیں چھوڑا جا سکتا جس میں ہمارا ساز و سامان ہے۔ اسے ہم کس طرح وہاں تک لے جائیں گے ؟"

" آپ کا کہنا درست ہے۔ مسٹر فیکان۔ لیکن یہ تو دیکھئے کہ سمندر میں اس طرح ہم بے یار و مددگار ہو گئے ہیں کہ اگر ہم اس جزیرے میں نہ اترے تو ہماری زندگیاں بھی خطرے میں پڑ جائیں گی جس طرح جزیرے کے گرد چٹانیں بکھری ہوئی ہیں اور جس طرح موجیں ان کے پاس سر ابھار رہی ہیں۔ اگر کشتی بھی موجوں کی لپیٹ میں آکر کسی چٹان سے ٹکرا جائے تو ہماری زندگی ہی محال ہو جائے گی۔ ان حالات میں ہم سامان کی فکر کریں یا اپنی۔"

" وہ تو ٹھیک ہے لیکن پھر ہمارے کھانے پینے کا کیا ہو گا ؟"

" اس کے لئے میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ جو ساز و سامان ہم کسی بھی طرح ان واٹر پروف تھیلیوں میں بھر کر لے جا سکتے ہیں۔ وہ ہم اپنی پشت پر لاد کر چلیں اور کشتی کو اسی

طاقت کے اشتہار

کہتے ہیں تیرہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر بڑی خطرناک ہوتی ہے انسان کے جسم میں ہارمونز کی وجہ سے انقلاب برپا ہو رہے ہوتے ہیں۔ عموماً نوجوان لڑکے اسی عمر میں بے راہ روی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جنسی تسکین کے غیر فطری طریقے اپنا لیتے ہیں اور کچھ عرصہ بعد خود کو کمزور سمجھنے لگتے ہیں۔ دیواروں پر "کھوئی ہوئی طاقت حاصل کرنے کے اشتہار دیکھتے ہیں" نیم حکیموں سے رجوع کرتے ہیں، ان کا لٹریچر پڑھتے اور یقین کر لیتے ہیں کہ ہم اپنی جوانی تباہ کر چکے ہیں۔ جبکہ ایسا نہیں ہوتا ہے۔ نوجوان لاعلمی کے سبب پریشان رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ اپنا علاج کرانے سے پہلے جنسیات پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ ایسی بہت سی کتابیں بازار میں دستیاب ہیں جن میں "جنسی خفیہ راز" اور "جنسی صلاحیت بڑھایئے" بہت مقبول ہیں۔ یہ کتابیں ہر لحاظ سے کارآمد ہیں انکے پڑھنے سے ذہن میں پڑا ہوا خوف نکل جاتا ہے۔ جو غلط فہمی نیم حکیموں کے اشتہاروں نے پیدا کی ہے دور ہو جاتی ہے۔ ان کتابوں میں قابل اعتماد حکماء کے نسخے بھی موجود ہیں، نسخوں کی دوائیں بہت معمولی رقم خرچ کر کے بازار سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اسی طرح وہ نوجوان جو جوانی کے جوش میں بہک گئے تھے ان کتابوں کی مدد سے خود کو سنبھال سکتے ہیں۔

(ڈاکٹر اسلم علی)

مشہور ادیب ہنری طرنے ایک مرتبہ پیرس میں سیب کا رس پیا۔ گلاس لوٹاتے ہوئے اس نے دکان والے سے پوچھا: "تم دن بھر کتنے سیبوں کا رس بیچ لیتے ہو ؟"

" تقریباً ایک من سیبوں کا" دکان دار نے بتایا۔

" میں تمہیں ایک مشورہ دیتا ہوں جس پر عمل کر کے تم تقریباً دو من سیبوں کا رس بیچ سکتے ہو" ہنری نے کہا۔

" کیسے ؟" دکان دار بے قرار ہو گیا۔

" گلاس پورا بھر کر دیا کرو"

جگہ چھوڑ دیا جائے۔"

"اوہ۔ اور اگر اس جزیرے سے واپسی کا فیصلہ کرنا پڑا تو۔"

"جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔ تقدیر ہمیں جو کچھ دکھانا چاہتی ہے۔ ہم وہی کچھ تو دیکھ سکتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں کہ ہم سمندر کے بیچ پر زندہ رہیں اس سے بہتر ہے۔ کہ خشکی پر زندگی تلاش کریں اور موت ہی آنی ہے تو سمندر کے بیچ پر بھی آنے گی اور خشکی پر بھی آسکتی ہے۔" قطبی نے جواب دیا۔

بہر طور سب تیار ہو گئے۔ درحقیقت اس کے سوا اور کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا۔ لیکن اس کے لئے کچھ حفاظتی انتظامات بھی کئے گئے تھے۔

کنوس کے تھیلے اپنی پشت پر باندھ کر ہم نے اپنی کمر میں رسیوں کے پھندے ڈالے رسی کا ایک سرا سب سے آگے قطبی کی کمر میں تھا اور سب سے پیچھے میری کمر میں درمیان میں تمام مزید افراد اسی ایک ہی پھندے سے منسلک تھے اس طرح کہ اگر کسی ایک کی جان کے زیاں کا خوف نہیں رہا تھا ہم نے بالآخر کشتی چھوڑ دی۔ سب سے پہلے قطبی نیچے اترا تھا اور اس کے بعد ایک ایک کر کے ہم سب۔ قطبی تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ کسی ایسے راستے کی تلاش میں تھا جہاں سے سمندر کی دیو ہیکل موجیں انہیں سمندر کی چٹانوں سے ٹکرانے سے روک سکیں اور قطبی کی زیرک آنکھوں نے ایسی جگہ تلاش کر لی۔ وہ نسبتاً بہتر جگہ پہنچ گیا۔ اور سب سے پہلے وہی خشکی پر اترا تھا اس کے بعد ہم سب۔

چاروں طرف اونچی اونچی اور ویران چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں ان کے گرد ریتیلی زمین تھی۔ کافی دور دور تک کوئی پودا یا پانی کا چشمہ نظر نہیں آرہا تھا۔ بالکل ویران اور بے آب و گیاہ علاقہ تھا جہاں بدہیئت اور بدصورت چٹانوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ ان چٹانوں کا رنگ ہزاروں سال کی گردش لیل و نہار کے باعث گہرا سیاہ پڑ گیا تھا اور انہیں دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے یہ چٹانیں ان کی بے بسی کر دیکھ کر قہقہے لگا رہی ہوں۔

پرندے یا کیڑے وغیرہ بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ البتہ چند مقامات پر گہرے گہرے گڑھوں میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا۔ لیکن اس میں سے ناقابل برداشت بدبو اٹھ رہی تھی اور غالباً اس میں ریت کی اتنی آمیزش تھی کہ اگر شدید ترین پیاس بھی لگ رہی ہو۔ تب بھی یہ پانی چکھا تک نہیں جا سکتا تھا۔

ہم سب نے کمر سے بندھی ہوئی رسیوں سے خود کو آزاد کرا لیا۔ ان رسیوں کے لچھے بنا کر کندھے پر ڈال لئے گئے تھے درمیان سے ٹکڑے کر کے یہ لچھے بنائے گئے۔ کیونکہ ایک آدمی یہ ساری رسی لے کر نہیں چل سکتا تھا۔ نہ جانے آگے ہمیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔ بہر طور سمندر میں تیر کر یہاں تک پہنچ گئے تھے اور تھکن سے چور چور تھے لیکن پھر بھی اس وقت سے جب سے طوفان نازل ہوا تھا ہم سب مسلسل جد و جہد میں مصروف تھے۔ چنانچہ نیکلان کے مشورے پر سب سے پہلے یہی فیصلہ کیا گیا کہ کوئی سطح جگہ دیکھ کر آرام کی ٹھانی جائے۔ اور اس وقت تک سوتے رہیں۔ جب تک نیند پوری نہ ہو جائے۔ سب ہی نے اس بات سے اتفاق کیا کیونکہ سب ہی کے بدن تھکن سے چور تھے۔ ایسی جگہ تلاش کرنے میں کوئی زیادہ وقت نہیں ہوئی۔ بس ہم سمندر سے کافی دور ہٹ گئے تھے۔ تاکہ پانی کا شدید شور ہماری نیند میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ لیکن نیند میں تو اس وقت صور اسرافیل بھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ ہم سب گہری نیند سو گئے۔

پھر ہم اس وقت جاگے جب سورج ڈوب چکا تھا شام کے ہولناک سائے پہاڑی چٹانوں پر اتر آئے تھے۔ اور چٹانیں ان میں روپوش ہو کر رہ گئیں۔ اتنی گہری تاریکی چھائی جا رہی تھی کہ چند لمحات کے بعد ہاتھ کو ہاتھ بھی نہ سجھائی دے۔ ہمارے پاس روشنی کا انتظام تھا۔ لیکن اسے محفوظ رکھا گیا۔ ضرورت نہ تھی۔ روشنی جلانے کی کیڑے مکوڑے تو یہاں پہلے بھی نہیں نظر آئے تھے۔ اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا۔ کہ زمین پر کوئی ایسی چیز نظر آجائے گی۔ جس کی وجہ سے ہمیں جان کا خطرہ لاحق ہو جائے۔

دن گزر گیا تھا۔ چنانچہ اب بھوک بھی لگ رہی تھی قطبی کے مشورے پر سب نے اپنے اپنے کنوس کے تھیلے کھولے اور تھوڑی تھوڑی سی خشک غذائیں نکال کر معدے میں اتار لیں۔ لیکن ان کی مقدار بہت کم رکھی گئی تھی۔ یہ غالباً اس وجہ سے کہ ہم ہاتھ روکے رہیں۔

رات تو پر سکون ہی گزار لی تھی۔ تاکہ دوسری صبح ہم کچھ کر سکیں اور درحقیقت رات کی پرسکون نیند نے دوسری صبح ہمیں لوہے کی طرح چاق و چوبند کر دیا۔ سمندر کی نم ہواؤں

نے ہمارے بدن نم کر دیئے تھے لیکن یہ نمی اس وقت بری نہیں لگ رہی تھی۔

صبح کو جب ہم جاگے تو سورج بلند ہو چکا تھا اور فضا میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سیاہ چٹانیں بھی اس دھوپ میں چمک سی گئی تھیں۔ وہ دور بہت دور بہت کافی دور ہمیں کوئی سرخ سی شے نظر آئی۔ یہ شے ایک بلند جگہ نظر آرہی تھی۔ قطبی اسے دیکھنے لگا۔ اور پھر تھوڑی دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد اس نے مجھے متوجہ کیا۔

"مسٹر باب۔ براہ کرم دیکھئے میرا خیال ہے یہاں انسانی وجود موجود ہے۔" اس نے کہا کر میں اس کے اشارے کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ سرخ شے مجھے بھی نظر آگئی تھی۔ لیکن یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے قطبی سے پوچھا۔ تو قطبی کہنے لگا۔

"یقیناً کوئی سرخ کپڑا ہے۔ جو فضا میں لہرا رہا ہے؟"

"اوہ۔" میرے ہونٹ سکڑ گئے۔

"کیوں؟"

"تم اس سرخ کپڑے کے بارے میں کیا اندازہ لگا سکے ہو قطبی۔"

"میں نہیں کہہ سکتا لیکن جو خیال آپ کے ذہن میں آیا ہے۔ مسٹر باب۔ وہ میرے ذہن میں بھی آیا ہے۔"

"مثلاً۔" میں نے سوال کیا۔

"یہ کپڑا کسی ایسے سیاح کا بھی ہو سکتا ہے۔ جو یہاں تک پہنچا ہو۔ لیکن یہاں پھنس کر رہ گیا ہو۔"

"ہاں۔ یہی خیال میرے ذہن میں بھی تھا۔ اس نے ممکن ہے امداد طلب کرنے کے لئے یہ کپڑا کسی بلند جگہ باندھ دیا ہو۔"

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔ تو پھر کیا خیال ہے؟" قطبی نے پوچھا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ اب تو کشتی بھی ہم سے چھن چکی ہے۔"

"یقیناً لیکن زندگی کم از کم ابھی تک محفوظ ہے۔ یہاں رہ کر ہم زندگی بچانے کی کوئی ترکیب بھی سوچ سکتے ہیں اگر کشتی ہی میں پڑے رہتے تو آپ یقین کیجئے۔ بہت جلد ہماری زندگیوں کا خاتمہ ہو جاتا۔"

"میں متفق ہوں تم سے۔ اور جانتا ہوں۔ کہ تم سمندری زندگی سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"بہرحال آؤ ان لوگوں سے بھی بات کر لیں اور انہیں بھی یہ سرخ کپڑا دکھا دیں۔ ممکن ہے۔ ان میں سے اور کوئی بھی صحیح رائے دے سکے۔" قطبی نے گردن ہلا دی۔ اور تھوڑی دیر بعد ہم نے ان سب کو وہیں جمع کر لیا۔ وہ سب اس سرخ کپڑے کے بارے میں اپنی اپنی رائے دینے لگے۔ لیکن ان سب کی رائے ایک دوسرے سے اختلاف نہیں رکھتی تھی۔ سب کا یہی خیال تھا کہ کسی مصیبت زدہ انسان نے اپنی امداد کے لئے یہ سرخ کپڑا باندھا ہے۔"

"تو پھر اس کی طرف بڑھا جائے۔" قطبی نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔ یہاں ان چٹانوں میں زندگی تو نہیں گزاری جا سکتی۔ اب اور کوئی سہارا تو رہ نہیں گیا۔" میں نے کہا اور سب مجھ سے متفق ہو گئے۔ ابھی تک کسی نے کوئی شکایت کا لفظ نہیں کہا تھا۔ کہتا بھی کوئی کیا۔ حالات کچھ اس طرح تبدیل ہوئے تھے کہ اس سلسلے میں کسی کو ذمہ دار ٹھہرایا نہیں جا سکتا تھا۔ سمندری موجوں نے ہمارا رخ بدل دیا تھا۔ اور ہم اس جزیرے پر آپڑے تھے۔ ویسے یہاں آنے کے سلسلے میں سب ہی نے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کہ ہماری زندگیاں خطرے میں پڑ سکتی ہیں۔ اگر واپس آ سکے تو ایک عالیشان خزانہ لے کر آئیں گے اور اگر زندگیاں ویران علاقے میں ہی ختم ہونا ہیں۔ تو پھر ہو جائیں اس کی پرواہ ابھی تک کسی کو نہ تھی۔ چنانچہ آپس میں ہم سب میں ابھی تک مکمل اتحاد و اتفاق تھا۔ اور یہ اتحاد و اتفاق ہی ہماری زندگیوں کا ضامن بن سکتا تھا۔

چنانچہ ہم صبر و سکون کے ساتھ کہیں ڈھلوان اور کہیں کھردری چٹانوں پر سفر کرنے لگے۔ یہ چٹانیں کہیں کہیں سے درمیان میں رخنہ بھی رکھتی تھیں۔ جنہیں عبور کرنا مشکل نہ ہوا۔ اور یوں ہم طویل سفر طے کر کے سمندر سے فاصلے دور ہو گئے۔ اس کے بعد ہم چٹانوں کے سلسلے کے آخری حصے تک پہنچ گئے جہاں سے پھر ریتیلی زمین کا سفر شروع ہوتا تھا۔ جو کھردری اور کہیں کہیں چٹانوں سے بھری ہوئی تھی۔ لیکن چٹانوں کے بالکل دامن میں ہم نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ہم ششدر رہ گئے۔

یہاں کئی ٹوٹی پھوٹی کشتیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان کے تختے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ اور ان کشتیوں کے درمیان کہیں کہیں انسانی پنجر بھی نظر آرہے تھے۔ ہم

سب جو وحشت ناک منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے تھے۔ قطبی عجیب سی نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی
"کیا خیال ہے۔ اس منظر کو دیکھ کے بہت سے اترا جائے یا اترا جب سے؟"
"تمہارا مطلب ہے اس بات سے۔" میں نے سوال کیا۔
"پتہ نہیں۔ یہ کون سی ایسی جگہ ہے جو ہمارے لئے اجنبی تک ثابت ہو۔ آخر یہ کون لوگ ہیں جو یہاں آ کر موت کا شکار ہو گئے۔ یہ انسانی وجود کچھ بھی نہیں آتا اور یہ کشتیاں، یہ کشتیاں یہاں تک پہنچیں۔ سمندر کے کنارے تو ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہاں تک کچھ وہاں کیسے۔ خدا بہتر جانتا ہے۔"
"لیکن یہ کوئی سمندری طوفان انہیں چٹانوں کے اوپر سے اڑا کر یہاں تک لایا ہو۔" میں نے کہا۔
"یہ بات ناقابل یقین ہے۔" قطبی نے جواب دیا۔
"کیلیں جیسے یہاں ہیں۔ ہمیں دہشت زدہ نہیں ہونا چاہئے جو کچھ بھی ہو گا وہ تقدیر ہی کا فیصلہ ہو گا۔ آؤ پیچھے چلتے ہیں۔" میں نے کہا۔ سلمان جلدی پیچھے ہی کھڑا ہوا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر بولا۔
"مگر آپ لوگ پیچھے جانے سے دہشت زدہ ہیں تو سب سے پہلے میں نیچے اترتا ہوں اگر میں زندہ سلامت رہوں اور کوئی مشکل پیش نہ آئے تو پھر آپ لوگ بھی آ جائیے۔"
"جی نہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی نہیں ڈرتا۔" قطبی نے جواب دیا۔ نیکان فرازی بھی ہم سے متفق ہو گئے اور ہم سب نیچے اتر گئے۔ بھوری پتھریلی زمین پر پہنچ کر ہم نے ان ٹوٹی ہوئی کشتیوں کو دیکھا، وہ کہن سالی کا شکار تھیں اور خستہ ہو گئی تھیں اور پھر ان انسانی ڈھانچوں کو دیکھنے لگے۔ وہ انسانی ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کہیں کہیں خالی کھوپڑیاں نظر آ رہی تھیں اور ان کے جبڑے غائب تھے۔
ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون لوگ تھے اور یہاں کس طرح موت کا شکار ہو گئے۔
البتہ اس منظر کی دہشت سب پر چھائی ہوئی سوائے سلمان کے وہ بے جگر نوجوان نہ جانے کس طرح اتنا بے خوف اور نڈر ہو گیا تھا۔ مجھے کچھ نظر نہیں آتا تھا سلمان کی پوری زندگی میری نگاہوں کے سامنے تھی لیکن اس میں ہونے والی تبدیلیاں میری سمجھ سے باہر تھیں۔ وہ مطمئن نظر آ رہا تھا اور اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا جو ان حالات سے اتنا لاپرواہ اور بے خطر ہو۔

بالآخر جمود ٹوٹا اور قطبی بولا
"اس ماحول کی دہشت ناکی سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ہمیں اس پر توجہ نہیں دینی چاہئے۔ بہر حال ہمیں آگے بڑھ کر زندگی تلاش کرنی ہے۔"
"تو ٹھیک ہے آگے بڑھو۔" میں نے کہا اور ہم سب یہاں سے آگے چل پڑے۔ کھردری اور پتھریلی زمین پر تیز رفتاری سے سفر نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ ہماری رفتار سست تھی۔ ہم سب نے اپنے ہتھیار احتیاط سے سنبھالے ہوئے تھے کیونکہ اس وقت یہ ہمارا بہترین سہارا تھے۔ آگے پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔
جس جگہ ہم سفر کر رہے تھے چڑھائی تھی جب ہم نے یہ چڑھائی عبور کر لی تو ہمیں پیلے رنگ کی پہاڑیوں کے جھنڈ نظر آئے۔ ایک لمبے سفر کے بعد ہم یہاں رکے اور پھر پہاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ گو اس کی سختی جو زم تھی اور اس کے درمیان سے گزرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آ رہی تھی لیکن ان سے گزرنے کے بعد پھر وہی کھردری زمین اور چٹانیں البتہ یہاں بہت بڑی بڑی تھیں اور کہیں کہیں ان چٹانوں میں سوراخ بھی نظر آ رہے تھے۔ یہ سوراخ خطرناک ہو سکتے تھے۔ ممکن ہے ان میں کوئی پہاڑی جانور پوشیدہ ہو۔ چوکنے رہنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔ یہ سوراخ خطرناک ہو سکتے تھے۔ وہ سرخ کپڑا اب بھی کافی دور نظر آ رہا تھا اور اب مزید واضح ہو گیا تھا۔ ایک لمبے بانس میں بندھی ہوئی کوئی قمیص تھی۔ اسے دیکھ کر ہمیں اندازہ ہو گیا کہ بہر حال کوئی انسان یہاں آ پہنچا ضرور ہے۔
دفعتاً سلمان نے کہا۔ "چچا جان۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر یہ سرخ کپڑا انسانوں یا سمندری جہازوں کو متوجہ کرنے کے لئے باندھا گیا ہے تو کیا اسے اس جگہ باندھنا تھا۔ اس کے لئے تو بہتر طریقہ یہ تھا کہ ساحل پر کسی بلند چٹان پر یہ بانس نصب کیا جاتا۔ یہاں اس کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟" سلمان کی بات اس قدر جامع اور وزن دار تھی کہ میں حیران رہ گیا۔ درحقیقت سرخ کپڑا سمندر سے تو نظر نہیں آتا تھا۔ پھر اس کی یہاں موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ قطبی، فرازی اور نیکان بھی ہمارے پاس ہی موجود تھے، وہ بھی اس نکتے پر غور کرنے لگے لیکن کسی کے ذہن میں یہ بات صاف نہ ہوئی۔ پھر میں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔
"اس میں کوئی شک نہیں کہ بات کس قدر حیرت انگیز ہے لیکن ہمیں سوچنے کے لئے زیادہ متردد نہیں ہونا چاہئے۔ ٹھیک ہے اس سرزمین پر جو کچھ بھی پیش آئے گا بھگتنا پڑے گا۔"

دوسرے لوگوں نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ہم آگے بڑھتے رہے اور بالآخر اس بانس کے قریب پہنچ گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ بانس نصب کیا گیا ہے اور وہ سرخ کپڑا کسی کی قمیص ہی تھی لیکن تا حد نگاہ خاموشی ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا لیکن چند گز کے فاصلے پر ہی ایک اور انسانی ڈھانچہ نظر آیا جو بالکل ہی سوکھا ہوا تھا اور خاصہ پرانا معلوم ہوتا تھا ہمیں نے گردن جھٹکی۔
"بڑی ہولناک جگہ ہے۔" میں متاثر لہجے میں بولا۔ کسی نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنا سفر کرنے کے بعد ہم تھک گئے تھے۔ چنانچہ آرام کی ٹھانی۔ زمین پر بیٹھے تو یوں محسوس ہوا جیسے اب اٹھا ہی نہ جائے گا۔ چنانچہ باقی وقت ہمیں اسی جگہ گزارنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کوئی جلدی نہیں تھی۔ بس آہستہ آہستہ سفر کرنا تھا۔ تقدیر یہاں بھی لے جائے۔
شام ہوگئی جگہ جگہ آگ روشن کر لی گئی تھی اور اس روشنی کے لئے ہم نے وہ خشک گھاس استعمال کی تھی جو جلنے میں بہت ہی عمدہ تھی یعنی آہستہ آہستہ جلتی تھی اور جلدی آگ پکڑ لیتی تھی۔ آگ ہم نے فاصلے فاصلے پر روشن کی تھی۔ اس لئے اس کی تپش یہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔
تمام سیاہ فام نوجوان بندوقیں لئے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ رات کو کسی حادثے سے نمٹنے کے لئے ہم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ دو دو مزدور جاگ کر اپنی ڈیوٹی انجام دیں گے۔ حالانکہ کوئی حادثہ متوقع نہیں تھا۔ نہ یہاں انسان نظر آتے تھے نہ جانور۔ دور دور تک چٹیل میدان پھیلے ہوئے تھے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف ان چٹانوں میں بنے ہوئے چھوٹے چھوٹے غاروں سے ممکن ہے ان غاروں میں کچھ پوشیدہ ہو۔
کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم ایک جگہ جمع ہو گئے۔ عجیب سی مایوسی ذہنوں میں گھر کر رہی تھی۔ اگر مطمئن تھا تو صرف سلمان۔ اس کے چہرے کی جانب دیکھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کسی خطرناک مہم پر نکلا ہوا ہے اور اسے واقعات کی کوئی تشویش ہے۔ وہ ہم سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور شاید کسی سوچ میں گم تھا۔ ہم نے بھی اسے اپنے درمیان شریک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگر اس کا دل چاہتا تو خود ہی یہاں پہنچ جاتا۔
قطبی نے بھی سلمان کی یہ کیفیت محسوس کر لی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگا۔
"مجھے اس نوجوان پر سخت حیرت ہوتی ہے۔ یہ حالات سے کس قدر بے پرواہ ہے، جیسے ان واقعات پر اسے کوئی تشویش نہ ہو۔"
"خیر یہ تو ناممکن ہے کہ مسٹر سلمان کو ان واقعات کا کوئی اندازہ نہ ہو۔ لیکن وہ حد سے زیادہ نڈر نوجوان ہیں۔" نیکان نے اپنی رائے ظاہر کی۔
"ہاں۔ وہ ان حالات سے بالکل لاپرواہ نظر آتا ہے۔ شاید وہ ضرورت سے زیادہ دلیر اور خود اعتماد ہے۔" فرازی نے بھی بولنا مناسب سمجھا۔ میں خاموشی سے ان کی گفتگو سن رہا تھا تب قطبی نے کہا۔
"ویسے ہم اس حادثے کا شکار ہو کر اپنی منزل کھو بیٹھے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ جزیرہ کتنا وسیع و عریض ہے۔ جزیرہ ہے بھی یا نہیں کیونکہ ...... ساحل پر کھڑے ہو کر ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا کوئی موڑ نہیں ہے اور یہ زمین دور تک پھیلی ہوئی ہے ـــــ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ ہم صحرائے اعظم افریقہ کی حدود میں داخل ہو چکے ہوں ـــــ" قطبی نے کہا۔
"ہاں میں خود بھی اس موضوع پر سوچ چکا ہوں۔ اگر ہم صحرائے اعظم میں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک کا سفر ناکام نہیں رہا۔"
"خدا کرے ایسا ہی ہو ـــــ" قطبی بولا۔
"بہر طور کرنا کیا ہے۔ اور اب ہم کتنی دور چلیں گے اور کب تک یونہی بے مقصد سفر کرتے رہیں گے ـــــ" نیکان بولا۔
"دیکھو ـــــ مسٹر نیکان۔ اس سفر کو بے مقصد تو کہا نہیں جا سکتا۔ اگر حالات ہمارا ساتھ دیتے تو ہم اس منزل تک پہنچ جاتے لیکن کسی بھی مہم میں اس قسم کے واقعات تو متوقع ہوتے ہی ہیں اب تو تقدیر کے فیصلوں کا انتظار کرنا چاہئے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن کیا آپ اپنے نقشوں کے ذریعے اس جگہ کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے ـــــ؟ مسٹر شاہ ـــــ؟" فرازی نے مجھ سے سوال کیا۔
"نہیں ـــــ اگر ہم اپنی منزل کی جانب سیدھے روانہ ہوتے تو میں یقین کر سکتا تھا کہ ہمیں کون سی سمتوں میں سفر کرنا ہے۔ نقشے آپ کے سامنے موجود ہیں اگر آپ چاہیں تو ان پر غور کر سکتے ہیں۔ بہر حال یہاں ابھی تک کوئی ایسی علامت نہیں ملی جس سے ہم اس جگہ کا تعین کر سکیں۔" میں نے جواب دیا۔ بات معقول تھی۔ قطبی نے کہا۔
"ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ تقدیر ہی کوئی حیثیت رکھتی ہے۔ جو کچھ اس نے ہمارے لئے متعین کیا ہے۔ وہ تو ہو کر رہے گا۔"
"میں بھی آپ سے متفق ہوں، مسٹر قطبی ـــــ اور شاید سلمان

اس بات پر بہت زیادہ بھروسہ رکھتا ہے۔ اس نے ابھی تک فکر ہی نہیں کی۔۔۔" میں نے سلمان کی پوزیشن صاف کرتے ہوئے کہا۔ بے خطرہ شکاری لوگوں کو کہیں شبہ نہ ہو جائے سلمان کی مدد کو [illegible] سکتی تھی۔ میں نے زیادہ لاپرواہی ان لوگوں کے شبہ کا باعث بن سکتی تھی۔ میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ سلمان کو ہم دونوں شکاری لوگوں کے ساتھ شریک رہے اور ان سے [illegible] ورنہ حالات ہمارے لئے نقصان دہ ہو سکتے تھے۔ رات آرام کے لئے ہی تھی۔ کب تک باتیں کرتے رہتے۔ بلند آئی لوگ سو گئے۔ وہ جوان جاگ رہے تھے۔ اور پھر اسی وقت آنکھ کھلی جب بندوق کی آواز فضا میں گونج اٹھی تھی۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ میں ہی نہیں تمام ہی لوگ جاگ گئے تھے۔ ایک سیاہ فام نوجوان نے گولی چلائی تھی۔ ہم سب اس کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا ہوا۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔؟" میں نے سوال کیا۔

"وہ ادھر اس چٹان کے پیچھے مجھے کوئی دوڑتا ہوا نظر آیا تھا۔" سیاہ فام نوجوان نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے اس پر گولی چلا دی۔۔۔؟"

"ہاں نہ جانے کون تھا۔۔۔" سیاہ فام نوجوان نے کہا۔

"اوہ۔ چلو دیکھیں۔۔۔ کہیں کوئی نقصان ہی نہ ہو۔۔۔" میں نے کہا چند افراد کو ہم نے یہاں چھوڑ دیا۔ باقی سب بندوقیں سنبھال کر اس نوجوان کے ساتھ آگے بڑھ گئے جس نے گولی چلائی تھی۔ وہ نوجوان پوری طرح چوکنا تھا۔ [illegible] اس چٹان کے نزدیک پہنچ گئے جہاں نوجوان نے کسی کو دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔۔۔!

اور دوسرے لمحے میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ چٹان کے عقب میں ایک [illegible] آدمی بیٹھا تھا۔ ستاروں کی دھندلی روشنی میں اس کا چہرہ نمایاں تھا۔ اس کے پاؤں میں گولی لگی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے زخم کو دبائے بیٹھا آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ ہم سب اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ یہ شخص

مہذب دنیا کا باشندہ ہی معلوم ہوتا تھا۔ [illegible] اس کے بال بکھرے ہوئے تھے [illegible] بدن مادر زاد برہنہ تھا۔ حالانکہ [illegible] اور تندرست و توانا معلوم ہوتا تھا۔

گولی نے اس کا پنڈلی کا گوشت پھاڑ دیا تھا اور دوسری طرف نکل گئی تھی۔ میں نے جلدی سے ایک [illegible] نکالا اور اس کے زخم کو [illegible] کے لئے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ دوسرے لوگوں نے [illegible] اس شخص کو [illegible]

کرنے کی کوشش کرے تو اسے نشانہ بنا سکے۔ میں نے اس بات کی پرواہ نہیں کی تھی۔ چند لمحات کے بعد میں نے اس کے زخم پر رومال کس کر باندھ دیا۔ وہ نرم نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا اور اس کے حلق سے کراہیں نکل رہی تھیں۔

"کون ہو تم؟" اس کام سے فارغ ہو کر میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس نے آہستہ سے گردن اٹھائی اور پھر انتہائی نحیف انداز میں بولا۔

"مجھے سہارا دو۔ شاید۔" زبان انگریزی تھی لہجہ بھی درست ہی تھا۔ یقینی طور وہ کوئی تعلیم یافتہ اور مہذب آدمی تھا شاید وہی جس نے اپنی مدد کے لئے بانس پر کپڑا باندھا تھا۔ اور اس کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا۔

نیکان، فرازی، سلمان اور میں اس کے گرد بیٹھ گئے تھے۔

"ہمیں بہت افسوس ہے کہ تم ہمارے ایک آدمی کی گولی سے زخمی ہو گئے۔ مگر تم کون ہو۔ یہاں ان حالات میں مادر زاد برہنہ کیا مقصد ہے؟"

"مجھے اپنی برہنگی کی کوئی فکر نہیں تھی لیکن اب تم آ گئے ہو تو براہ کرم کوئی کپڑا میرے بدن پر بھی ڈال دو۔" اس نے درد بھرے لہجے میں کہا اور نیکان نے جلدی سے اپنی قمیض اتار کر اس کے بدن کے نچلے حصے پر ڈال دی۔

"شکریہ۔" وہ کمزور آواز میں بولا۔

"تمہارے زخم کی کیا کیفیت ہے؟ ویسے گولی پنڈلی میں گھسی نہیں ہے۔ بلکہ اسے رگڑتی ہوئی باہر نکل گئی ہے۔"

"شدید۔ مجھے شدید تکلیف محسوس ہو رہی ہے بہر حال تمہارا شکریہ کہ تم نے اتنی ہمدردی کا ثبوت تو دیا۔ یقینی طور پر تم نے مجھے کوئی جانور سمجھ کر گولی چلائی ہو گی۔" اس نے سسکتے لہجے میں کہا۔

"ہاں بس یہ غلطی ہو گئی ہمیں بہت افسوس ہے۔ فی الحال میرا خیال ہے۔ انہیں اٹھا کر اس جگہ لے چلو۔ جہاں ہمارا ساز و سامان رکھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر نیکان اس سلسلے میں اس کی مدد کر سکیں گے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" نیکان نے کہا اور ہم اسے بازوؤں میں سنبھالے ہوئے وہاں سے گئے جہاں ہمارا ساز و سامان رکھا ہوا تھا۔ نیکان نے پہلے اپنا عمل شروع کر دیا۔ اس کے زخم پر کچھ دوائیں لگا کر باقاعدہ بینڈیج کر دی گئی تھی۔ اس کے بعد نیکان نے اسے ایک

انجکشن دیا جس سے اس کے پاؤں کی تکلیف کم ہو سکتی تھی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد شاید اسے درد میں کچھ سکون محسوس ہوا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے آثار تھے۔ ہم سب نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر میں نے پوچھا۔

"تمہارے علاوہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی!" میں نے اس سے سوال کیا۔

"نہیں۔ کیا تمہارے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہو گی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ سلمان نے جلدی سے چند بسکٹ نکالے اور اس کے بعد ان پر مکھن وغیرہ لگا کر [illegible] اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے جلدی جلدی وہ تمام بسکٹ حلق میں ٹھونس لئے۔ پھر سلمان نے اسے پانی پیش کیا اور وہ کافی حد تک مطمئن نظر آنے لگا۔ پھر وہ سہارا لے کر بیٹھ گیا اس کی نگاہیں ہم سب کی طرف باری باری اٹھ رہی تھیں اور پھر اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم لوگ بھی کسی لالچ ہی کے تحت یہاں آئے ہو گے۔ سنا ہے۔ ہاتھی دانت یا وہ خزانے جو صحرائے اعظم کی زندگی سے منسوب سمجھے جاتے تھے۔"

"تو کیا۔ تو کیا یہ افریقہ ہی کا کوئی جزیرہ ہے؟" نعیم نے بے ساختہ سوال کیا۔

"جزیرہ۔" وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔ "یہ جزیرہ تو نہیں ہے بلکہ صحرائے اعظم کا ایک ساحل ہے۔"

"اوہ اوہ۔ ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ گویا یہاں سے ہم افریقہ کے اندرونی علاقوں میں داخل ہو سکتے ہیں؟"

"اندرونی علاقے۔" اس نے پھر ہم لوگوں کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ "یہ افریقہ کا اندرونی علاقہ ہی ہے میرے دوستو! نہ جانے تم کس تصور میں بھٹکے ہوئے ہو۔"

"اچھا۔ اچھا یقیناً ہو گا۔ ظاہر ہے تم اس کے بارے میں بہتر طور پر جانتے ہو۔ لیکن تم یہاں کب سے ہو؟"

"کب سے۔ میرا خیال ہے مجھے یہاں ایک سال سے زیادہ ہو گیا۔" اس نے جواب دیا۔

"تنہا۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں تنہا۔ بالکل تنہا۔ یہ ویرانے میرے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتے، یہاں کوئی جاندار نہیں ہے۔ دور دور تک نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"تو پھر تم زندگی کس طرح گزارتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"قدرت نے ساحل سمندر پر ہمارے لئے غذا کا بندوبست کر دیا ہے۔ لیکن ہم یہاں سے باہر نہیں جا سکتے۔ چٹانوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے رخنوں میں مچھلیاں آ پھنستی ہیں اور وہی ہماری زندگی کا باعث بنتی ہیں۔ جب تک زندگی ہے جی رہے ہیں اور جس دن موت آ جائے گی۔ وہ دن ہماری نجات کا دن ہو گا۔" اس اجنبی شخص نے مایوس لہجے میں کہا۔

"تم تندرست و توانا ہو۔ اس قسم کی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔ اپنے بارے میں کچھ اور بتاؤ گے یہاں کیسے آ پہنچے؟"

"کوئی خاص کہانی نہیں ہے۔ مون ریکر نامی جہاز میں سیکنڈ انجینئر تھا۔ جہاز تباہ ہو گیا۔ آگ لگ گئی تھی اس میں بہت سے لوگوں نے زندگیاں بچانے کے لئے سمندر میں چھلانگیں لگا دیں۔ میں بھی انہیں میں سے ایک تھا اور پھر زندگی لہروں کے دوش پر کھیلتی ہوئی یہاں تک لے آئی۔ اس تنہا اور ویران علاقے میں میں نے زندہ رہنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ یہاں سے نکلنے بھی نہ پایا۔ لیکن آگے کا ماحول خوفناک ہے۔ عظیم الشان دلدلیں پھیلی ہوئی ہیں جو زندہ ہیں اور ہر جاندار کو ہڑپ کرنے کے انتظار میں آنکھیں پھیلائے رہتی ہیں۔ ہولناک جنگل ہیں۔ جن میں وحشی درندے بستے ہیں۔ ان جنگلوں کو عبور کرنا ناممکن ہے۔ بائیں سمت کے دلدلی خطے کو چھوڑ کر دائیں سمت سفر کیا جائے تو خوفناک درندے منتظر رہتے ہیں۔ اور دائیں سمت چھوڑ کر بائیں سمت سفر کرو۔ تو ان خوفناک دلدلوں میں بنی ہوئی پگڈنڈیوں سے گزرنا ناممکن ہے کئی بار جی چاہا کہ خوفناک دلدلوں میں کود کر جان دے دوں۔ لیکن زندگی بڑی پیاری چیز ہوتی ہے۔ میں یہ نہ کر سکا اور بالآخر ان ساحلوں پر آ گیا۔ یہاں زندگی گزار رہا ہوں۔ موت کے انتظار میں۔"

"اوہ۔ بڑی ہولناک کہانی ہے تمہاری۔ خاص طور سے تمہاری تنہائی۔ یقینی طور پر تنہا ان ویرانوں میں زندگی گزارنا موت سے بھی بدتر ہوگا۔ لیکن تم نے یہاں سے نکلنے کی کوئی اور کوشش نہیں کی؟"

"میں نے کہا نا۔ ہیں اطراف میں ایک سمت سمندر کی اور دوسری سمت جنگلوں کی اور خطرناک دلدلوں کی۔ ہر طرف موت ہی موت ہے۔ بس اس کا منتظر تھا۔ کہ اگر زندگی باقی ہے اور مقدر میں دنیا دیکھنا نصیب میں لکھا ہوا ہے۔ تو ممکن ہے کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس طرف آ جائے۔"

"یہ بانس اور اس میں سرخ کپڑا تم ہی نے لٹکایا ہے؟"

"ہاں۔ یہ میری ہی کوشش تھی۔ پہلے یہ بانس اور یہ کپڑا سمندر کے کنارے لگا ہوا تھا۔ لیکن تیز ہوائیں اُسے کئی بار سمندر میں لے جا چکی ہیں۔ چنانچہ میں نے اسے وہاں سے ہٹا کر یہاں اس جگہ لگایا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی۔ کہ کوئی کبھی اس طرف آ جائے گا۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ تم زندہ سلامت یہاں تک کیسے پہنچ گئے۔ یہ چٹانیں تو بہت ہولناک ہیں۔ بہت سی کشتیاں جو سمندری جہازوں سے بچ کر یہاں پہنچیں۔ ان چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں سمندری طوفان ان کشتیوں کو نجانے کہاں کہاں لے جاتا ہے۔ اور اس میں سوار آدمی زندہ نہیں بچتے ہیں۔"

"ہم نے چند کشتیاں ان چٹانوں کے اس طرف دیکھی ہیں یہ آخر کس طرح؟"

"تم کیا سمجھتے ہو۔ سمندر کا پانی مخصوص دنوں میں ان چٹانوں کو عبور کر لیتا ہے۔ اور اس ریتیلی زمین تک پہنچ جاتا ہے۔ کشتیاں بہ آسانی ان چٹانوں کے اوپر سے گزر کر یہاں تک آ جاتی ہیں۔"

"خدا کی پناہ۔ اتنی بلندیاں؟"

"ہاں بہت دور دور تک سمندری پانی ہوتا ہے یہ جگہ جہاں تم اس وقت بیٹھے ہو۔ بعض اوقات پانی سے بھر جاتی ہے۔" اس نے جواب دیا اور ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سمندری لہروں کا یہ خوفناک کارنامہ ہمارے لئے بہت تعجب خیز تھا۔ کیونکہ وہ چٹانیں بہت ہی بلند تھیں۔ بہر طور یہ شخص تو یہاں رہ چکا ہے۔ اس لئے جھوٹ نہ بول رہا ہوگا ہمیں اس سے کافی ہمدردی ہوئی۔ میجر قطبی نے کہا۔

بہر طور یہ شخص تو یہاں رہ چکا ہے۔ اس لئے جھوٹ نہ بول رہا ہوگا۔ ہمیں اس سے کافی ہمدردی محسوس ہو۔ میجر قطبی نے کہا۔

"میرا خیال ہے مسٹر فرازی۔ آپ کا لباس ان صاحب کے بدن پر آ سکتا ہے آپ انہیں کوئی لباس دے دیں؟"

"ضرور۔" فرازی نے جواب دیا اور لباس نکالنے کے لئے چل پڑا۔ پھر سلیمان نے اس سے سوال کیا۔

"ویسے آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟"

"پرتگال سے۔ میرا نام ڈیگارو ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں۔" سلیمان پُرخیال انداز میں اُسے دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ فرازی نے اپنا ایک لباس اُسے پیش کر دیا۔

"تم یہ لباس پہن لو۔" فرازی نے کہا۔ وہ لباس کو دیکھ کر ہنسا اور پھر کہنے لگا۔

"مجھے صرف اپنے بدن کے لئے کوئی کپڑا درکار ہے۔ یقین کرو لباس پہننے کی عادت ہی ختم ہو گئی ہے۔"

"تو یہ پتلون پہن لو اوپری بدن برہنہ رہنے دو" فرازی نے جواب دیا اور اس نے ان کی ہدایت پر عمل کیا۔ بڑی بے تکلفی سے وہ سب کے سامنے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ صرف ٹانگ کے زخم کی وجہ سے تھوڑی سی لنگڑاہٹ کا شکار تھا۔ ورنہ اس کے بدن میں اور کوئی کمزوری نظر نہیں آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اس کی جو کیفیت تھی۔ وہ اب دور ہو گئی تھی۔

پتلون کا پائنچہ اس کے زخم پر سے ہٹا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے اعضاء کو متحرک کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تم لوگ یہاں تک کس طرح پہنچے؟"

"وہی کہانی ہماری بھی ہے جو تمہاری ہے۔ ہمارا جہاز بھی تباہ ہو گیا تھا۔ ایک بڑی لانچ سے ہم سمندر میں سفر کرنے لگے۔ لیکن سمندری طوفان نے ہماری لانچ کو ان علاقوں میں لا پھینکا اور وہ بہر طور ان چٹانوں تک پہنچ گئی ہم نے لانچ کافی دور چھوڑ دی اور تیر کر ان چٹانوں تک پہنچے ورنہ لانچ چٹانوں سے ٹکرا بھی سکتی تھی۔"

"سو فیصدی۔ اور اس کے بعد تمہارے اعضاء فضا میں بکھرے پڑے ہوتے۔ میں اپنی آنکھوں سے ایسے کچھ مناظر دیکھ چکا ہوں۔" ڈیگارو نے بتایا۔

"مسٹر ڈیگارو کیا آپ ہمیں ان جنگلوں تک لے جا سکتے ہیں۔ جہاں سے آگے بڑھنے کا راستہ ہے۔ دلدلوں کی سمت تو آگے سفر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اب چونکہ ہم کافی تعداد میں ہیں۔ اس لئے یکجا ہو کر ان جنگلوں سے گزر سکتے ہیں۔" ڈیگارو پُرخیال نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"ہاں تم لوگ کم از کم مسلح ہو اور کسی خطرے سے نمٹ سکتے ہو۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جہاز کی تباہی کے بعد فرار ہوتے ہوئے بھی تم اچھا خاصا ایمونیشن ساتھ لے آئے ہو؟" اس نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

درحقیقت اس سوال کا ہمارے پاس کوئی موزوں جواب نہیں تھا۔ لیکن قطبی جلدی سے بولا۔

"ہم افریقہ کے اندرونی علاقوں میں ایک مہم کے لئے نکلے تھے۔ اور پوری طرح چاق و چوبند تھے۔ ہمارا پروگرام یہی تھا کہ افریقہ کے کسی ساحل پر نکلیں اور پھر ان سے اندرونی علاقوں میں داخل ہوں۔ ہمارے پاس اسی مقصد کے لئے یہ ایمونیشن موجود تھا جو ہم نے جان بچاتے ہوئے بھی جان سے زیادہ قیمتی رکھا اور اُسے لئے ہوئے ہی لانچ پر اتر گئے۔" ڈیگارو عجیب سی نگاہوں سے ہمیں دیکھتا رہا۔ صاف ظاہر تھا کہ اُسے ہماری بات پر یقین نہیں آیا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"ظاہر ہے کہ افریقہ میں داخل ہونے کی وجہ یہاں کی روایات ہی ہوں گی۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے ہاں اگر تم لوگ میرا بوجھ برداشت کرنا پسند کرو۔ تو میں تمہیں ان جنگلوں کی سمت لے جاؤں گا۔ اور اگر تم زندہ بچ کر نکل گئے تو شاید میری بھی جان بچ جائے۔ ورنہ میں تو یہاں ان چٹانوں میں، پہاڑوں میں موت کا انتظار کر رہا تھا؟"

"بالکل بے فکر رہو۔ ہم تمہارا پورا پورا خیال رکھیں گے۔" میں نے کہا اور وہ مطمئن نظر آنے لگا۔ پھر بولا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ کتنے عرصے کے بعد میں نے اپنے جیسے انسانوں کو دیکھا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے ورنہ یقین کرو۔ میں تو اپنی زبان بھی بھولتا جا رہا تھا۔" ہمیں اس کی کیفیت کا احساس تھا۔ بہر طور ہم نے اُسے سونے کے لئے کہا اور پھر ہم خود بھی لیٹ گئے۔ اس شخص کے مل جانے سے وہ مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ جو ہمارے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ لیکن اس کے بعد یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ یہاں سے افریقہ کے اندرونی علاقوں میں داخلہ بہت ہی مشکل ہے۔ تاہم مشکلات سے نمٹنے کے لئے ہی تو ہم نے یہ سفر کیا تھا۔

سے جگ نیم غنودگی سے ہو گئے تھے لیکن سلمان جاگ رہا تھا۔ دوسرے دونوں جوانوں نے اب ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔ میرا خیال تھا کہ یہاں اس آدمی کی موجودگی اور اس کی سنائی ہوئی کہانی کے بعد پہرے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن چونکہ یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ پہرہ دیا جائے گا اس لئے پہلے دو مزدوروں کی ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد دوسرے دو مزدوروں نے خود ہی اپنی ڈیوٹی سنبھال لی تھی۔

سلمان کھسکتا ہوا بالکل میرے نزدیک پہنچ گیا اور بولا۔

"میں محسوس کر رہا ہوں چچا جان کہ آپ جاگ رہے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ ظاہر ہے ان حالات میں پرسکون نیند تو مشکل ہی سے آسکتی ہے یا پھر اس وقت جب ہم تھکن سے چور ہو گئے ہوں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" سلمان نے جواب دیا۔

"خود تمہاری کیا کیفیت ہے؟" میں نے پوچھا

"چچا جان میں بہت مطمئن ہوں۔ کوئی الجھن یا پریشانی کی بات نہیں، ویسے ایک بات عرض کروں آپ سے؟" سلمان بولا۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"یہ شخص مجھے مشکوک نظر آتا ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کون؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"یہی ڈیگارو۔"

"کیوں؟"

"اس کی وہ کیفیت نہیں ہے جو ہونی چاہئے آپ کیا سمجھتے ہیں۔ اگر عمر زرک بھی ملتی رہے تو کیا اس ویرانے میں ذہنی توازن بحال رہ سکتے ہیں۔ آدمی تنہائی سے پاگل ہو جائے۔ لیکن یہ شخص ہوش و حواس میں ہے۔"

"ممکن ہے وہ بہت زیادہ مضبوط قوت ارادی کا مالک ہو ممکن ہے وہ جسے آپ یہ تاثر پانا چاہتا ہو۔" میں نے کہا

"ٹھیک ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کچھ لوگ زبردست قوت ارادی کو قائم رکھنا بے حد مشکل ہے۔ تاہم جب تک یہ ہمارے لئے غلط نہیں ثابت ہوتا ہم بلاوجہ اس کے چکر میں کیوں پڑیں۔" سلمان نے خود ہی بات ختم کر دی۔

"غلط کس طرح ثابت ہوگا۔ سلمان! ایک شخص تنہا آدمی بھلا ہمارا کیا بگاڑ سکتا ہے؟" میں نے کہا اور سلمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے لیٹا ہوا آسمان کو گھورتا رہا۔

"اس کے علاوہ اگر تمہارے ذہن میں کوئی بات ہے تو مجھے بتاؤ۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔ لیکن اس نے کروٹ بدل لی تھی۔ اس نے مجھے کوئی جواب نہ دیا تو میں بھی خاموش ہو گیا۔ بہر طور وہ نوجوان تھا۔ اس کے ذہن میں بہت ساری باتیں آسکتی تھیں۔ زیرک بھی تھا جو کچھ اس نے سوچا تھا ایک طرح سے مناسب تھا۔ لیکن بظاہر مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آرہی تھی۔ میں بھی سو گیا۔

اور دوسری صبح جب ہم جاگے تو سورج ہمارے سروں پر چڑھ چکا تھا۔ کافی دیر ہو گئی تھی۔ ڈیگارو بھی جاگ رہا تھا اور ایک چٹان سے ٹیک لگائے بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ ہم سب اپنے اپنے معمولات میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اس سے خیریت پوچھی تو وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"سفر کے لئے تیار ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں۔ میں ایک مضبوط آدمی ہوں۔ خاص طور سے ان چٹانوں کے درمیان زندگی بسر کرتے کرتے تکلیف کا احساس میرے ذہن سے نکل چکا ہے اگر تم لوگ تھوڑی سی عنایت کرو تو کسی قسم کی چیز مجھے دے دو۔ تاکہ میں اس کے سہارے چل سکوں۔"

"اگر تمہیں کوئی دقت ہے چلنے میں تو ہم تمہیں ایک اسٹریچر پر ڈال لیں گے۔ ہمارے پاس اس کا بندوبست بھی موجود ہے۔"

"ارے نہیں نہیں اب میں اتنا نکما بھی نہیں ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ شکل و صورت سے وہ خاصا وحشی نظر آتا تھا۔ لیکن اس کا انداز گفتگو خاصا نرم تھا اس کے وحشی نظر آنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ ایک طویل عرصہ ان چٹانوں میں زندگی گزار رہا تھا۔ اور اس کے اندر سے انسانی صفات ختم ہو گئی تھیں۔ لیکن اپنے جیسے انسانوں کے درمیان آکر اس نے پھر سے اپنی یادیں اور عادتیں بحال کر لیں تھیں۔

ہلکا پھلکا سا ناشتہ ہوا اور اس کے بعد سفر شروع ہو گیا۔ ڈیگارو کو نعلین نے سہارا دیا ہوا تھا۔ ویسے اسے ایک بیساکھی بھی مہیا کر دی گئی تھی۔ لیکن وہ بڑے اطمینان سے سینہ تانے چل رہا تھا۔

بیساکھی سے چلتے ہوئے ایک ہلکی سی لنگڑاہٹ اس کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کی چال میں کسی قسم کی کمزوری یا تھکن کے آثار نہیں تھے اور وہ ہماری ہی رفتار سے ہمارا ساتھ دے رہا تھا۔

سفر جاری رہا۔ راستے میں ڈیگارو نے بتایا کہ یہ جگہ بلندی پر ہے۔ لیکن یہ بلندی کچھ اس طرح کی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ سیدھا راستہ دور تک چلا گیا ہے لیکن تھوڑی دور جانے کے بعد ڈھلان شروع ہو جاتے ہیں اور ان ڈھلانوں میں ہی دلدلیں اور جنگل بکھرے ہوئے ہیں۔

سورج کے ساتھ ساتھ ہمارا سفر جاری رہا۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ سفر ختم کرنے کے لئے تیار نہ تھا جب تک کہ شام نہ ہو جائے اور یہی ہوا بھی۔

سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی لیکن ہم اتنی دور نکل آئے تھے کہ اب سمندر کا نام و نشان بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کوئی آواز بھی ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی غالباً ہم نے آٹھ یا دس میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ پھر جس وقت شام ہوئی تو ہم نے ان بلندیوں کے ڈھلان دیکھے۔

یہ ڈھلان ناقابل عبور نہیں تھے اور ان کی دوسری جانب جنگل پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔ بائیں سمت کافی دور ہٹنے کے بعد سپاٹ سے میدان تھے۔ جہاں ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔

یقیناً یہ دلدلیں تھیں اور دھواں چھوڑتی ہوئی دلدلیں جس قدر خوفناک ہوتی ہیں، ان کا تصور بھی انسان کے لئے بہت مشکل ہے۔ ان دلدلوں کے نیچے آتش فشاں ہوتے ہیں اور بعض جگہ یہ اس قدر کھولتی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ کوئی بھی جاندار اگر اس میں گر پڑے تو جھلس کر رہ جائے۔ بہر طور ہمیں دلدلوں کا رخ اختیار کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

جنگل گھنے ضرور تھے۔ لیکن ہماری تعداد اتنی تھی کہ ان گھنے جنگلوں میں ہم اپنے بچاؤ کا انتظام کرتے ہوئے سفر کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ سفر ہمیں مشکل نہ محسوس ہوا۔ البتہ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا کہ رات کو ہم یہیں قیام کریں گے اور کل دن کی روشنی میں ان ڈھلانوں کو عبور کر کے جنگل میں داخل ہوں گے چنانچہ بہتر جگہ کا انتخاب ہونے لگا۔

یہاں دور دور تک ویسی ہی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ جیسی ہم پیچھے چھوڑتے آئے تھے۔ ان چٹانوں میں زیادہ غار تو نظر نہیں آرہے تھے۔ لیکن بہر صورت کہیں کہیں کھوکھلی جگہیں محسوس ہوتی تھیں۔

ہم نے ایک مسطح سا گول میدان منتخب کر لیا اور اس میں پڑاؤ ڈال لیا۔ آج ہمارے پاس جلانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ لیکن اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ البتہ یہ احساس دل میں ضرور تھا کہ جنگل کی سمت سے جنگلی جانور اس طرف آسکتے ہیں۔ ڈیگارو سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ان جنگلوں میں درندے موجود ہیں۔ لیکن وہ ان ڈھلانوں کو عبور کر کے کبھی چٹانوں تک نہیں آتے۔ آج تک میں نے کسی بھی درندے کو اوپر آتے نہیں دیکھا۔"

"اس کی وجہ؟"

"خدا جانے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن کوئی درندہ جنگل کو عبور کر کے اوپر تک نہیں آیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہاں انہیں کسی جاندار کی موجودگی کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔" ڈیگارو نے جواب دیا۔

"شاید یہی بات تمہیں بھی محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ڈیگارو بھی مسکرانے لگا۔

"پتہ نہیں کون سی بات مجھے محفوظ رکھے ہوئے ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

ہم لوگ آرام کرنے لگے۔ پہرے پر موجود دونوں افراد مستعد تھے۔ حسب معمول یہی طے کیا گیا تھا کہ دو گھنٹے کے بعد ان کی ڈیوٹی بدل جائے گی۔ پھر وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا۔ جب ایک تیز چیخ فضا میں لہرائی۔ اور میری آنکھ کھل گئی۔

آخری رات کا چاند آسمان پر کھلا ہوا تھا اور اس کی مدھم روشنی نے ماحول کو منور کر رکھا تھا۔ چند لمحات تو چیخ کی وجہ میری سمجھ میں نہ آسکی۔ لیکن اس کے بعد یہ احساس بھی میرے ذہن سے زائل نہ ہوا۔ کہ میں نے کوئی آواز سنی ہے۔ دونوں کنپٹیاں زمین پر ٹکا کر میں نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن ماحول میں کوئی تبدیلی مجھے نظر نہ آئی۔ سب سو رہے تھے۔ ممکن ہے۔ یہ میری سماعت کا واہمہ ہو میں نے سوچا اور کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

لیکن لیٹے ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ اور دوبارہ ذہن نیند کی آغوش میں پہنچا بھی نہیں تھا۔ کہ فضا بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور پھر عجیب وحشیانہ سی چیخیں ابھرنے لگیں۔ اب شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں اچھل گیا۔ لیکن اس وقت

میری گردن سے ایک ٹھنڈی چیز آلگی۔ میں نے وحشت زدہ انداز میں پلٹ کر دیکھا اور جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر متحیر رہ گیا۔ ڈیگارو تھا جس کی بغل میں اس وقت بیساکھی نہیں تھی۔ وہ بڑے اطمینان سے تنا ہوا کھڑا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی ٹانگ کا زخم اچانک ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی رائفل کی نال میری گردن پر ٹکی ہوئی تھی۔

میں نے ہوش و حواس قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ منظر ناقابلِ یقین تھا۔ لیکن اطراف میں دوسرے ناقابلِ یقین منظر بھی بکھرے ہوئے تھے۔

وہ تقریباً بارہ تیرہ افراد تھے۔ جو ڈیگارو ہی کی طرح بالکل تنہا تھے۔ اور ان کے ہاتھوں میں رائفلیں دبی ہوئی تھیں۔ سب کے سب سوتے ہوئے لوگوں پر رائفلیں تانے ہوئے تھے اور سونے والے غالباً ان کی ٹھوکروں سے آہستہ آہستہ جاگ رہے تھے۔ درحقیقت یہ منظر خواب سا محسوس ہوتا تھا۔ یہاں ان لوگوں کی موجودگی کیسے ممکن تھی اس ویرانے میں تو ڈیگارو کے سوا کوئی نہیں تھا۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ بھی ڈیگارو ہی کی نسل کے آدمی معلوم ہوتے۔ میرے عین سامنے جو شخص رائفل تانے کھڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے میری پلکیں جھپک گئیں۔

یہ کوئی عورت تھی۔ لباس سے بے نیاز، اپنے آپ سے بے نیاز وحشت خیزی کا جیتا جاگتا نمونہ۔ بڑے عجیب سے انداز میں وہ کھڑی ہوئی تھی۔ جسے دیکھ کر ذہن پر قابو پانا خاصا مشکل ہو جائے۔ لیکن اسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی، وہ تو رائفل کی نال سے فرازی کے سینے کو کھٹکھٹا رہی تھی۔ فرازی بھی خوفزدہ سا ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ہم سب وہ بھی ان کی رائفلوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور وہ دو، جو پہرہ دے رہے تھے بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ یقیناً ان پر حملہ کر کے انہیں یا تو ہلاک یا پھر بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ ہوں، وہ چیخ کی آواز غالباً ان ہی میں سے کسی کی ہو۔ اور یہ رائفلیں، یہ ہمارے علاوہ کسی اور کی نہیں تھیں۔ ہمارے پستول بھی ان لوگوں نے اپنے قبضے میں کر لئے تھے۔ گویا وہ ہم سب پر قابو پا چکے تھے لیکن کیسے؟ آخر کیسے؟ اس ناقابلِ یقین منظر پر کیسے یقین کیا جا سکتا تھا تنہا ڈیگارو، اور پھر اس کی کہانی اور اس کے بعد یہ سب کے سب۔

ہوش و حواس پوری طرح جاگ اٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان میں کافی تعداد عورتوں کی بھی تھی۔ تقریباً دس گیارہ مرد تھے اور سات آٹھ عورتیں۔ مردوں چٹانوں کے پیچھے سے نکل کر آگے آگئے تھے۔ لیکن اب بھی منظر پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ دوست۔ کھڑے ہو جاؤ۔" ڈیگارو کی آواز ابھری اس نے میری گردن پر بندوق سے ٹھوکا دیا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹکائے اور کھڑا ہو گیا۔

ڈیگارو ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"یہ سب کیا ہے؟ اس کے بارے میں تمہیں تفصیل خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کو علم دو کہ اگر زندگی کھونا نہ چاہیں تو کوئی جدوجہد کرنے کی کوشش نہ کریں۔" میں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا تھا۔ ڈیگارو کی بات سب ہی نے سن لی تھی۔ اور مجھے اسے دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ سب ہی میری طرح حیرت کا شکار تھے۔ یہاں تک کہ اس وقت سلمان بھی متحیر نظر آرہا تھا۔ ہر چند کہ اس کے چہرے پر خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔ لیکن حیرت تو بہرحال اسے بھی تھی۔ جب ان لوگوں نے پوری طرح سے ہم پر قابو پا لیا تو انہوں نے دوسرا عمل کیا۔

یعنی رسیوں کے وہ ٹکڑے جو ہمارے پاس موجود تھے لے کر ہمارے ہاتھ پشت پر کسے گئے۔ ہاتھوں کی بندشیں اتنی سخت اور وحشیانہ سی تھیں کہ ہم جنبش بھی نہ کر سکے اور ہمیں ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ ان کے پاس لمبے لمبے خنجر تھے جن سے انہوں نے رسیاں کاٹ لیں اور اس طرح ہم سب کو قید کر دیا گیا۔ وہ ان دونوں پہرے داروں کو بھی گھسیٹ کر اس جگہ لے آئے تھے جو تھوڑے فاصلے پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سر زخمی تھے۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے سروں کی پشت پر کوئی وزنی شے مار کر انہیں بے ہوش کیا گیا ہے۔ بہرطور ہم سب کسی آفت کا شکار ہو چکے تھے۔ اور یہ آفت پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کا کوئی سرا ذہن میں آ ہی نہیں رہا تھا۔

ڈیگارو کی کہانی تو بڑی دلدوز تھی۔ لیکن یہ اس کے ساتھی کہاں سے آگئے۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ جھوٹ

بول رہا تھا۔ لیکن اس علاقے میں یہ مہذب وحشی کہاں سے آگئے۔ ننگ دھڑنگ مرد اور ننگ دھڑنگ عورتوں کو دیکھ کر یقین نہیں آتا تھا اگر ڈیگارو نے باقاعدہ انگریزی زبان میں گفتگو نہ کی ہوتی تو مجھے یہ یقین نہ آتا کہ ان کا تعلق کسی طور مہذب دنیا سے ہے۔ ممکن ہے اس کے دوسرے ساتھی بھی انگریزی زبان سے واقف ہوں لیکن یہ کون تھے آخر یہ کون تھے!

میں سوچ رہا تھا۔ ان سب نے ہمیں ایک جگہ بٹھا دیا۔ اور ہمارے گرد رائفلیں لئے ہوئے پہرہ دیتے رہے۔ سلمان میرے قریب تھا۔ میں نے اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اب اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نہیں تھے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"تم مسکرا رہے ہو سلمان؟" میں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں چچا جان۔" سلمان بدستور اطمینان بھرے لہجے میں بولا۔

"کیوں آخر کیوں؟" میں نے متعجب انداز میں پوچھا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ مجھے یہ شخص مشکوک نظر آتا ہے۔" سلمان نے کہا۔

"ہاں تم نے کہا تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔

"بس چچا جان مجھے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی کہانی پر۔ یا پھر آپ یوں سمجھ لیں کہ وہ قوتیں جو میری رہنمائی کر رہی تھیں مجھے بار بار ہوشیار کر رہی تھیں کہ اس شخص سے ہوشیار رہو لیکن آپ سے انحراف بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں یہ بھی نہ کہہ سکا کہ سلمان، اگر اس قسم کے شک و شبہات کا شکار تھا تو وہ مجھ سے اس کا اظہار ہی کرتا۔ بلکہ اس سلسلے میں کوئی عمل کرتا۔ اتنا ممکن تھا کہ سلمان کے اس عمل کو ہم کوئی احمقانہ اقدام تصور کرتے۔

رات زیادہ باقی نہ تھی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد دن کی روشنی نمودار ہونے لگی۔ روشنی کی کرنیں نمودار ہوئیں تو ماحول ایک دم جاگ پڑا!

وحشی عورتوں کے بال لمبے لمبے تھے۔ اور ان کی کمر تک پہنچ رہے تھے باقی بدن پر لباس نام کی ایک دھجی بھی نہیں تھی۔ ان کے جسم گرد آلود تھے۔ وہ اس طرح آزادانہ طور پر چل پھر رہی تھیں۔ جیسے انہیں احساس ہی نہ ہو کہ وہ عورت ہیں۔ ان کے چہروں پر بھی وحشت برس رہی تھی دن کی روشنی میں یہ چہرے کچھ اور وحشیانہ محسوس ہونے لگے تھے پھر ڈیگارو نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اٹھو، تمہیں ڈھلانوں کا سفر کرنا ہے۔"

"جو کچھ تم کہو گے ہم اس سے انحراف نہیں کریں گے ڈیگارو لیکن ہم نے تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا، کیا اس کے عوض تم اپنے بارے میں ہمیں تفصیل بھی نہیں بتاؤ گے؟"

"بہت بے چین ہو تفصیل جاننے کے لئے۔ تھوڑا سا سفر طے کر لو اس کے بعد تمہیں تمام تفصیلات پتہ چل جائیں گی۔" ڈیگارو نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور رائفل سے ہمیں اشارہ کیا۔

اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ کہ ہم نیچے کی طرف سفر کریں۔ ان سب نے ہمارا سامان اٹھا لیا تھا، ہمیں ایک ہی جگہ رکھا گیا تھا اور وہ سب ہمارے گرد گھیرا ڈالے چل رہے تھے یوں ہم ان ڈھلانوں پر سفر کرنے لگے۔ جن کے بارے میں ہم نے سوچا تھا کہ دن کی روشنی میں انہیں عبور کریں گے، اور پھر جنگلوں میں داخل ہوں گے۔

ڈھلانوں کو عبور کرنے میں کوئی زیادہ دقت پیش نہیں آئی وہ ایسے تھے کہ ان پر قدم جما کر چلا جا سکتا تھا۔ اور ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے اختتام تک جا پہنچے۔

یہ ڈھلان کہیں کہیں کٹاؤ کی شکل میں بھی تھے۔ ایسے ہی ایک کٹاؤ کے سامنے ہم نے ایک بہت بڑا سا چوکور سوراخ دیکھا، جو یقیناً انسانی ہاتھوں سے تراشا گیا تھا

اس سوراخ کے سامنے ڈیگارو نے ہمیں رکنے کا اشارہ کیا اور ہم رک گئے۔ ڈیگارو مسکرا کر اندر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"یہ ہماری پناہ گاہ ہے، اس سوراخ کے دوسری طرف ایک کشادہ غار ہے اور ہم لوگ اسی غار میں محفوظ رہتے ہیں۔ تم لوگ بیٹھ جاؤ، چونکہ غار میں تمہارے لئے گنجائش نہیں نکل سکے گی۔" اس نے کہا اور ہمیں وہیں چھوٹی چھوٹی چٹانوں کے پاس بٹھا دیا گیا۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ غار میں داخل ہوئے اور لمبے لمبے کھونٹے نکال لائے۔ جو لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ کھونٹے زمین میں گاڑ دیے۔ ان لوگوں کے پاس اس قسم کا خاصا ساز و سامان معلوم ہوتا تھا۔

کھونٹے گاڑنے کے بعد انہوں نے ہمارے ہاتھوں میں بندھی ہوئی رسیاں ان کھونٹوں سے باندھ دیں۔ گویا ہم جانوروں کی طرح باندھ دیے گئے تھے۔

محسوس کر رہے تھے۔ حالانکہ جو زخم تھا شاید گولی کا، پہلا احساس جو ہوا وہ یہ تھا کہ وہ نام نہاد ... آنکھیں بند کر رکھی تھیں لیکن زخم کی صفائی کے دوران ہی کیا جانے ... کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی اور وہ بہت ہی آہستہ آہستہ ہوش میں آ رہا تھا۔ اس کے زخم پر مرہم پٹی کر دی گئی۔ نوجوان حیرت سے اپنے زخم پر بندھی ہوئی ان پٹیوں کو دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر ممنونیت کے جذبات تھے۔ دفعتاً مجھ پر نگاہ پڑی۔ کیا سوچ کر میں نے گنڈو زبان میں اس سے پوچھا۔

"کون ہو تم اور تمہارے یہ زخم کیسے آیا؟" یہ زبان مجھے تھوڑی بہت آتی تھی۔ بس یہاں رہ کر جو مختلف معلومات میں نے حاصل کی تھیں انہی کے تحت مختلف زبانیں میں نے سیکھ لی تھیں جو افریقہ کے اندرونی خطوں میں بولی جاتی تھیں۔ نوجوان نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تو میں نے منگوالی زبان میں اس سے یہی سوال کیا۔ جب وہ یہ زبان بھی نہ سمجھا تو میں نے گنڈو کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پوچھا کہ وہ کون ہے۔

"جونگا۔" اس نے جواب دیا اور میں مسرت سے اچھل پڑا۔ گنڈو زبان کے الفاظ اس کی سمجھ میں آ گئے تھے۔ میں نے اپنی یادداشت مجتمع کی اور کہا۔

"تمہارا نام جونگا ہے؟"

"ہاں۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"یہ زخم کیسے آیا تمہارے؟"

"شیر نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"اور کس جگہ؟"

"اس جگہ۔" نوجوان نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا اور جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا وہاں تقریباً ... شیر مرا پڑا ہوا تھا۔ ایک نیزہ اس کے حلقوم میں پیوست تھا۔ ہم سب حیرت زدہ رہ گئے۔ نوجوان کی طرف سب ہی نے دیکھا تھا۔

"اوہ، تو تم نے اپنے دشمن کو ہلاک کر دیا؟"

"ہاں۔" نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا۔ اس کی آنکھیں بے حد حسین تھیں اور اس قوی ہیکل بدن کی وجہ سے وہ بے حد شاندار شخصیت کا مالک نظر آتا تھا۔

"واہ جونگا، تم تو بہت دلیر ہو۔ اتنے بڑے شیر کو قتل کر ڈالا تم نے۔" جونگا نے کوئی جواب نہیں دیا، بس مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر میں نے کہا۔

"یہ شیر تمہارے اس نیزے سے ہلاک ہوا!"

"ہاں۔"

"لیکن تم یہاں کیوں موجود ہو؟"

"اس زخم کی وجہ سے مجھے چلنے پھرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی، میں نے سوچا کہ کچھ بہتر ہو جائے تو میں یہاں سے سفر شروع کروں۔"

"کب سے تم یہاں ہو؟"

"چار سورج اور چاند گزر چکے ہیں۔" نوجوان نے

علم الاعداد، علم دست شناسی، علم تحریر، علم قیافہ، علم نجوم، کردار شناسی نہ جادو ہیں نہ جھو منتر۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو دماغ نام کا کمپیوٹر عطا کیا ہے۔ اس کمپیوٹر میں سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیتیں بھر دی ہیں۔ ضرورت ہے کہ کسی علم کی طرف توجہ دی جائے۔ صرف توجہ دینے ہی سے ہر گتھی کو دو اور دو چار کی طرح سلجھایا جا سکتا ہے۔ سیکڑوں ماہرین نے ہزاروں سال تجربات کئے اور پھر ایس اے صدیقی نے سب کے تجربات کو موجودہ صدی میں "دنیا کے چھ پراسرار علوم" کے نام سے یکجا کر دیا ہے۔ (پروفیسر عالم اقبال)

ڈاکٹروں کا کہنا ہے اگر انسان اپنی بیماری کو جان لے تو اس کا تدارک آسان ہو جاتا ہے اور بہت معمولی معمولی دواؤں سے وہ اپنا علاج خود کر سکتا ہے۔ عالی جناب ڈاکٹر بی۔ سی گپتا نے معجزہ دکھانے والی دو سو ہومیو پیتھک دوائیں اور ان کے استعمال کے طریقے "ہومیو پیتھک ڈاکٹر بنو" نامی کتاب قیمت بیس روپے میں درج کر دیئے ہیں۔ اس کتاب کی مدد سے غریب و نادار لوگ پیسہ بچا کر بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یہ کتاب ... والوں سے طلب کریں۔ (محمد انیس)

جواب دیا۔

"گویا چار دن؟"

"ہاں۔" وہ بولا۔

"گویا اس دوران اور درندے یہاں نہیں آئے۔" میں نے پوچھا۔

"آئے تھے لیکن مجھے مردہ سمجھ کر چلے گئے۔" وہ آہستہ سے ہنس پڑا۔

"وہ کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

"میں سانس روک کر اور دم سادھے لیٹ جاتا ہوں، اور وہ مجھے سونگھ کر چلے جاتے ہیں۔"

"اوہ خدا کی پناہ، تمہیں خوفناک مشکلات سے گزرنا پڑا ہو گا۔" نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا، بس وہ خاموشی سے اپنی جگہ لیٹا مجھے گھورتا رہا۔

"تمہارا قبیلہ کہاں ہے جونگا؟" میں نے سوال کیا اور اس نے پھر ایک جانب اشارہ کر دیا۔ اس طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑی ٹیلوں کی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔

"ان پہاڑیوں کے دوسری طرف؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"ہم تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟" میں نے سوال کیا اور اس نے ممنونیت سے گردن جھکا دی۔ میرے اس سوال کے جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ چند لمحات میں اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا، پھر میں نے خود ہی کہا۔ "اگر میں تمہیں تمہارے قبیلے میں لے چلوں تو تمہارے قبیلے کے لوگ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

اس نے معصومانہ انداز میں زور زور سے گردن ہلائی۔ "پھر رفیق، تمہارا یہ احسان وہ نہیں بھولیں گے۔"

سلطان اور دوسرے لوگ کھڑے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ میں نے سلطان کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"اوہ۔ اوہ تم بھی گنڈو زبان جانتے ہو۔"

"اور بھی بہت سی زبانیں سیکھی ہیں میں نے چچا جان، آپ بھول رہے ہیں۔" سلطان مسکرا کر بولا۔

"اس وقت میں خود ہی کو تیس مار خاں سمجھ رہا تھا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ نوجوان خوش بختی کی علامت ہے ہمارے لئے۔" سلطان بولا۔

"وہ کیسے؟"

"کم از کم اس جنگل میں کسی دوست کی شکل تو نظر آئی۔ اگر یہ لوگ ہماری رہنمائی کا باعث بن سکیں تو اس سے عمدہ کیا بات ہو گی۔"

"میاں اس کے امکانات ہیں۔"

"مجھے مسئلہ کیا ہے؟ کچھ نہیں، ہم تو چل پڑے۔" قنطلی نے کہا۔ اور ہم اسے صورت حال بتانے لگے۔ قنطلی گہری سوچ میں ڈوب گیا اور بولا۔ "اور تو کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ بھی آدم خور نکلے؟"

"بظاہر تو نہیں ہیں۔"

"بہرحال رسک لیا جا سکتا ہے۔ اسٹریچر نکلوایا جائے۔" قنطلی بولا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تیار ہو گئے۔ نوجوان کو اسٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ اور مزدوروں نے یہ اسٹریچر اٹھا لیا۔ نوجوان ہماری رہنمائی کرنے لگا۔ اور ہم پہاڑیوں کی سمت چل پڑے۔

سفر تیز رفتاری سے ہو رہا تھا۔ پہاڑیوں کے کنارے پھیلی ہوئی تھی، جسے ہم نے دور سے دیکھا تھا۔ اور اس طرف کا رخ نہیں کیا تھا۔ ابھی ہم پہاڑیوں سے تھوڑی دور ہی تھے کہ دفعتاً ہم نے ڈھول بجنے کی آوازیں سنیں۔ یہ آوازیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ نوجوان نے اسٹریچر پر اٹھتے ہوئے کہا۔

"رک جاؤ۔ وہ تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔" اور ہم رک گئے۔ "کسی طرح مجھے کھڑا کرو۔" وہ بولا۔ اور چند لمحات کے بعد ہم نے اسے کھڑا کر لیا۔ ہم دونوں طرف سے سہارا دیئے ہوئے تھے۔

پھر نوجوان کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ گانے والے انداز میں چیخ رہا تھا۔ اس نے منہ کے آگے بھونپو سا بنا لیا تھا۔ جنگل کی خاموشیوں میں اس کی یہ آواز عجیب گونج رہی تھی۔ دیر تک وہ اسی انداز میں چیختا رہا۔

دفعتاً ڈھول بند ہو گئے۔ اب اس کی آواز کی گونج اور بلند ہو گئی تھی۔ پھر اچانک پہاڑیوں کے عقب سے بے شمار افراد نکلے۔ وہ دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے۔ ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ ہم سب سناٹے کے عالم میں انہیں دیکھ رہے تھے۔ بڑا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن

لوجون کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اب کوئی خطرہ نہیں ہے؟" وہ بولا۔ "میں نے انہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔" ہم خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔ آن کی آن میں وہ ٹڈی دل ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔ پھر وہ اسٹریچر کے گرد جمع ہو گیا۔ ایک قوی ہیکل بوڑھا شخص روتا ہوا لوجون سے لپٹ گیا۔ وہ اسے بری طرح چوم رہا تھا۔

ان لوگوں کے ہجوم میں ہم لوگ الگ سے دور ہو گئے۔ بہرحال ہم ان کی کارروائیاں دیکھتے رہے پھر نوجوان کے اسٹریچر کو دوسرے لوگوں نے سنبھال لیا اور برق رفتاری سے آگے بڑھنے لگے۔ البتہ وہ بوڑھا شخص ہمارے قریب آ گیا تھا۔

"مجھے علم ہوا ہے کہ تم لوگ ہماری زبان جانتے ہو؟"

"ہاں۔" میں نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"تم نے جونگا پر احسان کیا ہے۔ جونگا میرا بیٹا ہے۔ میرا نام مارونگا ہے۔ میں اس قبیلے کا سردار ہوں۔" اس نے کہا۔

"ہمیں خوشی ہے سردار تمہارے بیٹے کی جان بچ گئی۔"

"کیا تم کچھ عرصہ کے لئے ہمارے مہمان بن کر ہمارے

اوپر احسان کرو گے؟"

"خوشی سے سردار۔" میں نے کہا اور بوڑھا اچھل اچھل کر اسی طرح چیخنے لگا جس طرح جونگا چیخا تھا۔ بہت سے افراد قریب آئے۔ اور ہم سے ہمارا سامان ہمارے اشخاص نے لے کر سروں پر رکھ لیا۔ سردار کے اشارے پر ہم آگے بڑھ گئے۔

پہاڑیوں کے دوسری سمت ایک بستی آباد تھی۔ کسی قدر تہذیب یافتہ بستی۔ وہ لوگ درختوں کی چھالوں سے بنے ہوئے لباس پہنے ہوئے تھے۔ کچھ کے لباس کھالوں سے بنے ہوئے تھے۔ ایک مخصوص طرز کے جھونپڑے بنائے ہوئے تھے انہوں نے اور یہ جھونپڑے چھوٹے بڑے ہر قسم کے تھے۔ ایک بہت بڑے جھونپڑے میں ہمارے قیام کا بندوبست کر دیا گیا۔ ہمارا سارا سامان وہاں رکھ دیا گیا تھا۔ جھونپڑے کے سامنے بہت وسیع احاطہ تھا۔ جہاں درخت اُگے ہوئے اور درختوں کے نیچے جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ جو رہنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

ہماری تسلی تو اسی گوشت اور دودھ سے کی گئی تھی

یہاں پہنچ کر بے حد سکون ہوا۔

"کیا خیال ہے چچا جان۔ آسانیوں کا دور شروع ہو گیا؟" سلمان بولا۔

"وقتی ہے سلمان۔" میں نے کہا۔

"ہاں چچا جان۔ بہرحال شدید مشکلات کے بعد یہ سب کچھ ہوا ہے۔"

"شاید۔" میں نے مختصراً کہا۔

"آپ مجھ سے متفق نہیں ہیں شاید۔"

"نہیں ایسی بات بھی نہیں ہے۔"

"اب دیکھئے نا۔ کشتی کی تباہی۔ یہ آدم خور وحشیوں سے ملاقات اس کے بعد یہ خطرناک جنگل کیا یہ مشکلات نہیں تھیں؟"

"بے شک تھیں۔"

"اور اس کے بعد یہ آرام ؟"

"وقتی ہے سلمان۔"

"ٹھیک ہے لیکن ہے تو سہی۔" وہ بولا

"ہاں اس سے میں نے کب انکار کیا۔"

"ان حالات میں سکون کے جو لمحات مل جائیں۔ وہ غنیمت ہیں۔"

"ہیں۔ لیکن ان لمحات کو مستقل تو نہیں کہا جا سکتا۔"

"بہرحال میں مطمئن ہوں۔"

"میں بھی مطمئن ہوں سلمان۔ مسئلہ ان لوگوں کا ہے۔" میں نے دوسروں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہاں ان کے بارے میں، میں سمجھتا ہوں تو مجھے واقعی پریشانی ہوتی ہے۔"

"مجھے خوف ہے سلمان کہیں ان کی قوت برداشت جواب نہ دے دے اور وہ بد دل نہ ہو جائیں۔"

"اپنا ہی نقصان کریں گے۔"

"وہ کیوں؟"

"دیکھئے نا۔ یہ حالات ناگزیر تھے۔ ہم خود بھٹک گئے ہیں۔ یہ سب کچھ ہمارے بس میں تو نہیں تھا۔"

"شاید اسی لئے یہ خاموش ہیں۔"

"یہ خاموشی ہی ان کے حق میں بہتر ہے۔ اگر یہ بد دل ہو گئے تو ہم انہیں واپسی کی اجازت دے دیں گے۔ بہرحال انہیں سفا وہیں ہے جو ہم طے کر چکے ہیں۔ اور ان کے لئے وہ بھی برا نہیں ہے۔" سلمان نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

قبیلے والے ہماری بڑی خاطر کر رہے تھے۔ رات کو ہمارے لئے سالم بکرے بھون کر لائے گئے تھے۔ اور پہاڑی بکریوں کا یہ گوشت ہمیں بے حد لذیذ محسوس ہوا۔ دو خادموں کو ہماری ضروریات کے لئے مختص کر لیا گیا تھا۔

خوب رات گئے بوڑھا سردار ہمارے پاس آیا۔ اور اس نے بتایا کہ جونگا اب ٹھیک ہے۔ اس نے بڑی احسان مندی کا اظہار کیا تھا۔ پھر اس نے اپنے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"میرے قبیلے کا نام ترونگا ہے۔ جونگا ایک مشن پر قبیلہ بوگاسا گیا ہوا تھا۔ لیکن بوگاسا والوں نے بد دیانتی کی اور قاصد کو گرفتار کر کے ترونگا سے جنگ مول لے لی۔ اور اب بوگاسا ترونگا کے قہر سے نہ بچ سکے گا! بس جونگا کے صحت مند ہونے کا انتظار ہے۔" سردار کئی گھنٹے ہمارے پاس بیٹھا رہا۔ وہ اپنے قبیلے کے بارے میں بہت کچھ بتا رہا تھا۔ اور ہمیں حیرت تھی۔ قطبی، فلزی اور فیکان بھی نزدیک بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سلمان انہیں اس گفتگو کا ترجمہ کر کے سناتا جا رہا تھا۔ بوڑھے سردار نے بتایا۔

"ترونگا اور بوگاسا کی دشمنی ازلی ہے۔ اور یہ دشمنی ابد تک جاری رہے گی۔ یہ جادوگروں کی پیشین گوئی ہے۔ کیونکہ اس دشمنی کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔ یہ بنیادیں اس وقت پڑیں جبکہ دلدلوں کی دوسری جانب زمین کی گہرائیوں میں ایک شخص پیدا ہوا۔ یہ گہرائیاں دلدلوں سے پرے آج بھی موجود ہیں۔ سردار نے بتایا کہ اس شخص کے پاس ایک گائے تھی۔ اس سے پہلے یہاں کبھی کوئی گائے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اس شخص کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ترونگا اور دوسرے کا بوگاسا تھا۔ یہ دونوں قبیلے اسی نسل سے ہیں۔ دلدل سے پیدا ہونے اس پہلے آدمی کے پاس ایک گائے تھی۔ پھر اس گائے نے ایک بچھڑا دیا۔ اور اس شخص نے گائے اور بچھڑا اپنے دونوں بیٹوں کو دے دیا۔ وہ بچھڑا ترونگا کے بڑے بھائی بوگاسا نے چھین لیا۔ چھوٹے بھائی کو اس پر سخت غصہ آیا اور اس نے اپنے باپ سے شکایت کر دی۔ باپ نے بوگاسا کو سمجھایا کہ وہ ترونگا کو اس کا بچھڑا واپس کر دے مگر بوگاسا کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ تنگ آ کر اس نے کہا۔

"بیٹے تو ساری زندگی اس بچھڑے کے پیچھے بھاگتا...

شجرہ

ابلیس بہرحال صوفیا اور علما دونوں کے لیے باعثِ حیرت اور تعجب انگیز ہستی ہے۔ وہ ہر وقت موجود اور بے پناہ قدرت کا مالک ہے۔ بھی کو آسانی سے بہکا لیتا ہے حتیٰ کہ جنت میں آدم اور حوا کو بھی بہکانے میں کامیاب ہوگیا۔ شاعروں اور فلسفیوں، مفسروں، محدثوں، صوفیوں، واعظوں، عالموں، زاہدوں اور فقیہوں کو اس نے جس جس طرح اپنے دامِ تلبیس میں پھنسایا ہے اُس کی مکمل روداد حافظ ابوالفرج علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب تلبیسِ ابلیس میں لکھ دی ہے جو واقعی عالمانہ بھی ہے اور دل چسپ بھی، لیکن زیادہ دل چسپ مفسرین کی وہ تحقیقات ہیں جو انھوں نے ابلیس کے گھریلو معاملات و حالات کے بارے میں کی ہیں۔ سورۂ کہف کی اٹھاسیویں اور انچاسویں آیات میں ابلیس اور اولادِ ابلیس کا ذکر آیا ہے اور ان کی دوستی سے منع کیا گیا ہے کہ اُن کی دوستی زیان و ذلت و عقوبت کا باعث ہے۔ اولاد کے ذکر پر مفسرین کو ابلیس کی بیوی کا خیال آنا لازمی تھا۔ چناں چہ بعض نے کہا کہ ابلیس کی اولاد اس کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوتی ہے لیکن بعض دوسرے مفسروں نے اس طرح کا توالد اولاد تسلیم نہیں کیا۔ ان کی تحقیق کے مطابق ابلیس کی بیوی پرندوں کی طرح انڈے دیتی ہے اور ابلیس کے بچے اُنھی انڈوں سے نکلتے ہیں۔ یہ خیال اُنھیں اس لیے آیا کہ ابلیس اور اولادِ ابلیس سُرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے پر قادر ہے۔ پہاڑ اور دریا اُن کے راستے کی رکاوٹ نہیں بنتے اور ایسا پروں کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا وہ پرندے قسم کی مخلوق ہیں۔

توالد از بطن کے قائل مفسرین نے ابلیس کے نو بیٹوں کے نام بھی معلوم کر لیے ہیں۔ پہلے لڑکے کا نام لاقیس ہے، دوسرے کا والہان تیسرے کا ہفاف چوتھے کا مرہ، پانچویں کا زلن پور، چھٹے کا تبر، ساتویں کا اعور، آٹھویں کا مسطوس اور نویں کا داسم۔ ان نو لڑکوں نے اولادِ آدم آپس میں تقسیم کر لی ہے اور ہر ایک اپنے اپنے حلقے کے امور کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔

ابلیس کی بیوی کا نام البتہ کوئی معلوم نہ کر سکا۔ دوسرے مفسرین اولادِ ابلیس کی تعداد نو تک محدود نہیں سمجھتے۔ اُن کے خیال میں آدم کے ہر بیٹے پر ابلیس کا ایک ایک بیٹا موجود ہے جو آدم کے بیٹے کے ساتھ زندگی بھر لگا رہتا ہے اور اُسے مرنے تک نہیں چھوڑتا۔

فرازی نے جو کچھ کہا تھا اسکی حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ان حالات میں ہم مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔ جو انگلانے ہمیں قیمتی تحائف دیئے تھے۔ سیاہ فام مزدوروں کے لیے تو یہ تحائف اس قدر قیمتی تھے کہ وہ ان کی حفاظت کے خیال سے راتوں کو سو بھی نہیں پاتے تھے، دوسرے لوگ بھی انھیں پاکر خوش تھے بے نیاز تھے تو میں اور سلمان کہ ہمیں ان چیزوں سے چنداں دلچسپی نہیں تھی۔

"کیا خیال ہے فرازی، ہمیں کس طرف چلنا چاہیئے" سلمان نے کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد سوال کیا

"ابتدائی طور پر تو اس طرف کیونکہ ان لوگوں کا رُخ دوسری طرف ہے۔ اس طرف انکے دوبارہ آنے کا خطرہ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ہم نقشے کے مطابق اپنی منزل کا تعین کریں گے" فرازی نے جواب دیا وہ ہماری طرف دیکھا۔

"تو آپ کا کیا خیال ہے مسٹر نعیمی۔۔۔؟"

"اصولی طور پر میں مسٹر فرازی سے متفق ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان جنگلوں کی ساخت کے بارے میں آئے تھے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم اپنی طلب میں کامیاب ہو کر جلد از جلد اپنی دنیا میں واپس چلے جائیں۔ اس طرح اس قبیلے میں ان لوگوں کا انتظار کرنے سے کیا فائدہ۔"

"اگر سب کی یہی رائے ہے تو ٹھیک ہے۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور اس کے بعد اس موضوع پر گفتگو کی گنجائش نہیں رہی۔ گویا ہم سب متفقہ طور پر اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ موقع پاتے ہی یہاں سے نکل جائیں۔ اس فیصلے کے بعد میرے دل میں ایک ذرا سی خلش پیدا ہو گئی تھی، یہ لوگ اگرچہ جنگلی ہی سہی لیکن جو انگلا اور اس کے باپ نے ہمارے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا تھا اور وہ ہمیں اس امید پر مجبور کر گئے تھے کہ واپسی پر ہمیں یہاں پائیں گے لیکن یہاں کی اپنی سوچ تھی، باقی لوگوں کا کہنا بھی درست تھا اگر انہیں شکست ہو جاتی اور اس کے بعد ان کے دشمن ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچتے تو ہم بھی اس قبیلے میں ہوتے اور اس کے بعد یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ وحشی جنگلی ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ ہم انہیں لوگوں میں شامل ہوتے جو شکست خوردہ ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ یہ جنگلی بہتر سلوک نہ کرتے ہوں گے پھر جو انگلا اور اس

کا باپ یہ کہہ کر گئے تھے کہ واپسی میں وہ مردوں کے سر اور ہڈیاں لے کر آئیں گے۔ تو کیا یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ شکست کھا جائیں اور ان کے دشمن اس قبیلے کا رخ کریں تو پھر یہاں سے وہ سر اور عورتیں لے جائیں اور ان سروں میں ہمارے سر بھی شامل ہوں گے طے یہ کیا گیا کہ آج ہی رات موقع پا کر یہاں سے داہنے سمت دریائی دلدل علاقے کی جانب سفر کرتے ہوئے دور نکل جانا چاہیئے اتنی دور کہ یہ لوگ ہمارا پتہ نہ پاسکیں اور اس کے بعد جب ہم محفوظ جگہ پہنچ جائیں تو اپنا صحیح راستہ تلاش کرلیں۔

سرِ شام ہی آسمان بادلوں سے ڈھک گیا تھا، فضا میں نمی محسوس ہوتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بارش کسی بھی وقت ہو سکتی ہے، لیکن ابھی تک بارش کا کوئی وجود نہیں تھا، رات کے تقریباً بارہ بج گئے اور تاریکی گھور ہوتی چلی گئی، قبیلے کی عورتیں اور وہ لوگ جو یہاں خدمات پر مامور کیے گئے تھے، ہمیں رات کا کھانا دے گئے تھے اس کے علاوہ ہمارے لیے آگ روشن کردی گئی تھی تاکہ کیڑوں مکوڑوں سے بچاؤ ہوسکے یہاں مچھر بہت تھے اور کافی بڑے بڑے آگ ہم نے روشن رہنے دی، ایک بجے ہم سب تیار ہو گئے، بستی کے کچھ نوجوان پہرے پر مامور تھے اور بلیے سنبھالے ہوئے ان جگہوں پر تعینات تھے جو باہر سے آنے والے راستوں کی سمت میں تھیں، لیکن ہم نے جس راستے کا انتخاب کیا تھا چنانچہ صبح وقت ہم سب تیار ہو کر اس راستے کی جانب چل پڑے۔ وہ دو کی تعداد میں ہم لوگ آگے بڑھے تھے تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو سکے اور ہمارا انداز بھی اس طرح کا تھا جیسے ہم چہل قدمی کر رہے ہوں، حالانکہ رات کے اس پہر چہل قدمی کسی طور مناسب نہیں تھی لیکن بہرطور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا، یہ اتفاق کی بات تھی کہ ہم بادلوں کی وجہ یا رات کا پہر کہ ہمیں کسی نے نہیں دیکھا اور ہم سب بالآخر اس جگہ جمع ہو گئے جہاں سے ہمیں آگے کی جانب سفر کرنا تھا، تاریکی اتنی شدید تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا، لیکن یہی موقع ہمارے لیے بہتر بھی تھا۔ اس تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ہم جتنی دور نکل جاتے اسی میں ہمارا فائدہ تھا، ورنہ دن کی روشنی ہمارے فرار کے لیے بہتر ثابت نہ ہوتی۔

ہم آگے بڑھتے رہے، اس گھور تاریکی کی وجہ سے سفر کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی جتنی ہونی چاہیئے تھی۔ جگہ جگہ ٹھوکریں لگ رہی تھیں اور یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ہمارا اگلا قدم ہمیں کہاں لے جائیگا۔ موت بھی زندگی کے ہمارے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ نجانے کہاں، اختتام تھا؟ کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ دلدلیں بھی شروع نہیں اور حشرات الارض بھی، درندوں کا بھی خطرہ تھا لیکن بہرطور ان تمام خطروں کے ساتھ ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہماری یہی کوشش تھی کہ جس طور بھی ممکن ہو سکے، قبیلے سے دور نکل جائیں۔

راستہ چٹانی تھا اور شکر یہ تھا کہ ابھی جنگلوں کا راستہ نہیں شروع ہوا تھا، ویسے بھی اس بات کا یقین نہیں کیا جاسکتا تھا کہ جس راستے کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں، وہاں آگے چل کر ہمیں کتنے فاصلے پر جنگل ملیں گے۔ لیکن جو کچھ بھی تھا اب تو یہ سفر طے کرنا ہی تھا۔

ہم اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور ساری رات یہ سفر جاری رہا، شکر تھا کہ کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جو ہمارے لیے تکلیف دہ ہوتا، پھر جب صبح کے اُجالے پھوٹے تو ہم نے دیکھا کہ جنگل ہمارے بائیں سمت دور تک پھیلا ہوا ہے، گویا ہم جنگل کے کنارے کنارے سفر کرتے رہے تھے اور جنگل بہت پہلے آگیا تھا۔

جنگل کے اس حصے سے جنگلی درندوں کی آوازیں بھی آرہی تھیں، جن پر ہم نے پہلے غور نہیں کیا تھا، ان آوازوں کو سن کر ہم کانپ کر رہ گئے۔

سلمان میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، فرازی اور ڈاکٹر نیکان نے جنگلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ، اس کا مقصد ہے کہ جنگلوں کا سلسلہ بہت دور سے شروع ہو گیا تھا۔"

"ہاں، رات اتنی تاریک تھی کہ ہم جنگلوں کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکے۔"

میرے خیال میں صحرائے اعظم میں داخل ہونے کے بعد ہم نے اپنی زندگی کا سب سے خطرناک سفر کیا ہے۔ نیکان بولا - اور ہنسنے لگا۔

"کیا کہا جاسکتا ہے ڈاکٹر نیکان: ہم تو ہر لمحہ کسی نہ کسی خطرے سے دوچار رہتے ہیں۔"

"لیکن کیا اندازہ ہے، ہم کتنی دور نکل آئے، فرازی نے سوال کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ رات بھر کا یہ سفر ہمیں ان سے دس یا بارہ میل دور لے آیا ہوگا کیونکہ سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس لئے اس سے زیادہ فاصلے کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔"

"بہرطور بری طرح تھکن ہو گئی ہے۔ کیا خیال ہے کچھ دیر آرام کیا جائے۔" ڈاکٹر نیکان نے کہا۔

"نہیں ڈاکٹر نیکان اس وقت آرام قطعی مناسب نہیں

ایسی اُمید نہیں تھی۔"

"یہ کوئی بات نہیں ہے قطبی، تم اتنی معمولی معمولی باتوں کو محسوس کرتے ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ کسی رہنما کے بغیر واپسی کا سفر طے کر لیں گے۔؟"

"میرے خیال میں ناممکن ہے ۔ اور ان کم بخت کتوں کا مرجانا ہی بہتر ہوگا، اگر مجھے ان میں سے کوئی نظر آجائے، اور وہ کسی مصیبت کا شکار ہو تو میں دو گولیاں تو اس کے سینے میں اُتار سکتا ہوں، اس کی مدد نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک کہتے ہو قطبی، لیکن اب کیا کیا جائے، بھروسے کے لوگ تھے، پتہ نہیں اتنی جلدی کیوں واپس ہو گئے، حالانکہ ابھی تک انہیں کوئی ایسا خوفناک واقعہ بھی پیش نہیں آیا تھا جس میں زندگی کے خطرے کا شبہ ہو جبکہ آگے کے حالات اور خطرناک ہو سکتے ہیں" ویسے مسٹر قطبی، مسٹر فرازی اور فیکان، اب ہم پانچ افراد رہ گئے ہیں، اور یہاں تک میں آپ کو ایک بار پھر حالات سے آگاہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، اچھی طرح سوچنے سمجھنے کے بعد فیصلہ کریں کہ آپ لوگ اپنے طور پر سنبھل سکیں گے تو نہیں، اعصاب کمزور تو نہیں ہو جائیں گے۔ سفر میں اب مشکلات کا آغاز ہو چلا ہے اور یہی دور زندگی اور موت سے ہمکنار ہو کر گزرے گا۔ اس وقت آپ لوگ بے یار و مددگار ذمہ دار قرار تو نہیں دیں گے کیونکہ کامیابی اور ناکامی دونوں ہمارے شریک ہیں۔ اور میں نے سفر پر جو پیش کش آپ لوگوں کو کی ہے، وہ اس وقت ان جنگلوں میں بھی برقرار ہے اگر آپ لوگ اس وقت بھی واپسی پسند کریں تو جا سکتے ہیں میری پیش کش آپ کے پاس محفوظ ہے اور آپ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"نہیں میرے دوست، ہم بہت سے خطرناک مراحل سے گزر چکے ہیں اور اس کے بعد یہ الفاظ ہمارے لئے مناسب نہیں ہیں۔ وہ کرائے کے ٹٹو تھے، بھاگ گئے، میں ان تمام الفاظ کی تصدیق اپنے دوست فیکان اور فرازی سے بھی چاہتا ہوں، میں نے اس سلسلے میں کچھ غلط کہا ہے فرازی۔"

"نہیں مسٹر قطبی، جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے ہمیں اتفاق ہے، لیکن ہم اس کو ... نہیں کر سکتے کہ ... مزدوروں کے انتخاب میں غلطی کی گئی۔"

"مزدوروں کا انتخاب میں نے کیا تھا اور ... اعتماد ... تو تم دیکھو گے کہ میں ان

کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں، لیکن بہرطور ہم سب انسان ہیں اور کہیں کسی مرحلے پر کسی سے بھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ کیا آپ لوگ اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ قطبی نے نرم انداز میں کہا اور اس کے لہجے کی نرمی نے فرازی اور فیکان کو ٹھنڈا کر دیا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو اس میں کوئی شک نہیں۔ انہوں نے بالآخر کہا۔ اس کے بعد بات ختم ہو گئی اور ہم نے آگے جانا شروع کر دیا۔ لیکن اب طبیعت میں پہلی جیسی بشاشت اور رعنائی نہیں رہی تھی۔ سارا دن سفر کیا کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ سوائے اس کے کہ علاقہ بدل جانے سے موسم کی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ سرد ہوا کے جھونکے بدن سے ٹکرانے لگے تھے اور یوں لگتا تھا کہ آگے موسم بتدریج سرد ہوتا چلا جائے گا۔

قطبی نے اس بدلے ہوئے موسم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "یوں لگتا ہے جیسے آگے کا علاقہ برفانی ہو۔"

"اتنے مختصر سفر میں اتنا بدلا ہوا موسم مل سکتا ہے، کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے۔" فرازی بولا۔

"سرزمین افریقہ۔ حیرتوں کی سرزمین ہے۔ یہاں کسی بات پر حیرت حماقت کے مترادف ہے۔ نہ جانے کیسے کیسے حالات سے واسطہ پڑے۔" قطبی نے جواب دیا۔ سفر جاری رہا۔ اندازہ درست تھا۔ جنگل ختم ہوتے جا رہے تھے اور وسیع میدان نظر آنے لگے تھے۔ پہاڑی ٹیلے تاحد نگاہ بکھرے ہوئے تھے اور ان کے اختتام پر برف پوش چوٹیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس سفر کی ساتویں رات ہم ایک برفانی علاقے میں گزار رہے تھے۔

ڈاکٹر فیکان سب سے زیادہ پریشان تھا۔ اس رات اس کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ ایک ٹیلے کے دامن میں ہم نے پڑاؤ ڈالا اور ضروریات زندگی سے فارغ ہو کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ قطبی نے کہا

"ابھی تک ہم اپنی منزل کی علامات نہیں پا سکے۔ یہ اندازہ تو لگایا جا سکتا ہے کہ ہم صحیح سمت سفر کر رہے ہیں یا منزل سے بھٹک رہے ہیں۔ صحرائے اعظم مختصر نہیں ہے کہ گھوم پھر کر واپس اس جگہ پہنچ جائیں گے جو ہمیں مطلوب ہے۔"

"ہم صحیح راستے پر ہیں۔" سلمان نے سکون سے کہا۔ وہ بے اختیار بول پڑا تھا۔

"تم کس بھروسے پر یہ بات کہہ رہے ہو؟" قطبی نے سوال کیا لیکن سلمان نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ "میں نے تم سے سوال کیا ہے سلمان۔"

"اوہ۔" سلمان چونک پڑا۔

"تم اس بھروسے پر یہ بات کیسے کہہ رہے ہو۔"

"کون سی بات۔؟" سلمان حیرت سے بولا۔

"یہی کہ ہم صحیح راستے پر ہیں۔"

"میں۔ میں نے کب کہی ہے یہ بات۔" سلمان تعجب سے ہماری شکلیں دیکھنے لگا۔ میں بوکھلا گیا تھا۔ سلمان کی کیفیت سے واقف تھا۔ وہ اپنی کیفیت میں گفتگو کرنے لگتا تھا لیکن دوسرے لوگ تو اس کیفیت سے واقف نہیں تھے۔

"کیا تم نے ابھی یہ جملے نہیں کہے۔!"

"مجھے علم نہیں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

قطبی فرازی اور فیکان عجیب سی نگاہوں سے سلمان کو دیکھنے لگے، پھر قطبی نے کہا۔

"اگر تم مذاق کر رہے ہو بیٹے تو میرا خیال ہے یہ وقت مذاق کیلئے موزوں نہیں ہے، ہم لوگ اتنے عجیب و غریب حالات کا شکار ہیں کہ کچھ کہہ نہیں سکتے، یہاں سے واپسی کا تصور بھی بڑا پریشان کن ہے۔ اگر ہم تینوں تمہارا ساتھ چھوڑنا بھی چاہیں تو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں، لیکن اگر صورت حال یہی رہی اور ہم اندھا سفر کرتے رہے تو پھر شاید ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہم اپنی منزل نہیں پا سکیں گے۔" قطبی نے کہا۔

"نہیں، مسٹر قطبی، دل چھوٹا کرنے کی ضرورت نہیں، یہاں تک آنے کے بعد ہمیں انہی تمام حالات سے دوچار ہونا تھا۔ ظاہر ہے صحرائے اعظم کا سفر معمولی بات نہیں تھی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن صورت حال اب ہمارے لئے کچھ عجیب سی ہو گئی ہے۔ آپ لوگ جس خاموشی اور سکون کے ساتھ سفر کر رہے ہیں وہ بھی حیرت انگیز ہے جبکہ منزل کا کوئی تعین نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا کیا جا سکتا ہے مسٹر قطبی۔" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، میں سب سے پہلے اس بات کا یقین چاہتا ہوں کہ ہم جس راستے پر سفر کر رہے ہیں وہ صحیح ہے یا نہیں۔"

"میں نے کہا نا ہم صحیح راستوں کی سمت سفر کر رہے ہیں۔" سلمان پھر بول اٹھا اور قطبی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی تم نے اس بات کی تردید کی تھی۔"

"لیکن اب میں کہتا ہوں کہ ہماری سمت درست ہے۔" سلمان نے کہا۔

"کیا نقشے کے مطابق تم اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو کہ ہماری سمت درست ہے۔" قطبی نے وہ نقشہ سامنے پھیلاتے ہوئے

کہا جو ہم لوگوں نے ترتیب دیا تھا۔

" ہاں، ہم سینڈی کی ترائیوں میں سفر کر رہے تھے زیادہ آگے چل کر پہاڑ ایک دیوار کی مانند ہو گا جس کے دوسری طرف جانے کے راستے مفقود ہو گئے۔ لیکن ان میں راستے ہیں اور ابھی راستوں سے گزر کر ہم اس پہاڑی دیوار کے دوسری طرف جا سکیں گے اور اس طرف پہنچ کر شاید اس طرف پہنچ کر ___ سلمان بے خودی کے عالم میں کہہ رہا تھا اور میری حالت خراب تھی۔ وہ لوگ اس سلسلے میں سوال کر سکتے تھے جن کا میرے یا سلمان کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔

" لیکن نقشے میں تو اس دیوار کی کوئی نشاندہی نہیں ہے۔"

" نہ ہو میں جو کہہ رہا ہوں۔ سلمان نے کہا۔

" تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو یہ بات ___"

" بس جو میں نے کہا اور جو آپ لوگوں نے سنا وہ مکمل ہے۔ اس کے بعد کسی سوال کی گنجائش نہیں۔ سلمان کے لہجے میں ایک عجیب سی متانت تھی۔ قطبی، فرازی اور فیکان اسے دیکھتے رہے لیکن ان کے چہروں کے تاثرات خوشگوار نہیں تھے۔

" یہ مطلق استفائی ہم میں سے کسی کو بھی پسند نہیں آئے گی۔ قطبی نے کہا۔

" دانستہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، سلمان نے برا سا منہ بنا کر کہا اور ہمارے پاس سے ہٹ گیا۔

" مسٹر بابر صاحب آپ سلمان کے اس رویے کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ قطبی نے مجھ سے سوال کیا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر قطبی کو خاموش رہنے کے لیے کہا اور پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

" نوجوان خون ہے، اس بات کی توجہ مت دو۔

" توجہ دینا ضروری ہے، آپ خود کو دیکھیں مسٹر بابر زندگی اتنی معمولی چیز تو نہیں ہے۔ جسے مفروضات پر قربان کر دیا جائے۔

" مگر مسٹر قطبی ان تمام باتوں کے بارے میں تو آپ پہلے بھی سوچ چکے تھے ___ " یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔ میں نے کسی قدر سرد لہجے میں کہا۔

" ہاں مگر ہمیں ایسے حالات کا علم نہیں تھا۔

" ہمیں بھی نہیں تھا۔

" اگر سلمان راستوں کے معاملے میں اتنے پر سکون ہیں تو ہمیں مطمئن کرنے کے لیے بھی کچھ کہیں ___"

" میں اسے مجبور نہیں کر سکتا۔

" یہ کچھ عدم تعاون کی بات ہوئی۔ قطبی نے ہونٹ سکیڑ کے کہا۔

" ممکن ہے آپ کو ایسا محسوس ہو رہا ہو۔ لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ میری گذارش ہے کہ آپ پر سکون رہیں۔ میں نے کہا اور قطبی چند لمحات میری صورت دیکھتا رہا پھر گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر بے اطمینانی محسوس کی تھی۔

اس رات کے قیام میں میں نے موقع پا کر سلمان سے گفتگو کی: " مجھے تمہارے رویے پر اعتراض ہے سلمان ___ اور سلمان چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

" میں نہیں سمجھا چچا جان۔

" حقیقت سے صرف میں اور تم واقف ہیں جبکہ دوسرے لوگوں کو ہم ایک مجبوری کہانی سنا کر لائے ہیں۔

" ہاں ___ یہ درست ہے۔

" ان لوگوں کا اطمینان بھی ضروری ہے۔

" کچھ عرض کروں چچا جان، آپ برا تو نہیں مانیں گے۔

" کہو۔"

" ان لوگوں کی موجودگی اب مجھے گراں گذرنے لگی ہے۔ بہتر ہوتا ہم اپنی اس مہم کا آغاز کسی اور طرح کرتے۔

" کیا مطلب ؟"

" مطلب یہ کہ ان لوگوں کا ساتھ صرف اس حد تک ہوتا کہ یہ ہمیں معقول معاوضے کے عوض یہاں پہنچا دیتے اور اس کے بعد ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہ رہتا۔ مجھے ان کے سوالات گراں گذرتے ہیں۔

" وہ تو ٹھیک ہے سلمان، لیکن یہ ممکن نہ ہوتا۔ اس طرح کوئی ہمارے ساتھ یہاں تک نہ آتا۔

" ان لوگوں کو اور بڑے معاوضے کی پیشکش کر دی جاتی۔

" خیر اب یہ بعد از وقت کی باتیں ہیں۔ ویسے میں محسوس کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی موجودگی غنیمت ہے۔

" ہاں اس شکل میں خواہ مخواہ کے سوالات کر کے ذہن کو پریشان نہ کریں۔

" تم ایک ایسی مہم پر نکلے ہو سلمان جو تمہارے لیے عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ تمہیں دماغ ٹھنڈا رکھنا ہو گا۔ ان لوگوں کو یہاں تک لے آئے ہو تو برداشت کرو۔ کوئی ایسی بات مت کرو جو ان کے لیے شبہ کا باعث ہو۔

" آپ یقین کریں میں جان بوجھ کر کوئی ایسی بات نہیں کرتا اگر وہ کوئی ایسی بات کر دیتے ہیں جو صحیح نہیں ہوتی تو میری زبان خود بخود بول پڑتی ہے۔ سلمان نے جواب دیا۔

" تمہارے خیال میں ہم صحیح راستے پر ہیں۔"

" وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو ___"

" یہ بات آپ جانتے ہیں چچا جان۔ میری راہنمائی کی جا رہی ہے۔ بہت سی نادیدہ قوتیں میری ہمسفر ہیں۔ یہ میرے اجداد کی روحیں ہیں جن کی نگاہ مجھ پر ہے۔

علوہ ___ میں خاموش ہو گیا۔ اس طلسمی حقیقت سے کم از کم میں انحراف نہیں کر سکتا تھا۔

صحراؤں کا سفر دوسرے روز شروع ہو گیا۔ پہاڑ، جنگل، وادیاں، خطرناک درندے جنگلی جانور۔ اس وقت ہم نے ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں گھنگھور چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ دیکھا کہ چٹانوں پر جا بجا کہیں کہیں درخت اگے ہوئے تھے۔

رات ہو گئی تھی ___ ہم آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔ قطبی، فرازی اور فیکان کا رویہ اب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ بد دل ہو گئے تھے تینوں نے ہم سے دور آرام کے لیے جگہ بنائی تھی۔

دفعتاً فرازی کے حلق سے ایک آواز نکل گئی ___ وہ ___ وہ کیا ہے۔ مخاطب کوئی نہیں تھا۔ لیکن ہم سب اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بہت دور فاصلے پر ہم نے ایک عجیب سی روشنی دیکھی تھی۔ آگ کے شعلے رات کی تاریکی میں چمک رہے تھے اور ان سے سفید دھواں بلند ہو رہا تھا۔ قطبی فرازی اور فیکان نے ابھی ہم سے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ میں اور سلمان بھی کھڑے ہوئے آگ کو دیکھتے رہے۔ تب میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

" ممکن ہے مقامی لوگ ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سیاحوں کی کوئی پارٹی ہو۔ میری اس بات کا سلمان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ قطبی، فرازی اور فیکان آپس میں کچھ گفتگو کر رہے تھے پھر قطبی نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

" کیا خیال ہے مسٹر بابر ___ کیا وہاں چل کے دیکھا جائے۔"

" مناسب تو نہیں ہے اگر وہ مقامی لوگ ہوں تو ہم ان کے بارے میں کیا کہہ سکتے ہیں کہ کس قسم کے لوگ ہیں اور ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔"

" اور اگر غیر مقامی ہوئے تو ___ ؟" قطبی نے سوال کیا۔

" تب بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ لوگ کون ہیں اور ان کا رویہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔

" ہم یہ خطرہ مول لینا چاہتے ہیں۔" قطبی بولا۔

" کیا مطلب ؟"

" مطلب یہ کہ ہم تینوں اس طرف جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں وہ کون ہیں اور وہاں کیا کر رہے ہیں ___ ؟"

" اصولی طور پر یہ مناسب نہیں ہو گا۔ مسٹر قطبی ___"

" میں کسی اصول کو نہیں مانتا۔ فیکان اور فرازی بھی اس سلسلے میں میرے ساتھ ہیں۔ اصول کی بات آپ نے توڑ دی ہے مسٹر بابر۔ یوں سمجھیے کہ اب ہمارے درمیان وہ مفاہمت نہیں رہی جو اب سے کچھ عرصے قبل تھی ___"

" اس کی وجہ جان سکتا ہوں ___ مسٹر قطبی ؟"

" تعجب ہے آپ سمجھدار انسان ہو کر یہ بات کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں صرف سیاہ فام غلاموں کی حیثیت دے دی جائے تو کیا ہم میں سے کوئی اسے قبول کرے گا ___" قطبی بولا۔

" نہیں ___ یہ بات نہیں ہے۔ آپ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ سیاہ فام غلاموں کی حیثیت کچھ اور ہے۔ آپ ہمارے دست و بازو ہیں ___"

" نہیں مسٹر بابر۔ سلمان صاحب کا رویہ اس بات کا مظہر نہیں ہے کہ وہ ہمیں اپنا ہم پلہ سمجھتے ہیں ___"

" بہر حال میں آپ کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے مناسب الفاظ نہیں پاتا۔ لیکن میری رائے ہے کہ کم از کم رات کی تاریکی میں آپ وہاں تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں ___"

" یہ صرف رائے ہے یا حکم۔ قطبی نے پوچھا۔

" میں نے کہا نا۔ صرف رائے ___" میں نے بھی کسی قدر خشک لہجے میں جواب دیا۔ قطبی کے رویے سے میں خود بھی جھنجھلا سا گیا تھا۔

" تو ٹھیک ہے رائے ماننا یا نہ ماننا ہماری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ ہم تینوں وہاں جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کیا صورت حال ہے آپ اگر چلنا چاہیں تو ہمارے ساتھ چلیں ورنہ جیسا آپ پسند کریں ___"

" جب آپ فیصلہ کر ہی چکے ہیں تو میں آپ کو روکنے کا حق نہیں رکھتا ___"

" ہم یہ ہتھیار ساتھ لیے جا رہے ہیں ممکن ہے ہمیں ان کی ضرورت پیش آ جائے ___"

" ٹھیک ہے ___ جیسا آپ مناسب سمجھیں ___" میں نے دل پر جبر کر کے کہا اور وہ تینوں اپنے ہتھیار اٹھا کر روشنی کی طرف چل پڑے ___ سلمان خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

" کوئی حرج نہیں ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے جو ہو رہا ہے ہونے دیا جائے ___" میں نے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔ وہ جیسے معمول وجدان کے عالم میں بول رہا تھا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا ___

"وہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے سوال کیا۔

"یہ ٹھیک ہے بیٹھ جانے دو انہیں تھوڑی دیر میں آ جائیں گے۔" میں نے جواب دیا اور سلمان خاموش ہو گیا۔

قطبی، فرازی اور فیکان تاریکی میں گم ہو گئے۔ شعلے اب بھی نظر آ رہے تھے لیکن ان کے اطراف میں کیا تھا، اس کا اندازہ وہاں سے نہیں ہو پا رہا تھا۔ میں تشویش زدہ نگاہوں سے ادھر دیکھتا رہا۔ سلمان بھی میرے پاس ہی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ بہت دیر گزر گئی بلکہ اب تک وہ لوگ اسے طے کر چکے ہوں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ لوگ کون ہیں حالانکہ قطبی، فرازی اور فیکان کا یہ انداز درست تو شاید میں خود بھی ان کے ساتھ اس جگہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا لیکن وہ لوگ جس رخ کا اختیار کر رہے تھے زیادہ بہتر تھا میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا کہ میں کیوں ان کو اس طرح اہمیت دوں۔ جیسا وہ مناسب سمجھیں کریں۔ ہم لوگ انتظار کرتے رہے۔ رات گزرتی رہی لیکن قطبی، فرازی اور فیکان واپس نہیں آئے۔ پھر غالباً آدھی رات گزر گئی۔ نہ جانے ان لوگوں پر کیا بیتی، ویسے فائرنگ وغیرہ کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ رات کے سناٹے میں اگر پتے چلنے کی آوازیں پیدا ہوتیں تو یہاں تک پہنچ جاتیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا لیکن اب اس سے زیادہ حماقت بھی مناسب نہیں تھی۔ میں نے سلمان سے سونے کے لیے کہا اور وہ اطمینان سے لیٹ گیا۔ وہ بے فکر نوجوان تھا اور اسے کسی چیز کی فکر نہیں تھی۔ رات گزرتی رہی اور بیٹھے ہی بیٹھے میں بھی نیند کی لپیٹ میں آ گیا۔

صبح کو اس وقت آنکھ کھلی جب قطبی میرا شانہ جھنجھوڑ رہا تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر رہ گیا۔ ہمارے اطراف میں چند سو افراد کھڑے ہوئے تھے۔ یہ سب جدید لباسوں میں ملبوس تھے۔ البتہ ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے۔ لباس بھی پھٹے میلے اور بوسیدہ ہو گئے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ طویل عرصے سے صحرائے اعظم کا سفر کر رہے ہیں اور خاصی پریشان حالی کے عالم میں سرگرداں رہے ہیں۔ ان کی داڑھیاں بڑھی ہوئی تھیں بال الجھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے کچھ وحشت اور تھکن نمایاں تھی لیکن ہوش و حواس میں درست تھے۔ ان میں سے ایک چوڑے شانوں والے شخص نے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے ایلڈرک کہتے ہیں۔ پروفیسر وان ایلڈرک، جرمن ہوں اور سیاحوں کی حیثیت سے صحرائے اعظم میں آیا تھا۔"

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر ایلڈرک۔" میں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد سلمان نے بھی ان سب سے مصافحہ کیا۔ فضا ٹھیک ٹھاک ہی تھی۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے ہم لوگوں کو کسی پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا۔

"مسٹر قطبی نے آپ کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں ہمیں آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔" ایلڈرک نے کہا۔

"شکریہ۔ شکریہ۔"

"ویسے میں اس ٹیم کا سربراہ ہوں اور میری ہی سربراہی میں یہ تمام لوگ صحرائے اعظم کے سفر پر نکلے تھے۔ ہم لوگ ہاتھی دانت کی تلاش میں یہاں آئے تھے۔ اس کے علاوہ اور بھی کچھ چیزیں ہمارے علم میں تھیں۔ ہاتھی دانت ہمیں ابھی خاصی مقدار میں مل گیا ہے لیکن اس کی باربرداری ہمارے لئے بڑی مشکل ہو گئی ہے۔ بڑا سست سفر ہو رہا ہے ہمارا، اور اس سفر میں خاصی مشکلات پیش آئیں۔ ہمیں مزید آدمیوں کی ضرورت تھی تاکہ ہماری افرادی قوت بڑھ سکے۔"

"ہاں۔ یقیناً ویسے کتنی مقدار میں ہاتھی دانت آپ نے حاصل کر لیا ہے۔"

"بہت کافی ہے۔ ہم نے صرف اتنا اپنے ساتھ لیا جتنا بار کر سکتے تھے۔ باقی ایک بہت بڑا ذخیرہ ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"

"ہاں۔ اس قسم کی چیزوں کو لاد کر لے جانا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے لیکن آپ نے اس بارے میں پہلے نہیں سوچا تھا؟"

"سوچا تھا اور بہت سارے انتظامات کر کے چلے تھے لیکن صحرائے اعظم کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے اور ہماری وہ سواریاں ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں جن کو ہم بڑے اعتماد سے اپنے ساتھ لائے تھے اور اس کے بعد بالآخر انہی دو پیروں پر تکیہ کرنا پڑا۔"

ایلڈرک بے حد خوش اخلاق اور ملنسار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ بڑی گفتگو کر رہا تھا۔ قطبی، فیکان اور فرازی بھی خوش نظر آ رہے تھے۔ یعنی اب ان کے چہرے پر وہ کیفیت نہیں تھی جو پہلے تھی۔ اور یہی بات مجھے شبے میں مبتلا کر رہی تھی۔ میں نے ان تمام افراد کو دیکھا کچھ جرمن تھے اور کچھ یورپ اور دوسرے علاقوں کے باشندے۔ ایک چوڑے شانوں والا پستہ قد بوڑھا شخص تھا جس کے خدوخال کسی قدر ایشیائی نظر آتے تھے لیکن بہرطور وہ بھی یورپی ہی معلوم تھا۔ نیلی آنکھوں اور مخصوص رنگ کی وجہ سے اسے یورپین ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ذرا چھوٹی سی عمر کا نوجوان آدمی تھا جس کے بال لمبے اور الجھے ہوئے تھے اور بری طرح بکھرے ہوئے تھے لیکن اس کا چہرہ نرم اور حلیم تھا۔ بدن پر بہت سارے لباس لادے ہوئے تھا۔ غالباً وہ سردی کا مریض تھا، ناک کا اگلا حصہ سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن خدوخال میں بے حد جاذبیت اور کشش تھی۔ یہ تمام افراد ہماری جانب نگراں تھے۔ میں نے انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کے پاس رسد کے کیا انتظامات ہیں۔ لیکن ہمارے پاس جو کچھ موجود ہے ہم بطور مہمان نوازی اسے آپ کی خدمت میں پیش کر سکتے ہیں۔"

"اگر کوئی ہرج نہ ہو تو جائیے ہم تو اس کا ذائقہ بھی بھول گئے ہیں۔" ایلڈرک نے کہا اور میں نے ہنستے ہوئے گردن ہلا دی۔

"اس سلسلے میں فرازی، قطبی اور فیکان ہی آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ قطبی اور فیکان نے گردن ہلائی اور دوستانہ انداز میں کافی تیار کرنے لگے۔ مجھے حیرت تھی کہ ان کا موڈ ایک دم کیسے بدل گیا ہے۔ اس سے قبل تو وہ بالکل عدم تعاون پر آمادہ تھے لیکن اب ان لوگوں کے ملنے کے بعد ان کے رویے میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ کافی تیار ہو گئی اور اس کی خوشبو فضا میں پھیلنے لگی۔

ایلڈرک نے کافی کی تین پیالیاں پی تھیں جتنی کافی تھی ایک ہی دور میں ختم ہو گئی لیکن ہم نے مہمانوں کی مدارات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ان لوگوں نے بڑی بے تکلفی سے کھایا پیا اور میرے دل میں تشویش کے آثار پیدا ہونے لگے۔ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر ہمارا ان کا ساتھ رہا تو دس دن کے بعد ہم لوگ بھوکے مرنے لگیں گے اور اس کے بعد یہ ویرانہ جنگل ہو جائے گا اور ہماری کہانی لیکن بہرطور کچھ کہہ نہ سکتا تھا۔ البتہ قطبی، فرازی اور فیکان کا انداز میرے لیے اب بھی پریشان کن تھا۔ میں ان لوگوں کے اچانک بدل جانے والے رویے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

میں نے اس سلسلے میں ابھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا لیکن میں جاننا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کا اپنا مزید کیا پروگرام ہے۔ تمام ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد ایلڈرک میرے نزدیک بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"آپ کے دوست نے مجھے اپنی مہم کے بارے میں تفصیلات بتائی ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کے ساتھی مزدور فرار ہو گئے اور آپ کا کافی سامان بھی لے گئے۔ بہرطور صحرائے اعظم میں ایسے ڈرامے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ہم لوگوں سے پوچھئے۔ ہم نے ایک طویل عرصہ ان جنگلوں میں گزارا ہے۔ کیسے کیسے بھیانک واقعات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ بہرطور میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں مسٹر بابر۔"

"ہاں ہاں ضرور۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسا منصوبہ ہے جس کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے تو کیا آپ کو مزید ساتھیوں کی ضرورت پیش نہیں آئے گی؟ میرا مطلب ہے مزدوروں کی جگہ جو فرار ہو گئے ہیں۔"

"اگر میں اس بات کا اقرار کر لوں تو پھر؟" میں نے سوال کیا۔

"تو ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ بالکل مزدوروں کی حیثیت سے بھی اور بہتر ساتھیوں کی حیثیت سے بھی۔"

"لیکن آپ کا اپنا مشن تو پورا ہو چکا ہے مسٹر ایلڈرک۔"

"نہیں، حسب توقع نہیں۔ آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں۔ ہم نے جو کچھ جمع کیا ہے اسے دیکھیں۔ چونکہ یہ نہ ہونے سے بہتر ہے لیکن ہماری یہ خواہش ہے کہ مزید کچھ حاصل کر لیں۔"

"مجھے اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ صحرائے اعظم کی دولت کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہے۔ میں تو مقدر والوں کا قائل ہوں، لکھا ہے آپ لوگوں کا ساتھ میرے لیے بہتر ہو۔"

"اگر یہ بات ہے تو آئیے پہلے یہ جگہ چھوڑ دیجیے اور وہاں چلیے جہاں ہم نے ہاتھی دانت ذخیرہ کر رکھا ہے۔"

"میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ سلمان اس دوران کچھ خاموش رہا تھا۔ وہ بہت کم میرے معاملات میں مداخلت کرتا تھا۔ ویسے میں جانتا تھا کہ اگر اسے مداخلت کرنی پڑتی تو وہ بے جھجک ایسا کرتا۔ چنانچہ میں ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔ قطبی، فرازی اور فیکان وغیرہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ہم سب دن بھر کا سفر کرتے ہوئے بالآخر اس جگہ پہنچ گئے جہاں ہم نے چھوٹی چھوٹی ڈھیریوں میں ہاتھی دانت کا ذخیرہ دیکھا۔ بہترین ہاتھی دانت تھا۔ یہ یقینی طور سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ چھوٹی چھوٹی ڈھیریاں بنائی تھیں اور یقیناً وہ ان ڈھیروں کو اپنے شانوں پر لاد کر چلتے ہوں گے۔

"دیکھیے یہ ہے وہ ذخیرہ جس کی قیمت مہذب دنیا میں کافی ہو گی لیکن اتنی بھی نہیں کہ ہم اسے اپنی زندگی پر تقسیم کر سکیں۔ ہم یہاں سے کوئی بھی ایسی چیز حاصل نہیں کر سکے جس کے ذریعے کہ مہذب دنیا میں پہنچیں تو ہمارا اپنا ایک الگ مقام بن جائے۔ ہم اپنے اس سفر کو نامکمل سمجھتے ہیں مسٹر بابر! چنانچہ اگر آپ کی وجہ سے ہمارا یہ سفر مکمل ہو جائے تو اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو گی۔"

"لیکن آپ لوگ کیا مزید صعوبتیں اٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ میرا مطلب ہے آپ جو سفر کر کے یہاں تک پہنچے ہیں اسے پھر دوبارہ طے کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟"

"یقیناً ظاہر ہے ہمارا مقصد یہی تھا اور انسان کی فکر اس کا خاص زیور تو وہ بدل ہو جاتا ہے اور ہم سب بدل رہے ہیں۔"

"آپ کے تمام ساتھی اس کے لیے تیار ہیں؟"

"سو فیصدی۔ ہم میں سے کوئی بھی اس سے منحرف نہیں ہے۔"

"مگر اس ذخیرے کا کیا کیا جائے گا؟"

"اسے ہم کہیں کسی پہاڑی غار میں پوشیدہ کر دیں گے اور اگر ہم کوئی ایسی شے دریافت کرنے میں کامیاب ہو گئے جو اس ذخیرے سے کہیں زیادہ قیمتی ہو تو پھر اس طرف کا رخ نہیں کریں گے بلکہ پھر سیدھا اس کا بندوبست کریں گے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو سکا تو پھر اسے

اپنے خاندانوں کی طرح وہ دونوں سردار کے عزیزوں میں بھی کسی شخص کا وجود نہیں ہے۔ اگر یہ تمام باتیں غلط ہیں تو تم مجھے جھوٹا کہہ سکتے ہو اور اگر یہ تمام باتیں سچ ہیں اور مجھے یقین ہے پھر تمہارے لوگوں کو ان سب تمام باتوں کا علم ہے تو یہ لوگ کیا بتائیں، یہ مصدقہ تمہارے ساتھیوں سے کہیں بہتر ہوں گی۔ سو تم ان پر بھروسہ کیوں کر رہے ہو یہ لوگ ان کی آہستہ سے گردن جھکانے لگا۔

"معقول بات ہے۔ پھر تم مجھ کو کچھ بتاؤ کہ یہ سب کیسے ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن میرے دوست منصور کیا ہے؟"

"منصور یہ ہے کہ یہاں سے تم لوگ دونوں جاؤ اور کسی مناسب جگہ وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں۔ وہ تمہارے ہتھیاروں سے خوفزدہ ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ تم دونوں طاقت ور اور بہترین ذہانت کے مالک ہو۔ اس لیے وہ تمہیں دھوکہ دے کر قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے آدمیوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔ یہ تمام لوگ صحرائے اعظم میں بری طرح اکتا چکے ہیں۔ اگر اتنا عرصہ گزارنے کے بعد بھی یہ لوگ اچھے طریقے سے نہ رہ سکے تو یہ واپسی کی نہ ٹھانتے۔ جب تمہارے ساتھیوں نے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر ممکن ہو سکے تو وہ ان کا ساتھ دیں اور خزانہ حاصل کرنے میں ان کی مدد کریں۔ خزانہ حاصل ہو جائے تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے اور وہ سب آپس میں یہ خزانہ تقسیم کر لیں۔ تمہارے ساتھیوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ ہر قیمت پر وطن واپس جانا چاہتے ہیں۔ وہ صحرائے اعظم میں خزانوں کی تلاش بہت زیادہ مشکل کام نہیں ہے اور وہ خود بھی یہ سب کچھ کر سکتے تھے۔ اور انہوں نے اسی لیے ہاتھی دانت پر اکتفا کیا ہے جیسے ہاتھی دانت کے علاوہ ان لوگوں کے پاس بہت سا سونا بھی ہے۔ جو ان لوگوں نے بڑی احتیاط سے چھپا رکھا ہے۔ جب وہ خزانے کے لیے تیار نہ ہوئے تو تمہارے ساتھیوں نے انہیں پیش کش کی کہ وہ خود بھی ان کے ساتھ نکل جانا چاہتے ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں ایک بڑی دولت جو تم دونوں کی ہے حاصل کرنے کے بعد آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور تم واپس اس سرزمین سے نہ پہنچ سکو۔"

ہمارے ساتھی ان تینوں کی اس بات پر رضامند ہو گئے ہیں اور انہوں نے ان تینوں سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور فیصلہ کر لیا ہے کہ یہاں سے واپس جانے کے وقت تم دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ تمہارے تینوں ساتھی منتظر ہیں۔ کیونکہ یہی لوگ تمہاری اس دولت کی نشاندہی کر سکتے ہیں جو تم ہو بہو چاہتے ہو۔ میں اور سلمان سکتے کے عالم میں رہ گئے تھے۔ جو کچھ اس نوجوان نے بتایا تھا اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اگر یہ تمام باتیں ان لوگوں کے سامنے نہ کی جاتیں تو انہیں کیسے معلوم ہوتا کہ سلمان نے زبردستی خاموشی اختیار کی تھی؟ "ان لوگوں کو ان کی اس سازش کا جواب دینا چاہیے۔"

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کے منصوبوں میں گڑبڑ کر دی جائے۔" سلمان غضبناک ہو گیا۔

"خود کو قابو میں رکھو سلمان۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہو گا۔"

"تو پھر ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔"

"نہیں یہ بھی اتنا آسان نہیں ہے۔ ہم بچے نہیں۔ اگر یہ بات ہمارے علم میں نہ بھی آتی تو ہم آسانی سے ان کے شکار نہیں بن سکتے تھے۔ اس میں سے آدمی کم ہو جاتے۔"

"کیا ایسے غداروں کو سزا دینا مناسب نہیں ہے۔" سلمان کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

"نہیں ہم ان میں سے کسی ایک کو بھی نقصان پہنچانے کا حق نہیں رکھتے۔ دنیا کا قانون یہاں لاگو نہیں ہے لیکن انسانیت کا قانون ہر انسان کے رگ و پے میں ہوتا ہے۔"

"یہ قانون انہوں نے توڑا ہے۔"

"وہ ان کا فعل تھا۔ ہمارا ضمیر ہمیں اس کی اجازت نہیں دے گا۔" لیکن اس بات پر مجھے بھی غصہ آ گیا۔

"ٹھیک ہے، لیکن اس کے بعد نہیں جو کچھ کرنا ہے خود کریں گے۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔" میں نے کہا اور سلمان چونک پڑا۔ وہ چند لمحات خاموش رہا پھر آہستہ سے بولا۔

"سوری چچا جان۔"

"ہاں دوست اب تم بتاؤ کیا نام ہے تمہارا؟"

"ہیزل ہرسٹ۔"

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو اور یہ قیمتی اطلاع تم نے ہمیں کیوں دی ہے؟"

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے اور پروفیسر رازی کو اپنی پناہ میں لے لیں۔"

"پروفیسر رازی کون ہیں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"وہ بزرگ جاپانی ہیں۔ میں ان کی کہانی بعد میں سناؤں گا۔"

"کہاں ہیں وہ؟" میں نے پوچھا۔

"اس طرف سوئے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر تم چاہو تو میں اسی وقت انہیں جگا لاؤں گا۔"

"تمہارا نام ہیزل ہرسٹ ہے۔ جب کہ پروفیسر رازی کسی ایشیائی ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ تمہارا آپس میں کیا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی تعلق نہیں۔ صرف انسانی رشتوں کی بات کر رہا ہوں۔ اسی انسانی رشتے کے تحت پروفیسر رازی میرے لیے بہت زیادہ اہمیت

رکھتے ہیں۔ کیونکہ میں تقریباً سولہ سال سے ان کے ساتھ ہوں۔"

"سولہ سال سے؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"گویا۔ گویا پروفیسر رازی تمہارے ہم وطن ہیں۔ میرا مطلب ہے وہ تمہارے ساتھ ہی رہتے تھے؟"

"نہیں یہ بات نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"شاید تم اس پر یقین نہ کرو۔"

"ایسی کیا بات ہے جو یقین کے قابل نہیں ہے۔ میں جن حالات سے گزر رہا ہوں، اس کے تحت مجھے ناممکن بات پر بھی یقین آ جاتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تو سنو میں سولہ سال صحرائے اعظم افریقہ میں گزار چکا ہوں۔" ہیزل ہرسٹ نے جواب دیا۔

"سولہ سال صحرائے اعظم افریقہ میں۔ تمہاری عمر کیا ہے؟"

"تقریباً بائیس سال۔"

"گویا تم چھ سال کے تھے جب تم افریقہ میں آئے۔"

"ہاں۔ اور یہاں عجیب و غریب حالات کا شکار رہا۔ تم میری کہانی سنو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔"

"تو کیا تم یہاں اکیلے تھے؟"

"نہیں۔ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ تھا میرا مطلب ہے۔ میرے والد، ماں اور دو بھائی۔ یہ بھی میرے ساتھ تھے۔ لیکن وہ سب آہستہ آہستہ لقمۂ اجل ہو گئے۔ صرف میں بچ گیا۔"

"تب تو تمہیں صحرائے اعظم کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل ہوں گی۔"

"یہ ساری باتیں تم ابھی کیوں پوچھ رہے ہو۔ وقت آنے پر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے اپنے بچاؤ کا بندوبست کرو۔"

"ہیزل ہرسٹ! کیا پروفیسر رازی ان لوگوں سے عدم تعاون کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ انہیں چھوڑ کر ہمارا ساتھ دیں۔"

"ہاں۔ میں نے کہا نا۔ وہ خود بھی بہت اچھے انسان ہیں اور کسی بھی طور تمہارے ساتھ ہونے والی غداری کو پسند نہیں کریں گے۔ اگر ہم انہیں صورت حال بتائیں تو وہ سو فیصدی ہمارا ہی ساتھ دیں گے اور پھر پروفیسر رازی ایک ایسی شخصیت ہیں کہ تم تصور نہیں کر سکتے۔"

"صرف ایک سوال کا جواب اور دے دو ہیزل۔"

"بعد میں چھوڑو وہ بھی پوچھو۔" ہیزل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم اس ٹولی میں کیسے شامل ہوئے؟"

"تشدد کے ذریعے۔ ان لوگوں نے ہمیں اپنا غلام بنا لیا ہے۔ ہم ان کے لیے بار برداری کے فرائض انجام کا کام دے رہے ہیں۔ ایک طرح سے۔ ہر چند کہ ہم نے اپنے حالات کے تحت ان کے کسی بھی کام کے لیے انکار نہیں کیا کیونکہ ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ہم ان کی کسی بات سے انحراف کریں گے تو یہ ہمیں ہلاک کر دیں گے۔ ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ہم بھی مہذب دنیا میں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن اب جب ہمیں یہ موقع مل رہا ہے تو ہم ایسے وحشی لوگوں کا ساتھ کیوں دیں۔"

"گویا تم لوگ مہذب دنیا میں نہیں جانا چاہتے؟"

"یہ بات بھی نہیں ہے لیکن مجھے کیا اعتماد کہ یہ لوگ ہمیں مہذب دنیا تک لے جانے کا باعث بن سکتے ہیں یا نہیں۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن تم خود خواہش مند ہو اس بات کے کہ صحرا سے نکل کر مہذب دنیا تک پہنچ جاؤ۔"

"ہاں۔ خلوص دل سے۔ میں تو عرصے سے اس سلسلے میں سوچ رہا تھا۔"

"ہوں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ تم نے چھ سال کی عمر سے صحرائے اعظم افریقہ میں زندگی بسر کی ہے۔ اور اس کے باوجود تم کافی مہذب ہو۔"

"میں نے کہا نا میری کہانی بہت عجیب ہے۔ سنو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ میں اپنے والدین سے بخوبی واقف ہوں ان کے تمام آداب جانتا ہوں۔"

"واقعی حیرت انگیز بات ہے۔ بہرطور ہیزل! ہم تمہاری ہدایات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"سب سے پہلے یہاں سے دور نکلنے کی کوشش۔ ان لوگوں سے دور نکل جانے کا بندوبست۔" ہیزل نے جواب دیا۔ سلمان نے ادھر ادھر دیکھا اور سانس لے کر بیٹھ گیا۔ لیکن میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ خود ہیزل بھی اس بات سے متفق تھا کہ سلمان بیٹھے رہیں۔

"پہلے کوئی فیصلہ کر لیا جائے، اس کے بعد ہم اس پر عمل کریں گے۔ اس سے قبل ان لوگوں کو ہوشیار کرنا ان کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔"

"میں کچھ اور چاہتا ہوں چچا جان!" سلمان نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"یہ سب کے سب بے خبر سو رہے ہیں۔ کیوں نہ ان کے ہتھیار ہم اپنے قبضے میں لے لیں۔"

"سلمان یہ اتنا آسان نہیں ہو گا۔ بہرطور وہ خود بھی بچے نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن اگر اس سلسلے میں کوئی لغزش ہو تو ہم برتر حال

"تو آپ کے علم میں آ چکا ہے۔ جب وہ لوگ غدار ہیں تو پھر ہمیں انہیں ہلاک کرنے میں کیا عار ہو سکتا ہے۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے، ہتھیار بھی حاصل کر لیں گے۔ پہلے تم یہ فیصلہ کر لو کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"جب آپ انہیں قتل نہیں کرنا چاہتے ہیں پروفیسر، تو پھر ایک ہی ترکیب ہے اور وہ یہ کہ ہم ان کے ہتھیار اپنے قبضے میں لیں اور یہاں سے نکل چلیں۔ مسٹر ہیزل کو ساتھ لے لیں اور پروفیسر رازی کو بھی جن کے بارے میں مسٹر ہیزل نے ہمیں بتایا ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن یہاں سے کتنی دور جاؤ گے۔ میرا مقصد ہے یہ لوگ ہمارا تعاقب کریں گے ہم لوگ بہت زیادہ لمبا سفر تو نہیں کر سکتے۔"

"میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔" ہیزل نے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہاں سے بہت زیادہ دور نہیں جائیں گے ہم لوگ جس جگہ ہم نے قیام کیا تھا وہاں سے بائیں سمت بہت مختصر سے فاصلے پر غاروں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ چٹانیں جو سامنے نظر آ رہی ہیں۔ ان کے کچھ حصوں میں غار ہیں۔ پہلے ہم ان میں سے کسی غار میں پناہ لے لیں۔ انہیں غلط راہ پر ڈالنے کے لیے ہم کچھ ایسے نشانات چھوڑ دیں گے جن سے انہیں یہ احساس ہو کہ ہم اس سمت نکل گئے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان غاروں میں پناہ لیں گے اور انتظار کریں گے کہ یہ لوگ یہاں سے دور نکل جائیں۔"

"ہیزل کی تجویز کافی حد تک درست ہے۔ میرے خیال میں ہمیں یہ تجویز مان لینی چاہیے۔" میں نے کہا۔ سلمان خاموش ہو گیا۔ وہ ان لوگوں کو قتل کرنے کے حق میں تھا۔ وہ جوان آدمی تھا لیکن میں کم از کم بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتارنا چاہتا تھا اور پھر وہ کتنے ہی برے ہوں، وہ ہم سے سازش کر چکے تھے۔ لیکن کیا ضروری تھا کہ ہم ان کی یہ حرکت دہراتے۔ ہم اپنے تحفظ کے لیے ان لوگوں کو نظر انداز کر کے اپنے کام کے لیے نکل سکتے ہیں۔ پھر طے ہو گیا کہ ہم ... کوئی ایسا ... نہیں تھا اور اس طرح کی کارروائی کے لیے تیار نہیں تھا۔ سلمان کی دوسری بات تھی۔ وہ جذباتی نوجوان تھا اور اس بات پر بہت زیادہ مشتعل تھا کہ ان لوگوں نے ہمارے خلاف کوئی سازش کی ہے۔

پھر طے ہو گیا ... [illegible] ... سلمان اور ... [illegible] ... ہتھیار حاصل کر لیں۔ ہتھیار حاصل کرنے کی بات ... [illegible] ... کم از کم ہتھیار ان سے ... [illegible] ...

ہیزل نے مجھے پروفیسر رازی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ پروفیسر رازی ایک ... [illegible] ... جگہ سے ... [illegible] ...

چٹان کے پاس پہنچ گیا اور پروفیسر رازی کے نزدیک لیٹ گیا۔ میں نے اسے آہستہ آہستہ جھنجھوڑا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر کسی قدر بوکھلائے سے انداز میں بولا۔

"کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"پروفیسر رازی براہ کرم خود کو سنبھالیے۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو۔ میں خود کو سنبھالے ہوئے ہوں، پہلے نیند کے عالم میں تھا لیکن اب جاگ گیا ہوں۔"

"پروفیسر رازی آپ ہیزل ہیوٹ کو جانتے ہیں؟"

"ہیزل۔ ہاں ہاں کیوں نہیں کیوں نہیں۔ کیا ہوا اسے؟" پروفیسر رازی کے لہجے میں بے پناہ محبت تھی۔

"کچھ نہیں ہوا اسے۔ اس نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔ اس کی تجویز ہے کہ ہم سب لوگ یہاں سے نکل چلیں۔ میرا مقصد ہے میں، سلمان، آپ اور ہیزل کیونکہ ان لوگوں نے ہمارے قتل کا پروگرام بنایا ہے۔"

"اوہ ہیزل نے تمہیں تفصیلات بتا دیں۔ چلو اچھا ہی کیا۔ میں نے اسے یہی مشورہ دیا تھا۔ میں نے اس سے یہی کہا تھا۔"

"ہاں ہیزل نے مجھے بتایا ہے۔"

"تو تم ہیزل کی بات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں، ... ہمارا مقصد ہے پروفیسر، میرا ساتھی تو ان لوگوں کو قتل کر دینا چاہتا ہے لیکن میں قتل و غارت گری پسند نہیں کرتا۔"

"ٹھیک ہے بیٹے وہ سخت لوگ ہیں اور اگر ہم ان کی دسترس سے دور نہ نکل گئے تو یہ ہمیں ہرحال ہلاک کر دیں گے۔ تم جلدی سے تیاری کر لو کہ یہاں سے نکل چلیں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔

"جی ہاں، یہاں سے نکلنے کی تیاری کر چکے ہیں ہم لوگ۔" "میں تو ... مجھے بتاؤ میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" پروفیسر رازی بولا۔

"کچھ نہیں آپ تیار رہیں۔ بس تھوڑی دیر کے بعد ہم یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں۔"

"میں تیار ہوں" پروفیسر رازی نے جواب دیا۔ میری نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں جہاں سلمان اور ہیزل اپنا کام انجام دینے کے لیے گئے تھے۔ میں نے انہیں بڑی خاموشی کے ساتھ رائفلیں اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اب صرف پستول رہ گئے تھے جو ان لوگوں کے لباسوں میں تھے یا پھر کارتوس جو ان کے لباسوں میں پوشیدہ تھے۔ ... [illegible] ... اصل چیز رائفلیں تھیں جن کو کارتوسوں کی پیٹیاں ... کے پاس ہی رکھی ہوئی تھیں۔ سلمان اور ہیزل وہ چیزیں بڑی احتیاط سے اٹھا لائے۔ اور انہوں نے سلمان ... چیزیں ... کر ساتھ رکھ دیا۔

پروفیسر رازی بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ لوگ ابھی بھی گہری نیند سو رہے تھے۔ سلمان آہستہ سے بولا۔

"ان کے پاس پستول رہ گئے ہیں اگر ہم پستول ان کے لباسوں سے نکالنے کی کوشش کریں تو یقینی طور پر وہ جاگ جائیں گے۔ چنانچہ اب اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ پستول اپنی جگہ ہیں، پستولوں سے وہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی ہم کوشش کریں گے کہ دوبارہ ان کے نزدیک نہ پہنچ پائیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میرے خیال میں اب یہاں رکنا مناسب نہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ ہیزل تم یوں کرو کہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے اس بلندی سے نیچے اتر چلو۔ پھر ہم وہاں سے بڑھتے ہوئے اس جگہ پہنچ جائیں گے جس کی نشان دہی تم نے کی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن خوراک کا سامان۔"

"وہ سامان بھی ہم لے لیتے ہیں۔ میرا مقصد ہے کہ وہی سامان ہم لے سکیں گے جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ باقی لوگوں کا سامان ہے ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو اس کا اٹھانا بھی اسی طرح مشکل ہے جس طرح پستول حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ پہلے تم لوگوں کے ساتھ چلوں یا پہلے وہ نشان بنا دوں جن سے وہ لوگ غلط راستوں پر چل پڑیں۔"

"میرا خیال ہے کہ ہم پہلے یہ نشان بنا دیتے ہیں۔ اس کے بعد گھومتے ہوئے اس جگہ پہنچ جائیں گے۔" ہیزل نے مشورہ دیا اور میں نے اس کے اس مشورے سے بھی اتفاق کیا۔ اس کے بعد ہم نے سامان کے تھیلے اپنے جسموں سے باندھے اور پھر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے نیچے ڈھلوانوں میں اترنے لگے۔ ہم اتنی احتیاط سے ڈھلوان سے اتر رہے تھے کہ ہمارے پاؤں کے نیچے سے کوئی پتھر لڑھک کر نہ جائے تاکہ یہ لوگ ہوشیار نہ ہو جائیں۔ بہرحال کسی کو قتل کرنا مناسب نہیں تھا۔ جیسے میں نے ہیزل اور پروفیسر رازی کو بھی ایک ایک رائفل اور کارتوس کی پیٹی دے دی تھی۔ ایک رائفل ہمارے پاس بچ گئی تھی جسے سلمان نے اپنے دوسرے شانے سے لٹکا لیا تھا۔

ہم لوگ نیچے اترتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد اتنے فاصلے پر پہنچ گئے کہ وہاں سے ہماری باتوں کی آواز نہ سنی جا سکے۔ اس کے بعد سلمان نے سب سے پہلے کچھ چیزیں راہ میں گرا دیں۔ اس کے بعد کچھ اور آگے بڑھ کر ایک آدھ چیز اور نیچے گرا دی۔ مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ اس راستے پر چل پڑیں اور یہ سوچیں کہ ہم نے اسی راہ سے سفر کیا ہے۔ یہ چیزیں ایسی تھیں کہ ان کے بارے میں دوسرا شبہ ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم انہیں یہاں ... گرا گئے ہیں۔ کافی دور تک ہم اسی قسم کے نشانات چھوڑتے چلے گئے جو ہمارے نشانات بھی تھے اور پھر وہ چیزیں

بھی۔ مثلاً خشک دودھ کا ایک ڈبہ توڑ دیا گیا تھا اور دودھ کے ذرے سے دودھ گر رہا ہے اور ہم لوگ اسی سمت گئے ہیں۔

جب دودھ کا پورا ڈبہ خالی ہو گیا تو ہم نے دوبارہ کا سفر ملتوی کر دیا اور پھر بڑی احتیاط سے ایک لمبا چکر کاٹ کر ہیزل کے بتائے ہوئے راستے پر اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت بڑی چٹان کی آڑ میں ہیزل نے ایک غار کی جانب اشارہ کیا اور کہنے لگا۔

"یہ غار اتفاق سے میں نے دیکھا تھا۔ ان لوگوں کو اس کے بارے میں پتہ نہیں ہے۔ میرے خیال میں ہم لوگوں کو اپنا تمام سامان اس میں منتقل کر دینا چاہیے۔ یہاں اور بھی چند غار ہیں۔"

"مگر ان لوگوں کے ساتھ تھے تم تو۔ تمہیں ان غاروں کے بارے میں کیسے علم ہو گیا؟"

"میں یہاں تنہا رہا تھا۔ ہمارا ... یونہی آوارہ گردی کے لیے نکل پڑا تھا۔ تب میں نے یہاں غار دیکھے تھے لیکن میں نے کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔"

"کیوں؟"

"بس اس نہ بتانے میں کوئی بات نہیں تھی۔ اتفاق تھا، کیا ذکر کرتا ان سے۔"

"گویا اتفاق سے خیال میں یہ محفوظ ہیں۔"

"یقیناً۔ میرا دعویٰ ہے کہ ان کی توجہ اس طرف نہ ہو گی۔ وہ یہی سوچیں گے کہ ہم لوگ جلد سے جلد یہاں سے دور نکل گئے ویسے انہیں اس بات کا اندازہ تو ہو جائے گا کہ تمہیں ہوشیار کرنے کا ذریعہ میں بنا ہوں اور پروفیسر رازی، وہ یہ سوچیں گے کہ تم صورتحال سے آگاہ ہو گئے ہو گے۔ اس کے بعد یا تو وہ ہماری تلاش میں دوڑ پڑیں گے یا پھر اپنا راستہ اختیار کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم نے اپنا سامان اس غار میں منتقل کر دیا۔ چٹانوں میں چھوٹے چھوٹے اور کئی غار تھے چنانچہ میں اور پروفیسر رازی ایک غار میں چلے گئے۔ ہیزل اور سلمان دوسرے غار میں پوشیدہ ہو گئے تھے۔ یہاں ہم رات گزرنے کا انتظار کرنے لگے۔ پروفیسر رازی خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ چونکہ ہم جاگ رہے تھے۔ اس لیے میں نے پروفیسر رازی سے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"پروفیسر رازی آپ بھی وہ داستان سن چکے ہیں جو ہیزل نے مجھے سنائی ہے؟"

"یقیناً اس نے تمہیں اس سازش کے بارے میں بتایا ہو گا جو تمہارے آدمی تمہارے خلاف کر رہے تھے۔"

"ہاں۔ ویسے پروفیسر رازی آپ کو اس دور میں کس چیز پر مجبور کرنا پڑا

"ہم سب کا دن اسی علاقے میں قربان کر دیں؟"

"میرے دل کی بات چھین لی ہے تم نے۔ نہایت مناسب خیال ہے۔ یہ جگہ جانے بے مقصود ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "پھر کوئی خاص بات نہیں۔ بیزار سب لڑکیوں کی طرح کام کر رہی تھی۔ اس نے زیادہ وقت غاروں میں گزارا تھا۔ رات کو اس نے ایک تنہا غار ہی منتخب کیا۔ سلطان کو میں کچھ نہ بتا سکا تھا۔ وہ لڑکیوں کی دنیا کا انسان نہیں تھا۔ اس لیے مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

ہم تینوں ایک غار میں بیٹھے تھے۔ سارا دن ہم نے اطراف میں نگاہ رکھی تھی لیکن کسی انسان کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس سے ہم نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ وہ لوگ دور نکل گئے اور اب ان کی اس طرف واپسی ممکن نہیں تھی۔ رات کو پروفیسر رازی سے اس موضوع پر دوبارہ گفتگو چھڑ گئی۔

"آپ نے ہماری وجہ سے ہی مہم ادھوری چھوڑ دی پروفیسر! اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنا پروگرام بتاؤ۔ اگر تم راستہ بھٹک گئے ہو تو ممکن ہے میں تمہاری رہنمائی کر دوں۔"

"دن کی روشنی میں تم یہ نقشہ دیکھ سکتے ہو پروفیسر! یہ ہماری خوش بختی ہو گی اگر تم ہماری رہنمائی کرو۔"

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں دوست۔"

"ہاں کہو۔"

"صحرائے اعظم موت کی بستی ہے۔ خزانے پرکشش ضرور ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا حصول آسان نہیں ہے۔ موت اتنی مہلت نہیں دیتی کہ ان کے حصول کے بعد تم اس سے فائدہ اٹھا سکو۔ بہت سی کہانیاں ہیں اس کے بارے میں۔"

"اس کے باوجود پروفیسر! ہم اپنی مہم جاری رکھنا چاہتے ہیں۔"

"وہ علاقہ کون سا ہے جہاں تم جانا چاہتے ہو؟" پروفیسر نے پوچھا۔ اور میں اسے تفصیل بتانے لگا۔ پروفیسر ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ جب میں خاموش ہوا تو اس نے کہا۔

"تمہیں اس جگہ کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"

"یہ ایک راز ہے پروفیسر۔"

"میں تم سے تمہارا کوئی راز نہیں پوچھوں گا۔ لیکن اس علاقے میں [illegible] اگر میرے تجربات سے فائدہ اٹھا سکو تو مجھے خوشی ہو گی۔ اس علاقے میں قسمت نے [illegible] میں اس کے آس پاس ہی رہا ہوں۔ وہ ایمپرا کی بستی ہے۔ اس کی حکومت اور طلسم [illegible]

پروفیسر کی زبان سے ایمپرا کا نام سن کر ہماری عجیب کیفیت ہو گئی تھی۔ خاص طور سے سلطان کے انداز میں بہت بے چینی نمودار ہو گئی۔ میں نے اسے سلطان کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اسے پُرسکون رہنے کی تلقین کی۔

"ایمپرا۔ یہ کیا ہے؟" میں نے اجنبی بن کر پوچھا۔

"صحرائے اعظم کی ایک عظیم جادوگرنی جس کی حکومت دور دراز علاقوں پر ہے۔ وہ ایک عظیم ساحرہ ہے اور تمہیں یقیناً حیرت ہو گی کہ وہ ہزاروں سال سے زندہ ہے۔ اور اس کی حکومت کے دائرے میں بسنے والے افریقہ کے تمام علاقوں سے کہیں مختلف ہیں۔ کمالی بھی اس کی حکومت کا ایک حصہ ہے۔"

"کمالی؟"

"ہاں، وہ قبیلہ جہاں میں نے زندگی گزاری ہے۔ یہاں ترشانا خاندان کی حکومت ہے۔ یہ قبیلہ بیدو کہلاتا ہے۔ ایمپرا کی حکومت دور دور تک ہے اور اس کے باجگزار ان چھوٹے علاقوں کے حکمران ہیں۔ ان کا انتخاب وہ خود کرتی ہے۔ قومیں بتا رہا تھا کہ وہ ہزاروں سال سے زندہ ہے اور اس کا صحرائی علاقوں پر تسلط ہے۔ ہزاروں میل کے علاقوں میں آباد قبائل اس کے باجگزار ہیں اور اسے پوجتے ہیں۔ وہ ان کے لیے دیوتا ہے اور کوئی کبھی بھی اس کے احکامات سے انحراف نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ہر بات سے باخبر رہتی ہے۔ ان علاقوں میں اگر کوئی اس سے منحرف ہے تو صرف مالا کا زونگا۔ وہ اس کی برتری قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ خود بھی بہت بڑا جادوگر ہے۔ اور اس کے قبضے میں کچھ ایسی قوتیں ہیں جن پر ایمپرا کا زور نہیں چلتا۔ لیکن مالا کا زونگا کوئی قبیلہ آباد نہیں کر سکا۔ لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور وہ پہاڑوں میں رہتا ہے۔"

میں حیرت اور دلچسپی سے پروفیسر رازی کے انکشافات سن رہا تھا۔ سلطان کی آنکھوں میں بھی حیرت کے آثار تھے۔ رازی خاموش ہوا تو میں نے پوچھا۔

"مالا کا زونگا کا ٹھکانہ کہاں ہے؟"

"بھٹکتا رہتا ہے۔ کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے اس کی۔"

"اگر کوئی اسے تلاش کرنا چاہے تو؟"

"ناممکن ہے۔ اتفاقیہ ہی کسی کو نظر آتا ہے۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی۔ پھر میں نے کہا۔

"تمہارا تعلق ترشانا قبیلے سے ہے پروفیسر! کیا تمہیں اس بات پر یقین ہے کہ ایمپرا ہزاروں سال سے زندہ ہے؟"

رازی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔ "زندگی کا ایک طویل دور میں نے اس بستی کے غاروں میں گزارا تھا۔ پہلے یہ بات مجھے تسلیم ہی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن میرے دوست وقت [illegible] یہاں اس کے

اسرار چھپے ہوئے ہیں۔ یہ جادوگری ہے کسی سمت دیکھو عجیب و غریب دنیا پھیلی نظر آئے گی۔ اور آخر مجھے بھی تسلیم کرنا پڑا۔"

"گویا تم اس کی طرف داری تسلیم کر چکے ہو؟"

"ہاں یہ ٹھوس حقیقت ہے۔"

"تم نے ایمپرا کو دیکھا ہے پروفیسر؟"

"صرف ایک بار۔ اگر حقیقت پسند نہ ہوتا تو پاگل ہو جاتا۔"

"کیوں؟"

"اس کا حسن و جمال بے مثال ہے۔ حسن و رعنائی کا اگر کوئی انتہائی تصور ہے تو وہ اس سے کہیں آگے ہے۔ عورت کا وجود اس کی ذات میں مکمل ہے۔ پاگل کر دینے والا سحر ہے اس کی ایک ایک ادا میں۔ لیکن میں نے خود کو اس کے سحر سے محفوظ رکھا۔"

"اب ایک اور سوال پروفیسر صاحب۔ مالا کا زونگا اس سے کیوں نبرد آزما ہے؟"

"یہ بھی ایک کہانی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ایک روایت ہے مالا کا زونگا بھی ہزاروں سال سے اس سے منحرف ہے کیونکہ ایمپرا سے قبل ان علاقوں پر اس کی حکومت تھی جو ایمپرا نے چھین لی۔"

"یہی میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی ہزاروں سال سے زندہ ہے؟"

"اس کے بارے میں متضاد روایتیں ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ اسے بھی ابدیت حاصل کرنے کے راز معلوم ہیں۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ مالا کا زونگا ایک نسل ہے۔ اور یہ دشمنی نسل در نسل چلی آ رہی ہے۔"

"وہ کیا چاہتا ہے؟"

"ایمپرا کا زوال۔"

"کبھی کامیاب نہیں ہو سکا وہ؟"

"کبھی نہیں۔ بس اس کی تلاش میں دوسرے جادوگر مارے جاتے ہیں۔"

"اگر مالا کا زونگا ایک نسل ہے تو وہ نسل کہیں آباد تو ہو گی؟"

"نہیں۔ وہ پہاڑوں میں گمنامی کی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ ایمپرا سے زیادہ پُراسرار ہے۔" رازی نے بتایا۔ پھر چونک کر بولا۔ "تمہیں اس داستان سے بہت دلچسپی ہے۔ کیا بات ہے؟"

"ہاں پروفیسر۔ یہ داستان ہم دونوں کے لیے دلکش ہے۔ کیا تم نے کبھی مالا کا زونگا کو دیکھا ہے؟"

"کبھی نہیں۔ بس کہانیاں سنی ہیں۔"

"خود تم نے شادی نہیں کی پروفیسر؟"

"نہیں۔ مجھے زندگی کے دوسرے مشاغل سے ہی فرصت نہیں ملی۔ اگر یہ بھی میری زندگی میں آ جاتی تو زندگی کا بقیہ وقت بھی میں اپنی تحقیق اور جستجو میں گزار دیتا۔"

"لیکن پروفیسر اس کا کوئی فائدہ۔ تو یہ نہیں آپ کو۔" میں نے کہا اور پروفیسر چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"میں سمجھا نہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ جڑی بوٹیوں پر تحقیقات کرتے رہے ہیں نا۔"

"ہاں۔"

"اور یقیناً اتنے عرصے میں آپ نے جڑی بوٹیوں کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر لیا ہو گا۔"

"ہاں بہت کچھ۔ اتنا کچھ کہ شاید مہذب دنیا کو اس پر یقین نہ آ سکے۔"

"مثلاً؟" میں نے سوال کیا۔

"اس سوال کو چھوڑ دو۔ قدرت نے اس کائنات میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ لاکھوں باتیں ایسی ہیں جو حیرت انگیز ہیں۔ لیکن ان کا کوئی ذکر، کوئی مفہوم نہیں ہے۔ زمین قدرت کا خزانہ ہے۔ انمول ہے۔ تمہاری زندگیاں جلا پاتی ہیں۔ پھل پھول بوٹے جو کچھ بھی ہیں۔ وہ تمہاری ذات کی بقا کے لیے ہیں۔ ہر کونپل میں ایک راز چھپا ہوا ہے۔ جسے تم جان لو تو پھول بن جاؤ انسان نہ رہو۔ لیکن قدرت نے یہ راز سربستہ رکھے ہیں۔ جتنی تمہاری ذہنی وسعت ہے۔ اتنا تمہیں مل جاتا ہے۔ اس سے زیادہ مل جائے تو شاید تم اسے برداشت نہ کر سکو۔ جڑی بوٹیوں کا مسئلہ بھی یہی ہے کہ ان میں وہ سب ہے جو ایک حد سے تمہیں حاصل نہیں ہو سکتا۔ تم سونے کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہو۔ سونا اتنا معمولی ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کچھ بوٹیوں کے عمل سے چند لمحوں کے اندر سامنے سونے کے انبار لگا سکتے ہیں۔" پروفیسر رازی نے کہا اور میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ میں دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ "نہیں پروفیسر! خوش فہمی کا شکار مت ہو۔ میں تم سے سونا بنانے کا راز نہیں پوچھوں گا۔ میں تم سے یہ نہیں معلوم کرنا چاہتا کہ سونا کس طرح بنتا ہے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟" اب پروفیسر رازی کے حیران ہونے کی باری تھی۔

"کوئی مطلب نہیں پروفیسر! جس طرح تمہاری زندگی میں بہت سی چیزیں تم دوسروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو۔ اسی طرح میری زندگی میں بھی کچھ راز ہیں۔ بہرحال اگر میں تم سے سونے کے بارے میں پوچھوں تو تم مجھے اس کا جواب مت دینا۔"

"خوب۔ عجیب بات ہے۔ اس کے بعد تم کہتے ہو کہ یہاں خزانوں کی تلاش میں آئے ہو۔"

"ہاں۔"

میں نے اس کا شانہ جلدی سے آگے بڑھ کر پروفیسر رازی کو اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کا دل تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا۔ اور اس وقت اس کی کیفیت معصوم بچوں کی سی تھی۔

"پروفیسر! پروفیسر! ہوش میں آیئے کیا ہوا، کیا بات ہے؟ رو کیوں رہے ہیں؟" میں نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"وہ۔ وہ۔ وہ میری بچی کو لے گیا۔ تم لوگ نہیں جانتے۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ میری زندگی کا محور تھی۔ میں نے اسے اپنی اولاد کی طرح پالا ہے۔ اس کے سوا میرا دنیا میں ہے ہی کون؟ وہ۔ وہ۔"

"ہیزل کی بات کر رہے ہیں پروفیسر!"

"ہاں، میری بچی۔" پروفیسر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی پُروقار شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

"کون تھا وہ پروفیسر؟"

"کوئی جنگلی شیطان، کوئی بدروح۔ جانوروں کی کھال اپنے جسم پر لپیٹے ہوئے تھا سر پر سینگ تھے۔ وہ۔ وہ بڑی بیدردی سے ہیزل کو اٹھا کر کندھے پر لاد کر لے گیا۔ نہ جانے، نہ جانے اب وہ میری بچی کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟"

"حوصلہ رکھیں پروفیسر! حوصلہ رکھیں۔ ان جنگلوں میں ہمیں ہر حادثے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ آپ حوصلہ چھوڑ بیٹھے تو پھر کیسے کام چلے گا؟"

"مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے کوئی حرج نہیں ہے۔ میں مر بھی جاؤں مجھے پروا نہیں ہو گی لیکن۔ لیکن۔"

"مل جائے گی ہیزل۔ ہم اسے تلاش کریں گے۔ ہم اسے ضرور تلاش کر لیں گے۔ بس آپ اس کا حلیہ ذہن میں رکھیں۔"

پروفیسر نے گردن جھکا لی۔ اس کی سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔ باقی رات اسی طرح گزر گئی۔

دوسری صبح ہمارے لیے ناشتہ آیا۔ تازہ ہرن کا گوشت اور دودھ تھا۔ بمشکل تمام پروفیسر کو کچھ کھلایا پلایا۔ وہ دو عورتیں جو ہمارے لیے ناشتہ لائی تھیں جھونپڑے کے باہر موجود تھیں۔ پروفیسر نے ان میں سے ایک کو اندر بلایا۔ وہ اندر آ گئی۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے پوچھا۔

"سونی۔"

"وہ عورت کون تھی جس کا بچہ بیمار تھا؟"

"سبوتا۔ سردار جونیا کی بیوی۔"

"ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں۔" میں نے سونی سے کہا اور وہ گردن جھکا کر چل دی۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سبوتا آ گئی۔ اس کی آنکھوں میں نرمی کے آثار تھے۔

وہ پروفیسر کے سامنے آئی۔ جھک کر زمین سے مٹی اٹھائی اور اسے ماتھے سے لگایا۔ "تم نے میری بہت بڑی پریشانی دور کر دی ساحر! میرا بچہ اب بالکل ٹھیک ہے۔"

"لیکن تیرا محسن تیرے قبیلے میں ظلم کا شکار ہو گیا سبوتا!"

"کیا۔ کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟" سبوتا چونک کر بولی۔ اس کی حیران آنکھیں ہم سب کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ چونک کر بولی۔ "آہ! تم میں سے ایک کم ہے۔ کہاں ہے وہ؟"

"پروفیسر کی بیٹی۔ اس ساحر کی بیٹی رات کو اس سے چھین لی گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"چھین لی گئی ہے۔ کہاں۔ کون لے گیا اسے۔ آہ میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا؟"

"اسے ایک شخص زبردستی لے گیا ہے۔"

"ناممکن، کس کی مجال ہے؟" وہ غرائی۔

"ایسا ہوا ہے سبوتا! تم خود دیکھ لو وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔"

"مگر کون تھا وہ؟ قبیلے میں کوئی جوان نہیں ہے۔ کسے اس کی جرأت ہوئی؟"

"ہم نہیں جانتے۔"

"کسی نے اسے دیکھا تھا؟"

"ہاں، میں نے دیکھا تھا۔" پروفیسر رازی نے کہا اور سبوتا کو اس کا حلیہ بتانے لگا۔ سبوتا کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اس قبیلے میں اس حلیے کا کوئی بھی جوان نہیں۔ اوّل تو یہاں ایک بھی جوان نہیں ہے۔ سارے جوان جنگ پر گئے ہوئے ہیں۔ اور صرف ایسے کمزور اور لاغر بوڑھے یہاں پر رہ گئے ہیں، جو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔ ان میں سے کوئی ایسا جوان کوئی ایسا تندرست مرد نہیں ہے جو کسی لڑکی کو اس طرح اٹھا کر کندھے پر لاد کر لے جائے۔"

"پھر وہ کون ہو سکتا ہے سبوتا! جو تمہارے قبیلے میں داخل ہو کر ہمارے ساتھ یہ ظلم کر گیا ہے؟"

"تم اس کا پتہ لگاؤ سبوتا۔ تم نے میرے اوپر احسان کیا ہے۔ میں اس کا معاوضہ ضرور دوں گی تمہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا ایسا ہو نہیں ہو سکتا۔ میں تمہیں بتاؤں گی۔ سوتھا کے پاس جاؤں گی۔ سوتھا اپنے علم کے ذریعے معلوم کر لے گی کہ تمہارے اوپر یہ ظلم کرنے والا کون ہے۔"

"سوتھا کون ہے؟" سلمان نے سوال کیا اور سبوتا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اس قبیلے کی سب سے بڑی جادوگرنی جو بہت علم رکھتی ہے۔ اس کا تجربہ قبیلے کے بے بڑا ہے۔ آہ تم بہت بڑے محسن ہو۔ تم بے فکر رہو۔ سوتھا ضرور تمہاری مدد کرے گی۔"

"تو پھر ہمیں اس کے پاس لے چلو۔ تم نہیں جانتی سبوتا کہ یہ ساحر اس کے لیے کس قدر پریشان ہیں۔ تمہارا بچہ بیمار تھا تمہیں احساس ہوگا کہ اس کا دکھ کس طرح تمہارے سینے میں جاگزیں تھا۔ وہ میری بچی ہے، میری بیٹی ہے، میری لخت جگر۔۔" رازی کی آواز رندھ گئی۔ تب سبوتا نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولی۔

"ہم احسان کرنے والوں کو کبھی نہیں بھولتے۔ تم نے میرے بچے کو نئی زندگی دی ہے۔ تمہاری بچی کو واپس لانا میری ذمہ داری ہے۔ اٹھو، آؤ۔ میں تمہیں سوتھا کے پاس لے چلوں۔" عورت تیار ہو گئی۔ وہ خوفناک تاثرات اب اس کے چہرے سے مفقود ہو گئے تھے جو پہلی بار ہم نے دیکھے تھے۔ درحقیقت وہ دوستوں کا سا انداز اختیار کر چکی تھی۔

ہم تینوں اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سبوتا نے اپنے ساتھ چار عورتوں کو بھی لے لیا جو بڑی تندرست و توانا تھیں اور ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے لیے ہوئے تھیں۔ ان کے کسے ہوئے جسموں سے لگتا تھا کہ اگر کوئی مرد ان کے مقابل آ جائے تو وہ اسے بھی گرا کر رکھ دیں گی۔ تندرست و توانا عورتوں کا یہ قافلہ بستی کے درمیان سے گزرتا رہا۔ وہ بستی کے شمالی سرے کی جانب جا رہی تھیں اور ہم ان کے ہمراہ تھے۔

میں پروفیسر رازی سے دلی ہمدردی رکھتا تھا جس طرح وہ بلک بلک کر رو دیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہیزل کو کس طرح چاہتا ہے۔ حالانکہ دونوں کا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ وہ دونوں غیر مذہب سے تعلق رکھتے تھے، لیکن محبتوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ کہیں بھی کسی بھی دل میں جاگزیں ہو سکتی ہیں۔ مجھے اور سلیمان کو پروفیسر رازی سے بہت ہمدردی تھی۔

خاصہ طویل سفر طے کرنا پڑا لیکن سفر کے دوران ہم نے اس بستی کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ پوری بستی حالت جنگ میں تھی۔ جگہ جگہ ہتھیاروں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ گو یہ ہتھیار صدیوں پرانے طرز کے بنے ہوئے تھے جو کمانوں، تلواروں اور نیزوں پر مشتمل تھے۔ لیکن بہرصورت ان تیاریوں سے پتہ چلتا تھا کہ اگر قبیلے والوں کو شکست ہوئی اور دشمن اس طرف نکل آئے تو یہ عورتیں آخری وقت تک جنگ کریں گی۔

آخرکار ہم اس بستی سے نکل آئے اور پھر پہاڑی ٹیلوں کے درمیان چلنے لگے۔ سوتھا غالباً ان ٹیلوں میں کہیں رہتی تھی۔ کافی سفر طے کرنے کے بعد ہم ایک پہاڑی ٹیلے کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک غار کا بڑا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ دہانے کے اندر سے عجیب عجیب سی خوشبوئیں ابھر رہی تھیں اور یہ خوشبوئیں باہر بھی پھیل رہی تھیں گو ہوا انہیں منتشر کر دیتی تھی لیکن دہانے کے بالکل قریب پہنچنے سے یہ خوشبوئیں خاصی تیز لگتی تھیں۔

سبوتا نے دروازے پر پڑے ہوئے ایک گول پتھر کو گھٹنوں کے بل جھک کر بوسہ دیا اور پھر مؤدبانہ انداز میں پکارا۔

"معزز سوتھا! میں سبوتا ہوں۔ تجھ سے ملنے آئی ہوں۔ کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"

"آ جاؤ۔ اور اپنے ساتھ اپنے ان تینوں ساتھیوں کو بھی لے آؤ جو مصیبت کا شکار ہیں۔" اندر سے ایک بوڑھی آواز ابھری اور ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پروفیسر رازی بھی متحیر نظر آ رہا تھا۔ ہم سب نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں۔ سبوتا مسکرا کر ہماری طرف پلٹی اور پھر ہمیں اندر آنے کا اشارہ کر کے خود اس غار کے دہانے سے اندر داخل ہو گئی۔

غار بہت کشادہ تھا۔ پورے ٹیلے میں پھیلا ہوا تھا۔ کشادہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ روشن بھی تھا اور اندر ذرا بھی گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ صاف ستھرے غار میں ایک طرف پیال کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اس کے نزدیک ہی کھانے پینے کی چیزوں کے برتن بڑے قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ ایک پرسے لباس میں ملبوس بوڑھی عورت غار کے بیچوں بیچ بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے چھوٹی چھوٹی کھوپڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کھوپڑیوں کی تعداد چند

اور ہیں کے درمیان ہوگی۔ پتہ نہیں کسی جانور کی کھوپڑی تھی۔ یا انسانی۔ پٹریوں کی ٹیکیاں بغور دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تین کی کھوپڑیاں تھیں یا کسی اور جانور کی۔ وہ بندروں کی کھوپڑیاں تھیں۔ ان کھوپڑیوں کے درمیان چھوٹی چھوٹی ہڈیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ یہ ایک عجیب سا جال بچھا ہوا تھا۔ ان کھوپڑیوں اور ہڈیوں کے پاس سیموتا دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔

"تو جانتی ہے سوتھا! تیرا علم جانتا ہے کہ ہم کس لیے آئے ہیں چاوا میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ تجھے علم ہے کیونکہ تو نے میرے ساتھ آنے والوں کی صحیح تعداد بتائی تھی۔" سوتھا نے پہلی بار ہم تینوں کو دیکھا۔ اور پھر سیموتا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"ہاں، مجھے ان کی آمد کا علم تھا۔ میں جانتی تھی کہ اجنبی ہمارے قبیلے میں آنے والے ہیں۔"

"اور تجھے یہ بھی معلوم ہوگا سوتھا کہ یہ تین نہیں چار تھے۔"

"نہیں مجھے یہ معلوم نہ تھا۔" سوتھا نے جواب دیا۔

"تو سن سوتھا! یہ چار تھے۔ تین مرد اور ایک عورت۔ لیکن عورت ان کے درمیان سے غائب کر دی گئی۔ رات کو کوئی اسے اٹھا لے گیا۔" سیموتا نے بتایا اور بوڑھی عورت کے چہرے پر غور و فکر کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کھوپڑیوں اور ہڈیوں کی جگہ میں تبدیلی شروع کر دی۔

دفعتاً ایک کھوپڑی اچھل کر اس کی جگہ بدل رہی تھی اور ہڈیاں اس کے درمیان رکھتی جا رہی تھی۔ پھر وہ پتلی پتلی ہڈیاں ان کھوپڑیوں کو بجانے لگی۔ مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں۔ کہیں بھدی اور کہیں کھنک دار، وہ ان کھوپڑیوں کے درمیان تبدیلیاں کرتی رہی اور کافی دیر کے بعد اس نے گردن اٹھائی۔

"اوہ! اوہ! یہ کیا وہ بھیڑیے کی کھال میں ملبوس تھا؟"

اس نے پروفیسر رازی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ یہ بات بھی اس کے علم کو ظاہر کرتی تھی۔ کہ وہ جانتی تھی کہ پروفیسر رازی ہی اسے صحیح بات بتا سکتا ہے۔

"ہاں، وہ کسی کھال ہی میں تھا۔ تاریکی کی وجہ سے میں اس کا اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ کون سے جانور کی کھال ہے۔"

"کیا اس کے سر پر دو سینگ ابھرے ہوئے تھے؟"

"ہاں، ہاں۔ تیرا علم درست کہتا ہے سوتھا۔"

"تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"جو آدمی تیری بیٹی کو لے گیا۔ وہ بُرا آدمی نہیں ہے۔ جانتا ہے۔ اس کا نام کیا ہے؟"

"کیا نام ہے سوتھا۔۔؟" سیموتا نے پوچھا۔

"ماکا زونگا۔ اس علاقے کا سب سے بڑا جادوگر۔ ہر بُرے کے مقابل آنے والا اس کا دشمن۔" سوتھا نے بتایا اور ہم سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سیموتا بھی بوکھلاہٹ کے عالم میں دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ماکا زونگا! لیکن ۔ لیکن وہ ۔ لیکن وہ ۔"

"یہ وہی بتا سکے گا۔ اس نے اپنے گرد جو خول چڑھا رکھا ہے۔ اس کے پار دیکھنا ناممکن ہے۔ کیا ہے اس کے دل میں یہ وہی جانے۔ ہاں یہ وہی جانے۔ ہاں یہ وہی جانے ۔" بڑبڑی گردان کرنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ تب سیموتا نے ہماری طرف دیکھا اور گردن ہلانے لگی۔

"یہ حقیقت ہے کہ ماکا زونگا بُرا آدمی نہیں ہے۔ وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ اس کا مشن صرف ایسرا کے لیے ہے۔ بجانے کیوں اس نے یہ حرکت کی۔"

"لیکن۔ لیکن ہمارے ساتھ یہ سب کچھ تمہارے قبیلے میں ہوا ہے سیموتا۔ میں اپنی بیٹی کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تو اچھی بات نہیں کہ وہ ہم میں سے کسی کو اٹھا کر لے گیا۔ ہمارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"اس میں کوئی مصلحت ہوگی۔ یقیناً اس میں کوئی مصلحت ہوگی، کیوں سوتھا! کیا تو بتا سکتی ہے کہ ماکا زونگا اسے لے کر کہاں گیا ہے؟"

"یہ معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سفید جھیل اس کا مسکن ہے۔ اور ان دنوں وہ وہیں مقیم ہے تم اگر چاہو تو اسے وہاں تلاش کر سکتے ہو۔ بس میری بات ختم۔" سوتھا نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی تھی۔ سیموتا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اب سوتھا کچھ نہ بتائے گی جو کچھ اسے بتانا تھا بتا چکی۔" ہم سب سیموتا کے ساتھ باہر نکل آئے سب ہی کے چہروں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ پھر میں نے پوچھا۔

"سفید جھیل کہاں ہے سیموتا؟"

"بستی سے مغرب کی سمت چلے جاؤ تو ہموار راستوں اور پہاڑی دروں سے گزرنے کے بعد تمہیں ایک نخلستان ملے گا۔ یہ نخلستان سفید جھیل ہی کا ہے۔ اور ماکا زونگا اس کے آس پاس

ہی نظر آتا ہے۔ اگر تم اس کے علاقے میں پہنچ جاؤ گے تو وہ یقیناً تم سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے گا لیکن مجھے تعجب ہے مجھے حیرت ہے۔" میں نے پروفیسر رازی کی طرف دیکھا اور رازی جلدی سے بولا۔

"میں جاؤں گا۔ میں جاؤں گا۔ میں تم دونوں کو پریشان نہیں کروں گا۔ ایک بار پھر میں تم سے کہتا ہوں کہ میری الجھنوں میں نہ پھنسو۔ تمہارا اپنا مسئلہ الگ ہے۔ میں اپنی بیٹی کو تلاش کر لوں گا۔ میں ان جنگلوں کی خاک چھانوں گا۔ کہیں بھی نکل جانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن ۔ لیکن میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ تو میری زندگی ہے۔"

"نہیں پروفیسر ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم سب آپ کے ساتھ چلیں گے۔" میں نے سلیمان کی بات کی تردید نہیں کی تھی۔ پروفیسر خاموش ہو گیا۔ سیموتا کہنے لگی۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہاں تمہارے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ہے۔ تم نے میرا احسان کیا ہے۔ بتاؤ ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟"

"کچھ نہیں بس تمہارا شکریہ۔"

"پھر بھی، میرا خیال ہے تم یہاں سے کھانے پینے کی چیزیں لے جاؤ۔ ان ہتھیاروں میں سے جو چاہو لے لو ویسے تمہارے پاس آتشیں ہتھیار ہیں۔ ان کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور موثر۔"

"ٹھیک ہے۔ بہت بہت شکریہ۔" رازی نے کہا۔

اور اس کے بعد ہم وہاں نہیں رکے۔ سیموتا نے ہمیں بستی کی سرحد تک چھوڑا تھا اور اس کے بعد ہم وہاں سے آگے نکل گئے۔

صحرائے اعظم کا ایک اور ویران حصہ ہمارے سامنے تھا۔ ہمارا تو خیال تھا کہ اس بستی میں کچھ عرصہ رک کر حالات کا جائزہ لیں گے اور اندازہ لگائیں گے کہ اب ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ لیکن یہ نئی افتاد آ پڑی تھی اور پروفیسر رازی کا رونا پیٹنا بھی حق بجانب تھا۔ اس نے درحقیقت اپنی زندگی لڑکی کے لیے ختم کر لی تھی۔ چنانچہ وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا! سفر جاری رہا صبح سے شام ہو گئی اور پھر رات کو ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ ہم ابھی تک اپنی سمت سے نہیں بھٹکے تھے۔

دوسرے دن صبح ہی صبح ہم نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا تھا اور جب دوپہر ہوئی تو ناہموار دروں اور گھاٹیوں کا یہ سلسلہ ایک نخلستان پر ختم ہو گیا۔ نخلستان کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلے بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہ ٹیلے عجیب سی سفیدی اختیار کیے ہوئے تھے۔ درختوں کے تنوں میں بھی عجیب طرح کی سفیدی نظر آ رہی تھی اور شاید یہ سفیدی اس گھاس کی تھی۔ اس رنگ کی گھاس ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ بہرطور اس گھاس کے درمیان ایک جھیل بھی موجود تھی لیکن وہاں کوئی رہائش گاہ نہیں بنی ہوئی تھی۔ بہرطور ہم جھیل کے نزدیک پہنچ گئے۔ شام کے تقریباً چار بجے تھے۔ اطراف میں مکمل سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

درختوں پر پرندے بھی خاموش تھے کبھی کبھی ان کے اُڑنے سے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دیتی اور ہم چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگتے۔

"یہاں تو کسی کا وجود نہیں ہے۔" پروفیسر رازی کی غمناک آواز ابھری۔

"نہیں۔ تمہارا خیال غلط ہے۔" ایک آواز ابھری۔ یہ آواز ایک بہت بڑے درخت کے تنے میں سے آئی تھی۔ اور پھر درخت کے کھوکھلے تنے سے ایک آدمی باہر نکل آیا۔ یہ عجیب الخلقت آدمی تھا پورے جسم پر جانوروں کی کھال منڈھی ہوئی تھی۔ سر پر ایک کنٹوپ سا پہنا ہوا تھا جس میں جانور کے سینگ ابھرے ہوئے تھے۔ لیکن اس کنٹوپ کے نیچے جو چہرہ نظر آ رہا تھا۔ وہ ہمارے لیے تعجب خیز تھا۔ یقیناً یہ کسی یورپی نسل کا ہی باشندہ تھا۔ گہری سبز آنکھیں دمکتا ہوا لمبا چہرہ۔ جوان العمر تھا پتلے پتلے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور ایک عجیب سی متانت چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔ دراز قامت تھا اور چست و چالاک نظر آتا تھا۔ بدن نہایت سڈول تھا۔ اگر وہ یہ جنگلی قسم کا لباس اتار دیتا تو بڑا اسمارٹ اور خوبصورت جوان نظر آتا۔ پروفیسر کے حلق سے بے اختیار آواز نکل گئی۔

"یہی تھا۔ آہ یہی تھا۔ یقیناً یہی تھا۔" آنے والے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہمارے نزدیک پہنچ گیا۔

"ہاں۔ میں ہی تھا وہ میں ہی تھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ میں کڑی نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ پھر میں نے بھاری آواز میں پوچھا۔

"تم ریزل کو اٹھا لائے ہو؟"

"ہاں۔"

"میرا نام ماکازو رنگا ہے۔ میں اس لڑکی کو ایک خاص مقصد کے تحت شکار کروا یا ہوں۔ تم یقین کرو کہ مجھے اس کی از حد ضرورت تھی۔ اب تم یہاں آ ہی گئے ہو تو دوستوں کی طرح گفتگو کرو ایسے جملے دہرو جو ہمارے اور تمہارے درمیان فرقے کا باعث بنیں۔"

"لیکن تم نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ میں اس کے لیے مجبور تھا۔"

"کیا مجبوری تھی؟"

"اوہ۔ اتنی جلدی یہ سب کچھ تمہیں معلوم نہیں ہو سکتا۔ آؤ میں تمہارے قیام کا بندوبست کر دوں۔ یہاں تمہارے لیے کچھ دیر ٹھہرنا ضروری ہے۔" اس نے کہا اور پھر سلمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ سکڑ گئی سا اس کے بدن کو جھٹکا سا لگا اور وہ دو قدم آگے بڑھ گیا اور سلمان کے بالکل سامنے پہنچ گیا۔ اس نے بغور سلمان کو دیکھا اور پھر اس کے حلق سے ہذیانی سی آواز ابھری۔

"نہیں۔ نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"کس سے؟" سلمان کے بجائے میں نے اس سے سوال کیا لیکن ماکازو رنگا نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا۔" اس کے حلق سے ہذیانی انداز میں نکل رہا تھا پھر وہ دوزانو بیٹھ گیا اور اس کی گردن سلمان کے قدموں میں جا پڑی۔

"مجھے معاف کر دے، شہنشاہوں کے شہنشاہ، رابابر کے دست راست مجھے معاف کر دے، مجھے معاف کر دے۔ سحر کے زمانے دار مجھے معاف کر دے۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھ سے بھول ہوئی۔"

اب ہماری حیران ہونے کی باری تھی۔ ماکازو رنگا نے سلمان کو عجیب سے انداز میں پکارا۔ نجانے سلمان کو کیا ہوا وہ جھکا اور اس نے اپنا ہاتھ ماکازو رنگا کے سر پر رکھ دیا۔

"کھڑا ہو جا۔ کھڑا ہو جا۔ میں تجھ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" سلمان کے لہجے میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ ماکازو رنگا نے گردن اٹھائی اور پھر مؤدب انداز میں کھڑا ہوا اور دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے۔ مجھے تو تیرا انتظار تھا۔ تو ہی تو ہے جو ان خطوں کی تقدیر بدلے گا۔ تو تو ہے جو میرا مددگار ثابت ہوگا۔ ہاں ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔ ہم دونوں کا مشن ایک ہی ہے۔" میں اور رازی متعجب خیز نگاہوں سے ماکازو رنگا کو دیکھ رہے تھے۔ تب سلمان نے پوچھا۔

"لڑکی کہاں ہے؟"

"اندر موجود ہے آقا۔ اندر موجود ہے۔ میں نے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ کوئی ضرر نہیں پہنچایا میں نے اسے، وہ سکون سے ہے۔"

"لیکن تم اسے یہاں کیوں اٹھا لائے ہو؟"

"تو جانتا ہے آقا، یہ کہانی کوئی اور نہیں جانتا لیکن تو جان سکتا ہے۔ دیکھ میری آنکھوں میں دیکھ۔ میرے چہرے پر دیکھ اور اندازہ لگا کہ میں اسے یہاں کیوں اٹھا لایا ہوں۔" سلمان اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے پر دھواں دھواں سا ہو رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔"

"کیا بات ہے سلمان؟" میں نے سلمان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ چونک پڑا۔ اس نے عجیب سی آنکھوں سے مجھے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"نہیں چچا جان نہیں۔ اس کا اقدام ضروری تھا۔ درست تھا۔ اس کی بقا کے لیے یہ ضروری تھا۔ بلاشبہ یہ ضروری تھا۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم لوگ میری بچی کو اٹھا لائے ہو اور اپنی اپنی ہانک رہے ہو۔ میں کہتا ہوں فوراً میری بچی مجھے واپس کر دو۔" پروفیسر رازی نے آگے بڑھ کر ماکازو رنگا کا لباس پکڑ لیا اور اس نے گردن جھکا دی۔

"میں کچھ نہ کہوں گا تم لوگ اب میرے لیے بہت محترم ہو گئے ہو۔ میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔ میرا ترجمان میرا آقا ہے۔ میرا مالک میرا ترجمان ہے۔" اس نے کہا اور سلمان پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے سلمان؟" میں نے سرگوشی میں اس سے کہا۔

"چچا جان! چچا جان تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔ کسی طرح اس معاملے کو سنبھالیے پہلے۔ یہ ضروری تھا کہ ماکازو رنگا ہیزل کو اٹھا لائے۔ یہ بہت ضروری تھا چچا جان میں آپ کو ساری تفصیل بتا دوں گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم پروفیسر رازی کو اس کے لیے کس طرح تیار کر سکتے ہیں؟"

"کیا گفتگو کر رہے ہو تم لوگ مجھے بھی بتاؤ۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہو گئی۔ تم تو میرے ساتھی تھے۔ یہ کیا ہو گیا؟ یہ آدمی۔ یہ آدمی اس نے میری ہیزل کو اغوا کیا ہے؟"

"ماکازو رنگا! ہیزل کو بلاؤ۔" میں نے کہا اور اس نے ایک بار پھر گردن جھکا دی پھر وہ درخت کے اس کھوکھلے تنے کی طرف رخ کر کے بولا۔

"سوبالا، سوبالا باہر آؤ۔"

ہم نے اس نئے نام پر چونک کر درخت کی طرف دیکھا تھا۔ لیکن چند ہی لمحات کے بعد ہیزل درخت کے کھوکھلے تنے سے برآمد ہوئی۔ وہ انتہائی خوبصورت لباس میں ملبوس تھی جس میں جگہ جگہ باریک پتھر ٹکے ہوئے تھے، سر پر ایک عجیب سا تاج پہنے ہوئی تھی۔ جس میں ہیرے جگمگا رہے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرے پر ایک عجیب سی شگفتگی۔ وہ بڑے کروفر سے چلتی ہوئی باہر آ گئی۔ رازی دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں۔ نہیں ناممکن۔ ناممکن۔ یہ اتنی مطمئن ہے، کیسے آخر کیسے؟" وہ متحیرانہ انداز میں بڑبڑاتا ہوا بولا۔ ہیزل اسی پروقار انداز میں چلتی ہوئی پروفیسر رازی کے سامنے پہنچ گئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی پُرسکون مسکراہٹ تھی۔

"ہیزل۔ ہیزل تو ٹھیک ہے۔ تو ٹھیک ہے بیٹی۔ میری بچی تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں بابا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"لیکن۔ لیکن کیا تو۔ کیا تو اس شخص کو جانتی ہے؟"

"جانتی نہیں تھی لیکن اب جانتی ہوں۔"

"کیسے کیسے؟ میرا مطلب ہے تو۔ تو یہاں خوش ہے؟" رازی بے چین انداز میں اپنا سوال دہرا رہا تھا۔ ہیزل نے ماکازو رنگا کی جانب دیکھا۔ ماکازو رنگا نے گردن جھکا دی۔

"سوبالا! اگر تو میرے ساتھ مطمئن ہے اگر تو میرے مقصد سے متفق ہے تو ان لوگوں کو اطمینان دلانا تیرا کام ہے۔ لیکن ٹھہرو۔ میرا خیال ہے کہ یہاں اس کھلی جگہ کھڑے رہنا مناسب نہیں ہے۔ آؤ میرے معزز مہمانوں، میرے ساتھ آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔" ماکازو رنگا نے کہا اور رازی پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں۔ تو جادوگر ہے تو نے اس پر بھی جادو کر دیا ہے۔ ہم تیرے ساتھ کہیں بھی نہیں جائیں گے۔ بس میں ہیزل کو لے جا رہا ہوں۔ میں ہیزل کو لے جا رہا ہوں۔"

"معذرت معزز بزرگ۔ تم ضرور اسے لے جا سکتے ہو لیکن یہ اب تمہارے لیے عذاب بن جائے گی۔ یہ میرے بغیر اب ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ میری ہے۔ مجھے چاہتی ہے۔ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں یہ صرف تیرا جادو ہے جس نے اسے مسحور کر دیا ہے۔"

"اگر یہی ہے تو پھر تم یہ سمجھ لو کہ تم اسے دنیا کے کسی خطے میں بھی لے جاؤ گے لیکن یہ میری ہی جانب بھاگے گی۔ تم اسے پکڑتے رہو گے لیکن یہ مجھے ڈھونڈتی رہے گی۔ اس کوشش میں اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔"

"نہیں۔ نہیں۔" رازی نڈھال لہجے میں بولا۔ میں نے رازی کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"پروفیسر اگر ہیزل خوش ہے تو پھر تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی زندگی کے لیے یوں لگتا ہے یہی سب کچھ ضروری ہے۔"

"کیا ہو گیا یہ۔ کیا ہو گیا؟ اس کا مقصد ہے کہ ہیزل انہی پہاڑوں میں بھٹکتی رہے گی اور اسی طرح اس کی زندگی ختم ہو جائے گی؟"

"نہیں۔ میرا علم کہتا ہے ایسا نہیں ہوگا۔ تم آؤ تو سہی۔" ماکازو رنگا نے کہا اور ہم سب درخت کے اس کھوکھلے تنے کی جانب بڑھ گئے۔ تنا اتنا وسیع بھی نہیں تھا کہ ہم سب اس میں سما جاتے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے؟ لیکن تنے میں داخل ہوتے ہی ہمیں ایک اور حیرت سے دوچار ہونا پڑا۔ تنے کے سوراخ کے بعد سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ہم ان سے اترتے ہوئے بالآخر ایک بہت بڑی کشادہ جگہ میں پہنچ گئے۔ ایک بہت بڑے ہال کی شکل تھی چوکور ہال تھا۔ دیواریں پتھریلی تھیں اور یہ یقیناً انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا۔ اس کمرے میں دنیا جہاں کی آسائش تھی۔

عمدہ قسم کے پیالے کے ڈھیر، کھانے کے برتن لگے ہوئے تھے۔ بیٹھنے کے لیے پتھروں کو تراشا گیا تھا اور ان پر جانوروں کی کھال منڈھ دی گئی تھی۔ مجموعی طور پر یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کا اس ویران علاقے میں تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ماکازو رنگا نے ہمیں بیٹھنے کے لیے کہا اور ہم سب بیٹھ گئے۔ تب وہ سلمان کی طرف رخ کر کے بولا۔

"میرے آقا! میرے مالک! آپ ہی میرے مقصد کی تشریح کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ آپ کے سرپرست ہیں آپ

کر یہاں لے کر آئے ہیں اس لیے میرے لیے جس قدر بھی قابلِ احترام ہوں، کم ہے۔ لیکن اب میرا مشن آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ آپ ہی انہیں مطمئن کیجیے۔" سلمان ہماری طرف رُخ کر کے بولا۔

"ماکازونگا سرزمینِ مصر سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ رعمیس اور راہاس کے خاص غلاموں میں اس کا خاندان شمار کیا جاتا تھا۔ اس وقت جبکہ ہمارے اجداد کی کہانی شروع ہوئی۔ ماکازونگا ہمارے ساتھ ہی صحرائے اعظم میں آیا۔ یہاں کچھ لیے ہوئے اور اسے قید کر دیا گیا۔ آسمانوں سے اس کے لیے ملے کیا گیا کہ صحرائے اعظم ہی میں رہے گا اور اپسرا پر نگاہ رکھے گا۔ سو یہی ہوا۔ یہ یہاں آباد ہو گیا لیکن اسے قائم رہنے کے لیے کچھ لوازمات بھی درکار تھے۔ اپنی نسل نہیں بڑھا سکتا تھا۔ اس کے لیے صحرائے اعظم سے باہر کی عورت سے شادی کی ——— ضرورت تھی۔ سو یوں ہوا کہ ایک چینی سوداگر اس جانب سے گزرا۔ صحرائے اعظم از خود میں بھٹکتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں ماکازونگا کا قیام تھا۔ یہاں حالات نے اتنی سنگین شکل اختیار کی کہ اس نے اپنی بیٹی ماکازونگا کے حوالے کر دی اور ماکازونگا نے اس سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ماکازونگا کا جانشین تھا۔ ہاں یہ ابدیت نہیں رکھتے۔ ان کی زندگی ایک مخصوص حد تک ہوتی ہے۔ اور اس کے بعد ایک عام آدمی کی طرح اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن باپ کا علم بیٹے کے سینے میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنے طور پر وہی سب کچھ محسوس کرتا ہے اور بن جاتا ہے۔ جو اس کا باپ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ قدیم ماکازونگا کی نسل کا نواں آدمی ہے۔ اور ابھی تک یہ اپنا ساتھی منتخب نہیں کر سکا تھا کیونکہ اسے بیرونی دنیا ہی سے آنا تھا۔ ہیزل اس شخص کو نظر آئی اور اس نے اپنی زندگی کا مقصد پا لیا۔"

"لیکن۔ لیکن اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ کسی کی مرضی کے بغیر اس کی بیٹی پر قبضہ کر لے۔" رازی نے کہا۔

"محترم! اوّل تو ہیزل آپ کی بیٹی نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ تو ہیزل کا مقدر تھا۔ تقدیر اسے اس سمت اسی لے آئی تھی۔

ہیزل سے پوچھیے۔ اس نے تو حقیقت پالی ہے۔ اور اسے اب اس بات سے قطعی انکار نہ ہو گا کہ ماکازونگا کی دُلہن کہلائے۔ آپ یہ سوال ہیزل سے کر سکتے ہیں۔"

"ہاں بابا! ماکازونگا کے بغیر میری زندگی نامکمل ہو گی۔ آپ کا جہاں دل چاہے چلے جائیے۔ آپ کی دنیا آپ کو مبارک۔ میں نے اپنی منزل پالی ہے۔" ہیزل نے جواب دیا۔ اور پروفیسر رازی اس کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ بظاہر کسی سحر کے زیرِ اثر نہیں تھی۔ میں بھی بے اختیار مسکرا دیا کیونکہ بات ہی کو سلمان مجھ سے اس پریشانی کا اظہار کر چکا تھا کہ ہیزل اس پر فریفتہ ہے۔ اس طرح سلمان کی جان بھی چھوٹ گئی تھی۔ لیکن پروفیسر رازی تذبذب کے عالم میں تھا۔ وہ بار بار ہیزل کی شکل دیکھنے لگتا۔ دفعتاً ماکازونگا نے کہا۔

"سو بالا اپنے عزیزوں کا خیر مقدم کرو۔ ان کی خاطر مدارات کا بندوبست کر دو یہ ہمارے مہمان رہیں گے۔ بہت تھوڑا وقت ہے۔ جب یہ میرا مقصد سمجھ لیں گے اور مجھ سے تعاون کریں گے۔" ہیزل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور اس خیمے کی طرف چلی گئی۔ جہاں کھانے پینے کی چیزوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اس نے ان میں سے چند چیزوں کا انتخاب کیا۔ اور انہیں ہمارے سامنے سجا دیا۔ تمام چیزیں تر و تازہ تھیں۔ عمدہ قسم کا پھل۔ خشک میوے اور ایسی رنگ برنگی چیزیں اور میوے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ جانے ماکازونگا نے یہ سب کہاں سے مہیا کیا تھا۔ صحرائے اعظم کے اسی خطے میں ان تمام چیزوں کا وجود تعجب خیز تھا لیکن تعجب خیز تو خود ماکازونگا کی اپنی ذات بھی تھی۔ شکل و صورت سے یورپین نظر آنے والا یہ شخص بڑے شستہ لہجے میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے پروفیسر رازی کو بھی مجبور کر دیا کہ وہ ان چیزوں میں سے کچھ کھائے

o

بہت عرصے بعد ہمیں ایسے لوازمات مہیا ہوئے تھے۔ میرے کہنے سننے سے پروفیسر رازی بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔ ماکازونگا سلمان کی وجہ سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ ویسے میرے لیے یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ قدرت نے جو کچھ کیا بہتر کیا۔

مجھے اور سلمان کو تو ہیزل سے برائے نام ہی دلچسپی تھی کہ وہ پروفیسر رازی کے ساتھ تھی اور ہم میں شامل ہو گئی تھی۔ پروفیسر رازی کا مسئلہ بھی کسی حد تک جائز تھا۔ اس نے

بالآخر ہیزل کو اپنی بیٹی کی حیثیت سے پرورش کیا تھا اور اس کے مستقبل کے لیے اس نے صحرائے اعظم میں اپنی طویل زندگی وقف کر دی تھی اور بڑے آرام سے ایک قبیلے میں ایک معزز آدمی کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ عمر یں اس کی زندگی گزر جاتی۔ لیکن اس نے لیفٹ آپ کو ہیزل کے لیے مہذب دُنیا میں لے جانے کے لیے آمادہ کیا تھا۔

اب اگر اس کے سامنے یہ بات آئی تھی کہ اس وحشی دنیا کا ہی ایک فرد ہیزل پر اپنا تسلط جمائے اسے یہیں محصور رکھنا چاہتا ہے تو اس کا بے چین ہونا قدرتی بات تھی۔ لیکن موجودہ صورتِ حال کو کیا کیا جاتا۔

یہاں کی پُراسرار دنیا کی پُراسرار کہانیاں ہماری سمجھ سے باہر تھیں لیکن بہرطور ان کی ایک حقیقت تھی۔ خاص طور سے میں سلمان کے مسئلے میں ایک بار پھر متحیر رہ گیا تھا۔

ماکازونگا جیسا جادوگر سلمان کو اپنا آقا کہہ رہا تھا۔ اور سلمان نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔ بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ پتہ نہیں سلمان کا یہ جھگڑا کہاں تک طول اختیار کرے۔ بہرطور میں تو اس میں ملوث تھا ہی۔ خود میری اپنی زندگی کیا تھی؟ اپنی تمام معاملات میں ملوث ہو کر رہ گیا تھا۔ میرا اپنا تمام مسئلہ بھی تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ اور جس طرح پروفیسر رازی کو ہیزل سے دلچسپی تھی۔ اسی طرح مجھے سلمان سے محبت تھی۔ میں سلمان کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ میری زندگی میں تھا ہی کیا؟

بہرطور اس عجیب و غریب کمین گاہ میں رات ہو گئی۔ ہیزل نے حسبِ معمول ہمارے لیے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہیزل اس غار کے تمام رازوں سے بخوبی واقف ہو۔ اور یہ ایک حیرت انگیز بات تھی۔ یہ شخص جو یورپیوں جیسی شکل رکھتا تھا بے حد پُراسرار معلوم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں کی سبز چمک رات کی تاریکیوں میں اتنی گہری ہو گئی کہ ہم اس سے نگاہیں نہ ملا پاتے۔ ہیزل البتہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اور یوں لگتا تھا جیسے وہ یہاں آ کر بے حد خوش اور مطمئن ہو۔

رات کے گہرے ہونے کے ساتھ ساتھ ماکازونگا میں حیرت انگیز تبدیلیاں پیدا ہوتی گئیں۔ وہ ہمارے ساتھ آ بیٹھا۔

"معزز دوستو! میں اپنے آقا کے ساتھ تعاون پر آپ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اور سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سربالا مجھے آپ ہی کے ذریعے ملی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ کہ وہ میری زندگی میں کیا اہمیت رکھتی ہے۔ ممکن ہے آپ لوگ اس طویل کہانی سے واقف ہوں۔ اگر نہیں ہیں تب بھی میری یہ جرأت نہیں کہ میں یہ کہانی آپ لوگوں کو سنانے کی کوشش کروں۔ کیونکہ میرا آقا سب جانتا ہے۔ میرے عظیم آقا نے میرے پشت کی تیسری نسل کو شاید یہ اعزاز بخشا تھا کہ وہ اپسرا کے خلاف اپنے آقا کی مدد کرے لیکن بدنصیبی میری پشت کے آٹھ تیسری نسل کے شخص کو کامرانی عطا نہ کر سکی۔ وہ علم میرے سینے میں منتقل ہو گیا جس کے تحت مجھے کام کرنا تھا۔ میں نے اپنے آباؤ اجداد کی کاوشوں کا جائزہ لیا۔ اور ایک فیصلہ کیا۔ میں نے سوچا کہ اپسرا کے خلاف براہِ راست کوششیں اب تک ناکام ہوتی رہی ہیں۔ قہر و غضب کی وہ دیوی بے پناہ پُراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ اس کا جادو عظیم ہے۔ بلاشبہ وہ سب کچھ کر سکتی ہے اور صحرائے اعظم میں اس کے مقابل کوئی جادوگری موجود نہیں ہے۔ چونکہ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور شاید ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس لیے اس کے تجربات بے حد وسیع ہیں۔ اور اس کی نسبت ہم لوگ بے حد کم تجربے کے حامل ہیں۔ براہِ راست کوششوں سے وہ واقف ہو جاتی ہے۔ اور اپنا بندوبست کر لیتی ہے۔ میرے علم نے مجھے میرے آقا کے بارے میں بتایا اور کہا کہ بہت جلد شاید میری زندگی میں ہی وہ مجھ تک پہنچنے والا ہے۔ چنانچہ طویل عرصے سے میں نے اپسرا کے خلاف صف آرائی شروع کر دی تھی۔ میں نے قرب و جوار کے قبیلوں میں بے چینی پیدا کی۔ ان کا انتخاب کیا۔ اور ایسے لوگوں کو منتخب کیا جو اس بے چینی کے نتیجے میں اپسرا کے خلاف صف آرا ہو سکتے تھے۔ ایسے آٹھ قبیلے میرے بتائے ہوئے راستوں پر چل پڑے۔ اور یہ ایک حیرت انگیز اتفاق ہی نہیں بلکہ میرے لیے ایک خوش خبری ہے کہ اس دور میں ان قبیلوں کا رُخ کیا جب میرا آقا مجھ تک پہنچا۔ میں پیش گوئی کرتا ہوں آقا کہ وقت کتنا بھی لگ جائے۔ لیکن اس کا اختتام بالآخر میرے آقا کے ہی ہاتھوں ہو گا جو اسے موت کی اس منزل میں...

پہنچا دے گا جسے وہ بھول چکی ہے اور جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ وہ اسے کبھی نہیں آنے دے گی۔ ہاں، میرا علم کہتا ہے کہ صدیوں پرانی انتقام کی اس کہانی کا اختتام میرا آقا ہی کرے گا۔" ماکازونگا وجد کے عالم میں بول رہا تھا۔ اور سلمان کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں خون کی سرخی لہرا رہی تھی اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

سلمان نے لہرے کہا تھا۔ وہ پُراسرار قوتیں اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہیں جو یہاں تک اس کی رہنمائی کر رہی تھیں۔ اس کی یہ بات سن کر میں کسی حد تک پریشان ہو گیا تھا۔ گویا سلمان کو ملنے والی مدد ختم ہو چکی ہے اور اب وہ کہیں مشکلات کا شکار نہ ہو جائے گا۔ لیکن ماکازونگا جیسے آدمی کو دیکھ کر مجھے کسی قدر تسلی ہو گئی تھی۔ یہ عجیب و غریب انسان جو بے پناہ صلاحیتوں کا مالک ہے، یقیناً سلمان کا بہترین دست راست ثابت ہو سکتا ہے۔

پھر ماکازونگا نے کہا۔

"وہ آدم خور قبیلے، جو میری وجہ سے اسپرا کے شدید خلاف ہو گئے، جنگ کرنے نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اسپرا کے علاقوں کے قریب و جوار میں پھیلے ہوئے قبائل پر ضرب کاری لگا رہے ہیں۔ نیز کیا ہو گا، میں اس کا علم نہیں رکھتا، کیونکہ یہ تمام چیزیں قبیلوں کی اور ان کے لڑنے والے جنگجوؤں کی صلاحیتوں پر منحصر ہیں۔ لیکن آقا میں نے اسپرا کو شدید ذہنی انتشار کا شکار کر دیا ہے۔ اس نے آج تک یہی جال پھیلایا ہوا تھا کہ اپنی جادوئی قوتوں کو بڑھانے کا راز کچھ قبائل کو مراعات بخش دی تھیں اور کچھ کو اس نے پسماندہ بنا دیا تھا۔ جن قبائل کو اس نے مراعات بخش دی تھیں، وہ پسماندہ قبیلوں پر حاوی تھے اور پسماندہ قبیلے ان کے ظلم و ستم کے بوجھ تلے سسک رہے تھے۔

میں نے ان پسماندہ قبیلوں کو ابھارا اور انہیں ان قبیلوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ اب یہ جنگ دور دور تک پھیل چکی ہے۔ اس سے میں اسپرا کی وہ انفرادی قوتیں توڑنا چاہتا تھا جن کی وجہ سے آقا کو کمک کرتی کامیابی نصیب نہ ہو...

ہاں... کو اپنی طاقت۔ تو اس کی بہت بڑی طاقت ان کھوپڑیوں کا مصرف ہے۔ اور اب وقت ہے کہ ہم اس تک پہنچ سکیں۔

سلمان بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ "میں اس تک پہنچنا چاہتا ہوں ماکازونگا، وہاں تک میری رہنمائی کر۔"

"آقا! میں نے تیرے لیے ایک لائحہ عمل مرتب کر لیا ہے اور وہ وقت دور نہیں، جب میں تجھے اس کے پاس روانہ کر دوں گا۔"

میں اور پروفیسر رازی ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن رہے تھے، پھر ماکازونگا نے کہا۔

"اس کا علم محدود ہے۔ وہ یقیناً اپنے علم کی قوتوں سے یہ پتہ چلا لے گی کہ تو کون ہے اور اس کے بعد وہ تیرے خلاف صف آرا ہو گی۔ لیکن آقا اس کی فکر نہ کرنا۔ صدیوں سے عظیم قوتیں تیری محافظ ہیں۔ اور وہ یہاں تجھے تنہا نہ چھوڑیں گی۔ ماکازونگا کا علم تیرے ساتھ ہے۔ میں تجھے ایک ایسی چیز دوں گا جس سے تو یہاں کے قبائل میں [illegible] جائے گا اور اسپرا کا جادو بھی تجھ پر پوری طرح اثر نہیں کرے گا۔ وہ چیزیں میں اپنے لیے استعمال نہیں کر سکتا تھا آقا! کیونکہ مجھے اس کی اجازت نہ تھی۔ وہ صرف تیری ملکیت ہے اور تیرے لیے محفوظ رکھی تھی۔"

رات کو جب سب لوگ سو گئے۔ تو رازی نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو یہ آدمی غلط معلوم ہوتا ہے۔"

"کیوں رازی؟" میں نے پوچھا۔

"بس اس کی حرکتیں کچھ مشتبہ نظر آتی ہیں۔ سلمان جوان ہے اور اس کے ذہن و دل میں انتقام کا سودا سمایا ہوا ہے۔ کوئی بھی باعلم شخص اپنی قوتوں سے کام لے کر کسی بھی شخص کے بارے میں معلوم کر سکتا ہے جس طرح سو تھانے ہمارے بارے میں معلوم کر لیا تھا۔ ماکازونگا چونکہ خود بھی اسپرا سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس لیے اگر جادو کے زور سے اس نے سلمان کا مقصد معلوم کر لیا تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہو گی۔ ایسی صورت میں تم سوچ لو کہیں تمہارا یہ ساتھی نوجوان کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائے۔"

"نہیں پروفیسر شیرازی، میں صرف اس کا دست راست ہوں۔ اسے ہدایت دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے تحت میں اسے روک نہیں سکتا۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ بہتر ہے۔ آگے اس کی تقدیر۔ البتہ تمہارے لیے میری پیشکش ابھی تک برقرار ہے۔"

نے دنیوی کی باتیں مت کرو۔ مجھے بار بار یہ کہہ کر رخصت نہ دو۔ میری زندگی میری اپنی نہیں ہے۔ میں نے اپنی ایک ایک سانس کو ہیزل کے لیے وقف کر دیا تھا، اور صرف اس کی بہتری کے لیے میں مہذب دنیا کا سفر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ہیزل مجھ سے چھن گئی۔ اب میں کیا کروں گا۔ کس طرح جیوں گا۔ مہذب دنیا میں جا کر کیا کروں گا، میں تو شاید ہی واپس نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اپنے جہاز جلا چکا ہوں۔" پروفیسر رازی نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر؟"

"میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ جس کے لیے جیتا تھا وہ بلا وجہ ہی مجھ سے علیحدہ ہو چکی ہے۔ اب کیا کروں گا؟ یہ بات ہنوز تشنہ ہے۔"

"حالات ہم لوگوں کو جس سمت لیے جا رہے ہیں پروفیسر، میری دلی خواہش ہے کہ تم بھی انہی کا ساتھ دو۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بابر! میں اس کے علاوہ کیا کر سکتا ہوں؟" پروفیسر رازی بولا۔

دوسری صبح حسب معمول بے حد خوشگوار تھی۔ ماکازونگا اور ہیزل ہمارے ساتھ غار میں نہیں رہتے تھے۔ وہ کہیں باہر نکل گئے تھے۔ پروفیسر رازی جب جاگا، تب ہی اسے معلوم ہوا کہ ہیزل غار میں نہیں ہے۔

وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا اور پھر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ہیزل کے ساتھ واپس آیا تھا۔ ہیزل مسکراتی ہوئی آ رہی تھی اور پروفیسر رازی کسی قدر مطمئن تھا۔ اس نے بدلے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا۔

"یہ لڑکی۔ یہ لڑکی تو بہت آگے بڑھ گئی ہے مسٹر بابر داودخان!"

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سوچو تو سہی، اب وہ ماکازونگا کا دم بھرتی ہے۔ جب کہ اس سے قبل اس کی نگاہ میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

"نہیں بابا! اب بھی تمہارا وہی مقام میرے ذہن میں ہے۔ لیکن میں محسوس کرتی ہوں کہ یہی میری منزل تھی۔ شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میں نے کئی بار خوابوں میں ایک شخص کو دیکھا ہے۔ بابا! میں نے اسے عجیب انداز میں دیکھا ہے۔ میں کچھ نہیں سمجھتی کہ میں اسے چاہنے لگی ہوں یا وہ صرف میرا خواب ہے۔ لیکن میں اسے دیکھتی رہی ہوں۔ میں نے اس کے ساتھ ساتھ بڑے جہازوں کی سیر کی ہے۔ میں نے اس کے ساتھ وہ دنیا دیکھی ہے جو تمہاری دنیا ہے اور مجھے اس کے بارے میں بڑی عجیب باتیں معلوم ہوئی ہیں۔"

"وہ کیا؟" پروفیسر رازی نے پوچھا۔

"بابا! وہ دنیا میرے لیے بڑی الجھی ہوئی ہے۔ میں جانتی ہوں میں اسے ہضم نہیں کر سکوں گی اور مجھے اتنی عجیب لگے گی کہ شاید میں پاگل ہی ہو جاؤں۔ لیکن بہرطور مجھے اس دنیا کو دیکھنے کا شوق تھا اور اگر وہ دنیا مجھے دیکھنے کو مل جائے تو میں اپنے آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھوں گی۔ تم میرے لیے فکر مند مت ہو بابا! میں سمجھتی ہوں کہ مجھے میری منزل مل گئی ہے اور یہی میرے لیے صحیح ہے۔"

"اور اگر تو اتنی خوش ہے تو پھر بھلا بوڑھے پروفیسر کو اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو تمہارے حکم کا تابع ہوں۔ لیکن بہرطور میری بچی مجھے خود سے جدا مت کرنا۔ جتنی بھی میری عمر رہ گئی ہے وہ میں تیرے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"بابا! ہم اس زندگی میں جدا نہیں ہوں گے۔ تم بے فکر رہو۔" ہیزل نے جواب دیا۔

پروفیسر رازی اب اچھا خاصا بدلا بدلا سا نظر آ رہا تھا۔ ماکازونگا کو بھی اس نے عزت کی نگاہ سے دیکھا جب کہ اس سے قبل ہمیشہ وہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

آج کا دن کل کی بہ نسبت خوش گوار رہا۔ شام کو حسب معمول کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ماکازونگا نے اپنی اسکیم کا دوسرا حصہ ہمیں بتایا۔

"کل صبح میرا آقا سلمان اور یہ عظیم بزرگ تم اسپرا کی رہائش گاہ کی جانب روانہ ہو جاؤ گے۔ میں تمہیں اس کے بارے میں جو کچھ بتاؤں گا اسے ذہن نشین کر لینا۔ جن وادیوں اور راستوں سے گزر کر تم جاؤ گے وہ پیچیدہ اور دشوار گزار ہیں۔ لیکن تمہاری رہنمائی قدم قدم پر ہو گی اور پراسرار قوتیں ہمیشہ تمہارا انتظار کرتی رہیں گی۔ چنانچہ کسی بھی مرحلے پر گھبرانے کی ضرورت نہیں، جو کچھ پیش آئے گا، وہ حالات کے تحت ہو گا۔

میں عظیم آقا یہ انگوٹھی تمہیں دیتا ہوں۔ بندر کے نشان والی یہ انگوٹھی تمہارے آباؤ اجداد کی امانت ہے۔ جو مجھ تک پہنچی تھی۔ اس کے ذریعے تم پر بہت سے راز ہائے پنہاں منکشف ہو جائیں گے اور اس کے ذریعے تمہیں بہت مدد ملے گی۔" ماکازونگا نے ایک انگوٹھی نکال کر سامنے رکھ دی۔

کسی قسم کی لکڑی یا ایسی ہی مضبوط چیز سے تراشی ہوئی تھی۔ یعنی اس کا تجرا اور اس پر بنا ہوا سر، لکڑی کے ایک ہی ٹکڑے سے تراشا گیا تھا۔ اور اتنا خوبصورت اور باریک کام سے منقش تھا کہ دیکھنے والے کو حیرت ہوتی تھی۔

ایک نگاہ دیکھنے سے اس پُراسرار انگوٹھی کی حیثیت سمجھ میں آ جاتی تھی۔ سلمان نے اسے بڑے احترام سے لے کر اپنے ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پہن لیا اور ماکازونگا مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم کل صبح روانگی کے لیے تیار رہنا۔ میں، ہیزل یا ہیزل کے علاوہ پروفیسر رازی تمہارے ساتھ نہیں جا سکیں گے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر تم غور کرنے لگو۔ حالات بھی یہی کہتے ہیں اور ضرورت بھی اسی بات کی ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم خود بھی اپنے مشن پر تنہا ہی نکلے تھے۔ ماکازونگا! چند افراد ہم نے ساتھ لیے تھے اور انہیں دھوکا دے کر یہاں لے آئے تھے۔ حالانکہ ہم نے انہیں ان کی کاوشوں کا مناسب معاوضہ دیا تھا لیکن بہرطور وہ بے ایمان تھے۔ انہوں نے ہماری خلاف سازشیں شروع کر دیں جس کی وجہ سے ہم نے انہیں چھوڑ دیا لیکن بہرطور ہم یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہمیں آخری منزل تنہا ہی طے کرنا ہو گی۔ اور اس کے لیے میں مکمل طور سے تیار ہوں۔" سلمان نے جواب دیا۔

"تم فکر نہ کرو میرے آقا، تمہارے ساتھ ایک روح ہو گی، قوت اور طاقت کی ایک روح جو ہر طرح تمہیں نقصان نہ پہنچنے دے گی۔ اب تم آرام کرو، تاکہ کل صبح سفر کی تیاریوں کے لیے چاق و چوبند ہو۔" ماکازونگا نے کہا اور حسبِ معمول ہیزل کو لے کر باہر چلا گیا۔

پروفیسر رازی دیر تک مجھ سے بات چیت کرتا رہا۔ سلمان اپنی سوچ میں گم تھا۔ پھر اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا پھر جب ہم نے محسوس کیا تو وہ سو چکا تھا۔

بہرطور پروفیسر رازی کو ہم نے بہت سے دلاسے دیے اور کہا۔

"پروفیسر! میری تو منزل یہاں تک ہی تھی۔ اگر وہ محسوس کرے کہ ہم رخصت ہو رہے ہیں اور اس کی زندگی یہاں بےکار ہو رہی ہے تو وہ اپنے طور پر کوئی قدم اٹھانے میں با اختیار نہ ہو گا۔" میں نے کہا۔

پروفیسر رازی خوفناک آنکھوں سے مجھے دیکھتا ہوا اپنی آرام گاہ میں واپس چلا گیا تھا۔

علی الصبح ہم لوگ جاگے تو رازی، ہیزل اور ماکازونگا بھی جاگ چکے تھے۔ انہوں نے ہمارے لیے رختِ سفر بھی باندھ دیا اور گویا ہم روانگی کے لیے بالکل تیار تھے۔ نقشے کی تمام سمتیں اس نے مجھے اور سلیمان کو سمجھا دی تھیں۔ اور بالآخر ہم اس عجیب و غریب غار سے جھیل کی شمالی سمت میں چل پڑے۔ گویا اب ہمارا سفر اپسرا کی وادی کی جانب تھا۔

سلمان بہت مطمئن تھا اور چونکہ یہاں رہ کر ہم بہت چاق و چوبند ہو گئے تھے۔ اور ہمارے پاس خوراک کا بہترین ذخیرہ موجود تھا اس لیے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی۔

دو آدمیوں کا یہ قافلہ گھنٹے بھر میں اس پہاڑی علاقے سے باہر نکلا اور دوسری پہاڑی بلندیوں تک پہنچ گیا۔ تقریباً نو یا دس میل آگے دلدل کی جھیل نظر آتی تھی جس پر سورج کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اور اس کی شعاعیں دلدل کو چاندی کی طرح جگمگا رہی تھیں۔ اس کے گرد میلوں تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔

دوپہر کو ہم دلدل کے کنارے پہنچ گئے۔ وہاں کھانا کھایا اور پھر اسی دلدل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک تو یہ راستہ بہت خوبصورت نظر آتا رہا لیکن آگے بڑھ کر اس میں کچھ دشواریاں پیدا ہوئیں۔ گو یہ دشواریاں بہت زیادہ پریشان کن نہیں تھیں مثلاً بعض جگہوں پر دلدل نرم تھی اور اس پر سفر کرنا ذرا مشکل تھا لیکن ہم نے احتیاط برتی۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھا اور ہم آگے بڑھتے رہے۔

لیکن ابھی تک یہ سفر سخت یا ناخوشگوار نہیں محسوس ہوا تھا۔ جیسے جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ یا تو یہی دلدل تھی یا پھر بڑے بڑے مینڈک اچھلتے ہوئے نظر آتے تھے یا پھر وہ چڑیاں جو کبھی کبھی اڑتی ہوئی نظر آتی تھیں بلکہ ایک طرح سے یہ کہا جائے کہ یہ چڑیاں پتلی دلدل کی رہنما تھیں تو غلط نہ ہو گا۔

کبھی کبھی سبز بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن آگے چل کر جو پریشان کن چیز ہمیں ملی وہ دلدل سے اٹھنے والے زہریلے بخارات تھے جو تنفس پر بار ڈال رہے تھے۔ خدا خدا کر کے شام کے قریب ایک سطح زمین ملی۔ اس علاقے میں کائی لگی تھی۔ مچھروں اور مینڈکوں کی وجہ سے ہم اسے آرام دہ جگہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ لیکن دلدل کے پریشان کن سفر کے بعد یہ قدرتی فرش ہمیں بہت غنیمت محسوس ہوا۔ یہاں ہم نے

رات کا کھانا کھایا۔

سلمان حسبِ معمول مطمئن تھا لیکن رات کو اسے سردی لگی اور بخار ہو گیا۔

میں نے جانوروں کی کھالیں جو ماکازونگا نے ہمارے سپرد کر دی تھیں۔ سلمان پر ڈال دیں۔ اس کے چہرے پر زردی پیدا ہو گئی تھی۔

بہرطور رات کو میں نے اس کی تیمارداری کی۔ پروفیسر رازی نے ہمیں کچھ بوٹیاں بھی دی تھیں۔ جن کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ یہ بوقتِ ضرورت کام آئیں گی۔ انہی میں سے ایک بوٹی اس نے بخار کی بھی دی تھی۔ میں نے یہی بوٹی سلمان کو استعمال کرا دی۔

آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے اور زمین پر خاموش سناٹا مسلط تھا۔ سلمان سو گیا تھا۔ میں چت لیٹا ستاروں سے آنکھیں لڑاتا رہا۔

دلدل زیادہ دور نہیں تھی۔ اور زہریلے بخارات اُٹھ اُٹھ کر کاٹنے کو دوڑ رہے تھے۔ خدا خدا کر کے نیند آئی اور ان پریشان خیالات کا خاتمہ ہوا۔

صبح کو آنکھ کھلی، سورج نکل آیا تھا۔ میری نگاہ بے اختیار سلمان کی طرف اُٹھ گئی۔ سلیمان بیٹھا ہوا قرب و جوار کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ اور شکل سے کافی مطمئن نظر آ رہا تھا۔ گویا حکیم رازی نے جو دوا دی تھی وہ بڑی کارگر ثابت ہوئی۔ میں نے اس کی خیریت پوچھی تو اس نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"بس ٹھیک ہوں۔ لیکن عجیب بخار تھا۔ ذرا سی دیر میں زبردست کمزوری محسوس ہو رہی ہے۔"

"بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں سے تھوڑا سا آگے بڑھیں اور کوئی ایسی جگہ تلاش کریں۔ جہاں تم مکمل طور پر آرام کر سکو۔ سفر ایک آدھ دن میں شروع ہو جائے گا۔"

"نہیں چچا جان! یہ مناسب نہیں ہے۔ میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں کہ اس معمولی سے بخار سے تھک کر بیٹھ جاؤں۔"

"لیکن سلمان! میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہیں مزید بخار آئے۔ یہ علاقہ ویسے بھی کچھ ناخوشگوار سا ہے۔"

"نہیں چچا جان! ہم سفر کریں گے۔ میں جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچ جانا چاہتا ہوں۔"

سلمان نے مجھے مجبور کر دیا۔ بہرطور ہم آگے چل پڑے تین گھنٹے تک کوئی غیر معمولی بات نہ ہوئی اور ہم اس دلدلی علاقے سے دور نکل آئے۔ گویا اب اس دلدل سے پیچھا چھوٹ گیا تھا۔

اب راستہ پھر کسی قدر خوشگوار ہوتا جا رہا تھا۔ دوپہر سے پہلے ہم ایک انتہائی پُرفضا مقام پر پہنچ گئے۔ کوسوں تک سبزہ زار پھیلا ہوا تھا جس میں جابجا پھول بکھرے ہوئے تھے۔ ایسے حسین اور ایسے دلکش کہ بس نگاہ نہ ہٹے۔ پھولوں کے تختے اس طرح نظر آ رہے تھے۔ جیسے انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہوں۔

سامنے کی سمت ایک پہاڑ تھا۔ جو حسین سبزہ زاروں سے لدا کھڑا ہوا تھا۔ اس پر چھوٹے چھوٹے درخت اُگے ہوئے تھے۔ شاید کوئی پندرہ سو فٹ کی بلندی پر قلعے کی سی فصیل نظر آتی تھی۔ جو اندازاً بارہ تیرہ سو فٹ بلند ہو گی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ یہ فصیل نہیں تھی۔ بلکہ پتھر کی چٹانیں تھیں جنہوں نے مل کر ایک دیوار قائم کر دی تھی۔

بے پناہ حسین خطہ تھا یہ، یہاں آ کر طبیعت پر ایک خوشگوار سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ ہم پہاڑ کی جانب چل پڑے۔

سامنے ہی ایک سڑک نظر آ رہی تھی جو سیدھی پہاڑ پر جاتی تھی۔ لیکن اس سڑک کے دونوں پہلوؤں پر کنارے بنے ہوئے تھے۔ جو جگہ جگہ سے ٹوٹ گئے تھے۔

اس سڑک کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اگر یہ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ ہے تو پھر ان پہاڑوں کو توڑنے کا ذریعہ کیا ہوا ہو گا۔ زمانہ قدیم میں ڈائنامائیٹ وغیرہ کا بھی وجود نہیں تھا۔ اور اس کے بغیر پہاڑوں کو اس طرح کاٹ کر ہموار کر دینا ناقابلِ یقین سی بات تھی۔ لیکن یہ منظر ہمارے سامنے تھا۔ قرب و جوار میں وہی سبزہ زار حسین ترین نظارے پیش کر رہا تھا۔ دل ان نظاروں کو دیکھ کر جھوم جھوم جاتا تھا۔ کبھی کبھی سبز چمن کے درخت اور کبھی لمبے لمبے کھجوروں کے درخت تھے۔ جو سو فٹ سے کم اونچے نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک درخت پر شہد کی مکھیوں کے چھتے لگے ہوئے تھے۔

خرگوش، بارہ سنگھے اور ہرن اس طرح نظر آ رہے تھے۔ جیسے یہ علاقہ بلا شرکتِ غیرے ان کی ملکیت ہے۔ اس طرح گھومتے پھر رہے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ اتنا شکار دیکھ کر ہم دونوں کے منہ پانی بھر آیا۔

سلمان فوراً نشانہ لگانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے گولی چلا دی۔ نشانہ ایک بارہ سنگھے کو تھا۔ گولی بارہ سنگھے کا کندھا توڑتی ہوئی نکل گئی۔ اور ہم دونوں اس طرف دوڑ پڑے۔ بارہ سنگھے کو ذبح کیا۔ اس کو دیکھتے ہی طبیعت میں ایک جولانی سی آگئی تھی۔ اور ہم لوگ بے حد خوش تھے۔ بارہ سنگھے کا گوشت بھوننے میں کافی وقت لگ گیا۔ اور اس کے بعد مزے لے لے کر ہم نے یہ لذیذ گوشت کھایا اور اس کے بعد ہم نے سفر کا آغاز کر دیا۔

غروب آفتاب سے کچھ دیر پہلے ہم اس پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ پھر اور آگے بڑھے کہ شام کی سیاہی نے ہاتھ پھیلا کر اس ماحول کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس وقت ہم ایک ایسے راستے میں تھے جو ایک پہاڑ کو درمیان سے کاٹ کر بنایا گیا تھا۔

بہر طور ان تمام چیزوں کو دیکھ دیکھ کر اسپرگ کی پُراسرار قوتوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ ہم یقیناً اس کی سرحد پر پہنچ گئے تھے۔

اس کا اندازہ ہمیں دوسری صبح ہو گیا جب جاگے تو سورج بھرپور چمکا ہوا تھا۔ لیکن سورج کی روشنی میں ہم نے جن لوگوں کو دیکھا، انہیں دیکھ کر ہم بھونچکا رہ گئے تھے۔ ہمارے ہاتھ بے اختیار اپنے ہتھیاروں کی جانب بڑھے لیکن پھر دوسرے لمحے ہم مایوسی سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گئے۔ ہمارے تمام ہتھیار ان لوگوں کے قبضے میں تھے۔

نظر آنے والے تقریباً پچاس افراد تھے جو مختلف جتھوں میں کھڑے چمکدار بھالے ہاتھوں میں لیے ہمیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے بدنوں پر مخصوص قسم کے لباس تھے۔ غالباً بھیڑوں کی کھالوں کے عبا نما لباس جو دیکھنے میں کافی خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ سروں پر بھی انہی کھالوں کا بنا ہوا خود سا پہنا ہوا تھا۔ ان سب نے۔

میں نے اور سلمان نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور سلمان آہستہ سے بولا۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔ گویا ہم اسپرگ کے قیدی بن گئے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے؟ بہرطور میرا خیال ہے۔ ان مسلح لوگوں سے بھڑنا اچھا نہیں ہوگا۔ اب جب کہ ہم ان کی نگاہ میں آ ہی گئے ہیں۔ تو پھر بہتر یہی ہے کہ خود کو ان کے حوالے کر دیں۔ ممکن ہے وہ اسپرگ لے جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں چچا جان!" سلمان نے کہا۔

ہمیں گھیرے میں لیے ہوئے لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ ہم جاگ گئے ہیں تو ان کا گھیرا کچھ تنگ ہونے لگا۔ پھر دو آدمی چلتے سامنے آ گئے۔

وہ رکوع کے سے انداز میں میرے اور سلمان کے سامنے جھک گئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"پہاڑوں کی عظیم ملکہ، ناقابل تسخیر سورج کی بیٹی، آسمان سے ہدایت حاصل کرنے والی تمہیں اپنی سرحد میں خوش آمدید کہتی ہے۔ اور جاننا چاہتی ہے کہ تم کون ہو اور کس غرض سے آئے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟ یوں لگتا ہے کہ تمہارا تعلق افریقہ کی سیاہ وادیوں سے نہیں۔ بلکہ تم اس دوسری دنیا کے لوگ ہو جہاں کے رہنے والے اپنے جادو میں کمال حاصل کر چکے ہیں۔ اور ایسی ناقابل یقین زندگی گزار رہے ہیں۔ جن کے بارے میں سن کر حیرت ہوتی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟"

سلمان نے میری طرف دیکھا۔ گویا اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ کس قسم کی گفتگو ان سے کرنا مناسب ہوگی۔ میں اس دوران دل میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کے مطلب کی گفتگو کرنا مناسب ہوگی۔ کیونکہ ان بے شمار تنومند لوگوں سے مقابلہ ناممکن تھا چنانچہ میں نے جلدی سے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔ ہم اس دنیا کے باشندے ہیں اور سیاحت کی غرض سے اس صحرا میں آ گئے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ کون سی سرحد کس کی ہے۔ اگر ہم تمہاری ملکہ کی سرحد میں آ کر کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمیں اس کا افسوس ہے۔"

"عظیم المرتبت کی ہدایت ہے کہ اگر آنے والے نیک طبع اور تعاون کرنے والے ہوں تو انہیں باعزت و احترام اس کے حضور میں لایا جائے۔ اگر وہ خود سر اور سرکش ہوں اور کسی کا احترام کرنے والوں میں سے نہ ہوں تو ــ انہیں ختم کر دیا جائے۔"

"فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے جیسے پسند کرو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم ملکہ کے حکم سے انحراف نہیں کر سکتے۔ یوں بھی تم لوگ شکل و صورت سے بھی اور گفتگو سے بھی اچھے انسان معلوم ہوتے

ہو، اس لیے ہماری پیشکش ہے ہمارے ساتھ چلو۔"

"ہم اس پیشکش کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔"

"تم صرف دو ہو؟"

"ہاں، صرف دو۔" میں نے جواب دیا۔ اور اس شخص نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ کر کے دو گھوڑے طلب کیے۔ ہمارے لیے دو گھوڑے فوراً آگئے تھے۔

میں اور سلمان ان پر سوار ہو کر ان عجیب و غریب لوگوں کے درمیان چل پڑے۔ گھوڑے قد آور اور سدھے ہوئے تھے۔ اور ان پر سفر کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس شخص کا رویہ بہت بہتر تھا جو ہمارا رہنما تھا۔

سلمان نے چونکہ اندازہ کر لیا تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ مکمل تعاون کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے وہ پُرسکون تھا اور گھوڑے سے گردن گھما گھما کر قرب و جوار میں پھیلے ہوئے حسین مناظر کا نظارہ کر رہا تھا۔ بالآخر ہم اس درے کے آخری سرے تک پہنچ گئے۔ بالکل ہی سامنے ایک عجیب سی جگہ نظر آئی تھی۔ غالباً پہاڑ کی گہرائیوں میں کوئی ندی بہتی تھی۔ اس کی گزرگاہ میں سے گزر کر ہمیں آگے بڑھنا تھا۔

ندی کے کنارے پہنچ کر چند لمحات کے لیے وہ لوگ رکے۔ اور انہوں نے گھوڑے کی زینوں میں اڑسی ہوئی مشعلیں نکال لیں۔ حالانکہ باہر کافی روشنی تھی۔ لیکن یقیناً اس سرنگ میں شاید طویل سفر کرنا تھا۔ اور اس وجہ سے یہ مشعلیں روشن کی جا رہی تھیں۔

روشنی کر دی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ شخص ہمارے قریب پہنچا اور اس نے زرد پٹیاں نکال کر ہمیں دے دیں۔ پھر وہ بولا۔

"ملکہ عالیہ کے اصولوں کے مطابق ان کے حضور تک پہنچنے والوں کو ان راستوں سے ناواقف رکھا جاتا ہے۔ اس لیے تمہیں یہ پٹیاں اپنی آنکھوں پر باندھنی ہوں گی۔"

"اور ہمارے گھوڑے ــ ہم انہیں صحیح راستوں پر کیسے چلا سکیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی ذمہ داری تم ہم پر چھوڑ دو۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

میں اب ان سے تعاون کا فیصلہ کر ہی چکا تھا۔ اس لیے اب ان کے کسی مسئلے میں ٹانگ اڑانا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ پٹیاں ہم نے خود ہی اپنی آنکھوں پر باندھ لیں۔ ان لوگوں نے غالباً ہمیں دیکھ کر اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ پھر ان میں سے کسی نے ہمارے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لیں اور ہم اس عجیب و غریب ندی میں سفر کرنے لگے۔

گھوڑوں کے پیروں سے ندی میں چھپاکے پیدا ہو رہے تھے۔ اور وہ سست روی سے سفر کر رہے تھے۔ میں کوشش کے باوجود اس گھماؤ پھراؤ کا کوئی اندازہ نہیں کر سکا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ندی بہت بل کھاتی ہوئی کئی موڑوں میں داخل ہوئی ہو اور وہاں سے آگے بڑھی ہو۔ عجیب و غریب چیز تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں اس راستے سے واپس آنا چاہوں تو صحیح سمت اختیار نہیں کر سکتا۔ یقیناً پٹیاں باندھنے کا مقصد کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم دوسری طرف نکل آئے۔ روشنی کا احساس بند آنکھوں سے ہی ہو گیا تھا۔ بہر طور ہمیں پٹیاں کھول لینے کی اجازت مل گئی۔

میں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے دوسرے پہلو میں ہیں۔ اتنے بڑے پہاڑ کو اس قدر جلد طے کر لینے کے بعد مجھے بڑا تعجب ہوا تھا۔ ادھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ چڑھائی کہ ہم بہت اونچا محسوس کر رہے تھے۔ وہ بہت ہی قریب تھی۔ شاید دو سو فٹ اونچی رہی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس طرف کی زمین اس طرف کی زمین سے بہت اونچی ہے۔ اب نامعلوم اس کو ضرورتاً اونچا کرنا پڑا تھا یا وہ قدرتی اونچی تھی۔

بہرحال اس وقت ہم نے خود کو ایک بڑی پہاڑی پر پایا جو بالکل ــ ایک پیالے کی وضع قطع کی تھی۔ عجب نہیں کہ یہ پہاڑ کسی زمانے میں آتش فشاں رہا ہو۔ گرد و پیش کے تمام میدانوں میں کھیتیاں لہرا رہی تھیں اور بھیڑ بکریاں بڑی آزادی سے کلیلیں کرتی پھر رہی تھیں۔

اس کے بعد کچھ کھنڈر نظر آئے۔ لیکن ہم ان تمام مناظر کو بغور نہ دیکھ سکے۔ ہم نے ان لوگوں کو آتے دیکھا جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان لوگوں سے کسی قدر مختلف لباسوں میں تھے۔ جو ہم لوگوں کو یہاں تک لائے تھے۔

آنے والے ہمارے قریب پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر سینے پر ہاتھ رکھ کر گویا سلام کیا اور پھر ہماری کمان ان کے سپرد کر دی گئی۔ وہ لوگ جو ہمیں یہاں تک لائے تھے، ہمیں ان کے حوالے کر کے آگے بڑھ گئے۔ گویا اب ہم ان نئے لوگوں کے سپرد کر دیے گئے تھے۔

نے لوگوں میں سے اسی شخص نے جس نے آگے آکر ہمیں سلام کیا تھا، ہماری رہنمائی کے فرائض سنبھال لیے تھے۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک ہمارا یہ قافلہ سفر کرتا رہا اور پھر ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے پاس ہمیں ٹھہرا دیا گیا۔

وہاں بہت ہی بلند و بالا تھا۔ یہاں ہمیں گھوڑوں سے اتار دیا گیا۔ غار کے دہانے کے دوسری طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب و غریب جگہ تھی۔ بہرطور ہم اس میں داخل ہو گئے۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد یہ تاریکی چھٹ گئی۔ دیواروں میں مخصوص طرز کی مشعلیں تھیں۔ یہ مشعلیں دیواروں میں پیوست تھیں۔ اور ہم نے ان میں کیا جل رہا تھا کہ ایک ہلکی سی خوشگوار خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔

دیواریں منقش تھیں اور یہ نقوش بھی قدیم مصری طرز کی تھیں۔ مصر سے بہت دور اس عجیب و غریب علاقے میں مصری طرز زندگی دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

ہم غار کی ایک محراب سے گزر کر دوسری محراب میں داخل ہو گئے پھر بائیں طرف مڑے۔ یہاں بڑے بڑے دروازے بنے ہوئے تھے۔ اور ان دروازوں پر مسلح پہرے دار کھڑے ہوئے تھے۔ یقیناً ہم اہپرا کی وادی میں آ پہنچے تھے۔ اور یہ سارا نظام اہپرا کے سلسلے میں تھا۔ اس کی رہائش گاہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہوگی۔ تھوڑے ہی فاصلے پر چل کر ہمیں ایک بہت ہی بڑا کمرہ نظر آیا جس کے دروازے پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ ہمارے رہنما نے یہ پردہ اٹھایا اور گردن جھکا کر ہمیں اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔ اندر داخل ہونے تو اس کمرے کو نہایت خوشنما اور جاذب نظر پایا۔

پتھروں کے بستر بنے ہوئے تھے جن پر چیتوں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ ایسی ہی کھالیں اوڑھنے کے لیے بھی موجود تھیں۔ پانی سے بھرے ہوئے کچھ برتن رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں آرام کرنے کی ہدایت کی اور کہنے لگا۔

"تمہیں جس چیز کی طلب ہو، دروازے پر کھڑے پہرے دار سے مانگ لینا۔ تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے گردن ہلائی اور وہ باہر نکل گیا۔ میں اور سلمان ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے۔ سلمان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ یہ آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں۔ اس کا چہرہ شفاف ہو رہا تھا۔ بجائے اس پر کیا اہپرائی کیفیت طاری تھی ـــــ حالانکہ طویل سفر نے تھکا دیا تھا لیکن کچھ اس طرح کی تھکن ذہن و دل پر طاری ہو گئی تھی کہ جی چاہتا تھا آرام کیا جائے۔ چونکہ اس وقت نہ تو کوئی حاجت تھی اور نہ ہی کوئی اور احساس۔ اس لیے ہم نے اس چاہت پر عمل کیا۔ میں اور سلمان برابر برابر دو چوکیوں پر بیٹھ گئے۔ بڑی نرم اور آرام دہ کھالیں بچھی ہوئی تھیں۔ غالباً اس کے نیچے کوئی اسفنج نما شے موجود تھی۔ جس کے ذریعے ان پتھریلی چٹانوں کو گدے دار بنا دیا گیا تھا۔ دفعتاً سلمان ہنس پڑا اور میں نے چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے سلمان! کون سے خیال پر تمہیں ہنسی آ گئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں چچا جان! آپ ناراض ہو جائیں گے۔" سلمان بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مجھے جس بات پر ہنسی آئی ہے وہ آپ کو پسند نہیں آئے گی۔" سلمان نے بتایا۔

"اس کے باوجود میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے اصرار کیا۔

"اس وقت مجھے آپ کے حال پر ہنسی آئی ہے چچا جان!" سلمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب، خوب۔ واقعی میرے حال پر ہنسنے کے علاوہ تم اور کیا کر سکتے ہو؟"

"معافی چاہتا ہوں چچا جان، میں نے کہا تھا ناکہ آپ ناراض ہو جائیں گے۔"

"اس کے باوجود میں ناراض نہیں ہوا لیکن میرے حال سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"چچا جان! میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ کے ساتھ مستقل زیادتی ہوتی رہی ہے۔"

"کیوں سلمان؟"

"دیکھیں نا، آپ اپنا ملک چھوڑ کر سرزمین مصر آئے وہاں آباد ہو گئے۔ پتہ نہیں زندگی کی لطافتیں کس حد تک آپ کے ہمرکاب رہیں۔ لیکن جب سے میں آپ کی تحویل میں آیا آپ کو الجھنوں سے ہی دوچار ہونا پڑا۔"

"سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ یہاں تم اپنی محبتوں کا کوئی تصور اپنے ذہن میں نہیں رکھتے۔"

"نہیں چچا جان! میں ان محبتوں کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔ کس طرح انسان کو ذلیل و خوار کرتی ہیں۔"

"گویا میں ذلیل و خوار ہو رہا ہوں؟"

"نہیں میں یہ بات تو نہیں کہوں گا۔ لیکن جو پریشانی آپ کو میری ذات کی وجہ سے اٹھانا پڑی ہے، کیا میں اس سے واقف نہیں ہوں؟"

"نہیں سلمان۔ میں تمہارے عشق میں تہہ دل سے شریک ہوں مگر تم تنہا ہوتے۔ تب بھی یہی سب کچھ کرتے لیکن یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ سلمان میں نے بھی اپنی زندگی میں بہت مختلف لوگوں سے رابطہ رکھا ہے۔ ایک مرتبہ عجیب سب کچھ چھن گیا۔ اور اس چھن جانے کو میں نے غنیمت سمجھا۔ بلاوجہ ہو کر اپنی دنیا سے یہاں پہنچا تھا کہ یہاں کچھ ایسے لوگ مل گئے۔ جنہوں نے زندگی کو خوشگوار لمحات بخش دیے اور اب تو میں صرف ایک شخص ہوں تمہاری ذات سے وابستہ۔ تمہارے وجود کا ایک حصہ۔"

"چچا جان! آپ یقین فرمائیے کہ میں اس دنیا میں سب سے زیادہ آپ کی عزت کرتا ہوں۔"

"یہ تمہاری محبت ہے سلمان! میں بھی تمہیں اتنا ہی چاہتا ہوں۔"

"میں سوچ رہا تھا چچا جان کہ اب اس کے بعد کیا ہوگا؟"

"تم بتاؤ سلمان! کیا خیال ہے تمہارے ذہن میں؟"

"میں کچھ نہیں، ہم دو افراد باقی رہ گئے ہیں۔ وہ طلاقت ہمارے درمیان سے چھٹ گئی جیسے بلاشبہ ہم اپنی مقصد برآری کے ساتھ ساتھ لائے تھے۔ لیکن ہم نے ان کے ساتھ جو نیک نفسی کا سلوک بھی کیا تھا انہیں وہ سب کچھ دے دیا تھا جو ان کی طلب ہو سکتی تھی اور ممکن تھا کہ اگر مصر لے آتے تو وہ ہمارے ساتھ ہمارے مشن میں شریک رہتے اور ہمیں کامیابی حاصل ہو جاتی تو ہم انہیں کچھ اور بھی دے دیتے۔ لیکن ان کی نیتیں واضح ہو گئیں اور وہ ہم سے کٹ گئے۔"

"ہاں ان کا کٹ جانا ہی بہتر ہوا کیونکہ اب ہم جن حالات سے دوچار ہونے والے ہیں۔ ان میں پتہ نہیں ان لوگوں کی کیا حیثیت ہوتی۔ ویسے اب آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا خیال ہے آپ کا، کیا ہم اہپرا کے حضور پہنچ گئے ہیں؟"

"سلمان! میرا خیال ہی ہے۔ ہمیں اپنی گفتگو میں احتیاط رکھنی چاہیے۔ کیونکہ یہ طلسم نگری ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دیواریں کیا حیثیت رکھتی ہیں۔ ممکن ہے ہماری آوازیں یہاں سے سنی جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک کہا چچا جان آپ نے۔ لیکن ہمیں حالات پر تبصرہ تو کرنا ہی ہے۔ اس کے لیے ہم کیا کریں؟"

"سرگوشیاں۔ تم میرے نزدیک آ جاؤ۔" میں نے کہا۔ اور سلمان اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے نزدیک آ گیا۔

"لیٹ جاؤ سلمان! میں جانتا ہوں کہ تم بھی آرام کی طلب محسوس کر رہے ہو۔ عجیب سی تھکن ہو گئی تھی ان پہاڑوں میں سفر کرتے ہوئے۔"

"ہاں، آپ نے صحیح کہا۔ واقعی تھکن کا شدید احساس ہو رہا ہے۔" سلمان نے مجھ سے اتفاق کیا۔

کافی دیر گزر گئی۔ پھر دو سیاہ فام حسین لباسوں میں ملبوس تھے اور ہاتھوں میں چاندی کے تھال لیے ہوئے تھے۔ ہماری اس آرام گاہ میں داخل ہوئے۔ رکوع کے انداز میں ہمارے سامنے جھکے اور دونوں نے بیک آواز کہا۔

"ملکہ نادیہ تمہیں طلب کرتی ہیں۔ ہمارے ساتھ آؤ۔"

میں نے اور سلمان نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور ہم گہری سانسیں لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

دونوں سیاہ فام ہمارے آگے آگے چل رہے تھے پھر وہ ایک طویل فاصلہ طے کر کے ایک بہت بڑے غار کے دہانے کے سامنے پہنچے جہاں دو شخص کھڑے۔ بتوں کی طرح پہرہ دے رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر دونوں نے جھک کر ہمیں سلام کیا اور غار کے دروازے پر پڑا ہوا حریری پردہ اٹھا دیا۔

اندر داخل ہوئے تو یہ غلام گردش اور اس کے کمرے بھی بالکل ویسے ہی تھے جن میں ہم لوگوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ آگے بڑھ کر پھر دو مرد اور دو عورتیں ملیں۔ وہ سب بھی ہم کو دیکھ کر جھک گئے۔ لیکن کسی کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی شاید گونگے تھے۔

وہ سیاہ فام تو پہلے ہی مرحلے پر رک گئے تھے۔ اور یہاں تک ہم تنہا آئے تھے۔ لیکن یہاں سے وہ دونوں عورتیں ہمارے ساتھ ہو لیں۔ مرد پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں کئی پردے طے کر کے بالآخر ایک کمرے تک پہنچ گئے۔ یہاں بہت سی حسین عورتیں کھڑی تھیں۔

دو چار قدم طے کر کے پھر ایک دروازہ ملا۔ خیال ہوا کہ اس کے آگے کوئی اور کمرہ نہیں ہوگا۔ یہاں بھی دو مرد کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہمیں سلام کیا اور پردہ اٹھا لیا۔

یہ کمرہ بھی خاصا وسیع و کشادہ تھا۔ یہاں بھی دس بارہ خوبصورت عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے ہماری جانب دیکھ رہی تھیں، البتہ میں نے محسوس کیا کہ سلمان کو دیکھ کر ان کی کیفیت عجیب ہو جاتی تھی۔

پھر ان میں سے ایک عورت اٹھی اور اس نے ایک ادا کے ساتھ اپنے نازک ہاتھوں سے سامنے والا پردہ ہٹا دیا۔ اس کمرے سے گزر کر ایک اور کمرے میں پہنچنا پڑا۔ ہم تو تنگ آ گئے تھے۔ اس تہ در تہ کمروں کے سفر سے۔ آخر ہم ایک وسیع و عریض ہال نما کمرے میں پہنچ گئے۔

اس کمرے کا طول و عرض بے حد وسیع تھا۔ پردے اتنے حسین تھے کہ بس دیکھتے رہیئے۔ البتہ یہاں کوئی پہرے دار مرد یا عورت موجود نہیں تھا۔

ہمارے ساتھ آنے والے سب پیچھے رک گئے تھے اور اب ہم دونوں اس وسیع کمرے میں تنہا تھے۔ کوئی اور دروازہ نظر نہیں آتا تھا۔ اس کا مقصد تھا کہ یہ کمرہ وہ آخری جگہ ہے۔ جہاں ہمیں ملکہ کے دیدار پیش ہونا ہے۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا پھر داخلی دروازے کے پردے کو حرکت ہوئی اور ہم دونوں متجسس نگاہوں سے دروازے کی سمت دیکھنے لگے۔

ایک نہایت ہی خوبصورت گورے ہاتھ کی انگلیوں نے پردہ ہٹایا اور اس کے ساتھ ہی ایک انتہائی دلکش آواز سنائی دی۔

"تہذیب کی دنیا سے آنے والے اجنبی لوگو! تم کون ہو اور تمہارا وجود میرے علم سے پوشیدہ کیوں ہے۔ کون سی ایسی شے ہے تمہارے وجود میں جو تمہیں ملفوف کیے ہوئے ہے؟"

پردہ ہٹانے والی ہمارے سامنے نہیں آئی تھی لیکن اس کی آواز کا سحر ہمارے ذہن و دماغ پر حاوی ہوتا جا رہا تھا۔ ایسی حسین آواز کہ لگتا تھا بہت سے جلترنگ بیک وقت بج اٹھے ہوں۔

ہماری طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ ملک کے بھکے بالائے میں ملبوس سر سے پاؤں تک ڈھکی ہوئی ایک عجیب و غریب شخصیت ہماری نظروں کے سامنے کھڑی ہوئی تھی جس کی آنکھوں کی ——— جگہ صرف دو سوراخ تھے، انتہائی حسین طرز کے اس برقعہ نما لباس میں اس کے بازو عریاں تھے۔ اور ان عریاں بازوؤں کو دیکھ کر اس کے حسن کا احساس ہوتا تھا۔

ایسے سڈول جیسے سنگ مرمر سے تراشے ہوئے ہوں۔ ایسے سفید جس کے بعد سفیدی کا تصور ذہن سے محو ہو جائے۔ سرو قامت اور انتہائی متناسب بدن کا احساس اس کے لباس سے ہوتا تھا۔ بال سیاہ ریشم کے لچھوں کی مانند گھٹنوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ اور یہ بال ہاتھوں کے علاوہ ایسے تھے جنہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

ہم دونوں اس ہیولے کو دیکھ کر مبہوت رہ گئے تھے۔ وہ ہیولہ چند قدم آگے آیا اور پھر ایک زرنگار کرسی پر براجمان ہو گیا۔

"تم لوگ خاموش کیوں ہو؟ کیا مجھ میں کوئی ایسی بات ہے کہ تم مجھے دیکھ کر ڈر جاؤ۔ اجنبی! مردوں کی طرح مجھ سے گفتگو کرو۔ میں نے تمہیں دوستوں کی طرح طلب کیا ہے۔"

میں نے ایک جھرجھری سی لی اور اس سے گفتگو کرنے کے لیے سنبھل گیا۔

"آپ نے کہا ملکہ عالیہ! کہ ہم ملفوف ہیں۔ ہم اس کا مطلب نہیں سمجھ سکے۔"

ایک نقرئی ہنسی ہمارے کانوں میں گونج گئی اور پھر وہی خوبصورت آواز سنائی دی۔

"ہاں! میری سرزمین میں داخل ہونے والے میری نگاہوں سے دور نہیں ہوتے۔ تم بھی میری نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ جب تم نے میری سرحد پر قدم رکھا تب ہی مجھے علم ہو گیا کہ دو اجنبی میرے علاقے میں آئے ہیں۔ میں نے اپنے علم کی روشنی میں ان کی ماہیت جاننے کی کوشش کی لیکن مجھے سفید دھوئیں کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا اور یہ بات میرے لیے تحیر کن ہے۔ میرا علم مجھے بتا دیتا ہے کہ کون دشمن ہے اور کون دوست۔ میرے سامنے آنے والے اپنا ماضی مجھ سے کہتے ہیں، لیکن تم تم میری نگاہوں سے دور رہے۔ میں نہیں جانتی کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو؟ اور کیوں آئے ہو۔ جب کہ میرے لوگوں نے مجھے بتایا۔ بلکہ تم نے ان سے کہا کہ تم آوارہ گرد ہو اور صحرائے اعظم میں آنے والے دوسرے لوگوں کی مانند حسین پتھروں کو یہاں سے چور کر کے جاتے ہیں اور اپنی مہذب دنیا میں شاید ان سے اپنی ضروریات زندگی حاصل کرتے ہیں۔

ایسے بے شمار افراد صدیوں سے یہاں آتے رہے ہیں اور

میں نے ان میں سے ان کا انتخاب کیا جنہیں یہاں سے واپس جانا ہو۔ اور جو یہاں سے جانے کے قابل نہ ہوں انہیں میں محفوظ کر لیتی ہوں۔"

"اس انتخاب کی نوعیت کیا ہوتی ہے ملکہ عالیہ؟"

"جو کچھ بھی ہو تمہیں بتائی نہیں جا سکتی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تمہاری اپنی شخصیت کیا ہے۔ کیا تم جادوگری سے واقف ہو؟ کیا تم اپنے آپ کو عام نگاہوں سے بھی پوشیدہ رکھ سکتے ہو؟"

"ہم نہیں کہہ سکتے ملکہ عالیہ! کہ ایسا کیوں ہوا۔ ہم عام قسم کے سیاح ہیں اور آپ کا یہ خیال درست ہے کہ ہم چمکدار پتھروں کی تلاش میں آئے ہیں۔"

"اور یہ نوجوان شخص کیا بولتا ہے جو حسن و جمال میں بے مثال ہے اور جسے دیکھ کر ہمارا ذہن بھٹکنے لگتا ہے" اس نے سلمان کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

"میں اس کا ترجمان ہوں۔ یہ جو کچھ کہے گا۔ وہ مختصر الفاظ ہوں گے لیکن میرے ہی جذبات کی ترجمانی کریں گے۔"

"گویا تم ان کے ترجمان ہو۔" حسین ملکہ جس کا حسن ابھی ہماری نگاہوں سے اوجھل تھا لیکن اس کی ایک ایک جنبش اظہار کرتی تھی کہ اگر یہ سفید پردہ اس کے چہرے سے ہٹ جائے تو شاید ہم اس کے جمال کی تاب نہ لا سکیں۔ بڑی شان سے اپنے حسین اور مترنم لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ کیونکہ میرا ساتھی بہت کم گو ہے اس لیے میں اس کا بھی ترجمان ہوں۔"

"لیکن جو لوگ ہماری قلمرو میں آ جاتے ہیں اور ہمارے لیے اجنبی ہوتے ہیں، انہیں سزا دی جاتی ہے۔ کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ ہماری اجازت کے بغیر یہاں داخل ہو اور تم بھی انہیں لوگوں میں سے ہو۔" ملکہ نے کہا۔

"اگر یہ ملکہ عالیہ کا قانون ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم دو آدمی دور کے مسافر انسان بھلا اس عظیم ملکہ کے قانون کو کس طرح توڑ سکتے ہیں؟ ہمارے لیے جو بھی سزا تجویز ہو، ہم اسے قبول کرنے کو تیار ہیں۔" میرے ان الفاظ پر آنکھیں مسکرائیں، ہونٹوں کی مسکراہٹ کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ سفید پردہ میں چھپے ہوئے تھے۔

ملکہ نے ایک ہاتھ اٹھایا اور مجھے اور سلمان کو ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ قرینے سے ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ سامنے ہی میز پر کوئی پھل جیسی چیز رکھی ہوئی تھی۔ پلنگ کے پائینتی سنگ مرمر کے ایک بہت ہی خوشنما پیالے میں پانی بھرا ہوا تھا۔ جس کے اطراف میں تین چراغ جل رہے تھے۔ تمام کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ خدا جانے وہ خوشبو ملکہ کے بالوں اور کپڑوں سے نکل رہی تھی۔ یا کہیں پھول لگے ہوئے تھے مجھے پتہ نہیں چل سکا۔ غرض ہم اس کے اشارے پر پلنگ پر بیٹھ گئے۔

"ہوں! ہر چند کہ ہمارا قانون یہی ہے کہ ہم اجنبی لوگوں کو ختم کر دیں۔ لیکن تم تعاون کرنے والے ہو، شیریں بیان ہو اور پھر یہ شخص، نجانے کیوں یہ ذہن کے راستے اتر کر دل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے۔ میں تم لوگوں کو زندہ رکھنا چاہتی ہوں لیکن شرط یہی ہو گی کہ میری معلومات میں اضافہ کرو۔"

"ملکہ عالیہ، ہم تیرے ہر حکم کی تعمیل کرنے کے لیے تیار ہیں۔"

"تمہاری دنیا، جسے تم تہذیب کی دنیا کہتے ہو ——— کیسی ہے؟"

"بہت عمدہ، بہت دلکش، بہت حسین جدید ترین طرز زندگی سے آراستہ۔"

"سنا ہے وہاں کی زندگی بہت تیز ہو گئی ہے۔ انسان نے سائنس کے نام پر ایسا جادو ایجاد کر لیا ہے جو قدیم جادو سے قدرے مختلف ہیں۔"

"اس میں بھی کوئی شک نہیں ملکہ عالیہ! یہ سب ہنر کا جادو ہے طلسمی نقطوں سے حالات کو دسترس میں نہیں لیا جا سکا۔ بلکہ علم کے ہاتھ پاؤں اس جادو کو حاصل کرنے میں معاون ہوئے ہیں۔"

"خوب بہت خوب۔ گویا اب جادو اتنا عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص اسے حاصل کر سکتا ہے۔"

"ہاں۔ ہماری دنیا میں جو جادو ہے وہ یہی ہے۔ ہم ہنر سیکھتے ہیں۔ اس ہنر سے ہم سمندر کی گہرائیوں میں سفر کر سکتے ہیں۔ ہواؤں کے دوش پر اڑ سکتے ہیں۔ اپنی آواز میلوں دور پہنچا سکتے ہیں اور دوسرے کی سن سکتے ہیں۔ غرض ضروریات زندگی کی تمام سہولتیں اور آسائشیں اس جادو نے ہمیں مہیا کر دی ہیں۔ اور اسی ہنر کو ہم نئی تہذیب کا جادو کہتے ہیں۔"

"لیکن یہ ہنر سیکھنے کے لیے تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ کیا ایک انسان تمام ہنر میں طاق ہو سکتا ہے؟"

"نہیں ہر شخص ایک الگ ہنر کا عامل ہوتا ہے اور وہ جو کچھ جانتا ہے وہی کرتا ہے۔ دوسرا جادوگر دوسرے ہنر سے کام لیتا ہے۔ اس طرح یہ ہنر کے جادوگر مشترکہ طور پر اپنا وقت گزار رہے ہیں۔"

"ویسے یہ بات مجھے پسند آئی۔ بجانے کیوں بار بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں تہذیب کی نئی دنیا دیکھوں لیکن کیا کروں، یہاں اپنے ماحول میں اپنے حالات میں اس طرح گھری ہوئی ہوں کہ یہاں سے نکلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" ملکہ نے کہا۔

"تہذیب کی دنیا کا ہنر بہت عظیم ہے ملکہ اگر آپ اسے دیکھیں گی تو آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا۔"

"مگر کیسے؟ یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ آہ! یہ میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میں ان پہاڑوں کی حکمران ہوں لیکن اگر تم یقین کرو تو شاید، میں یہ کہنا حق بجانب سمجھتی ہوں کہ میں ان پہاڑوں کی قیدی ہوں۔ میں یہاں اس طرح سے محصور ہوں کہ یہاں سے نکلنے کے تمام راستے بند ہو چکے ہیں۔ حالانکہ میں آزاد ہوں اگر میں چاہوں تو یہ سب کچھ چھوڑ کے جا سکتی ہوں۔ لیکن یہ بھی میرے لیے ناممکن ہے۔" ملکہ کی آواز میں ایک ہلکی سی اداسی پیدا ہو گئی تھی۔ میں اور سلمان معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

بجانے سلمان کو کیا سوجھی، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر چند قدم بڑھے اور اس کے روبرو پہنچ گئے۔ ملکہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت لہرا گئی تھی۔ وہ سلمان کو برق پاش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ اور پھر شاید ان کی آنکھوں میں مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا بات ہے جوان! تم کھڑے کیوں ہو گئے!"

"میں تمہیں پیش کش کرنا چاہتا ہوں، ملکہ عالیہ! تم اگر چاہو تو میرے ساتھ میری دنیا کا سیر کرو۔ میں وہاں تمہیں اپنے معزز مہمان کی حیثیت سے خوش آمدید کہوں گا۔" ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"صدیوں کے تجربے نے مجھے یہ بتایا ہے کہ کبھی کسی انسان پر بھروسہ کرنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ تو کون ہے! یہاں کیسے آیا؟ ہرچند کہ تیرا چہرہ یہ بتاتا ہے کہ تو دل کا وسیع اور بات کا دھنی ہے لیکن بہرطور میں اپنی اسی دنیا میں زیادہ مضبوط اور مطمئن ہوں۔ اور پھر میری زندگی میری طویل ترین زندگی کے لیے کچھ ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جو یہاں کے علاوہ کہیں نہیں مل سکتیں یا مل سکتی ہیں تو انہیں تعمیر کرنے میں بہت ہی وقت درکار ہوگا۔ پھر بھلا یہ دنیا میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں!"

"میری باتوں پر بھروسہ کرنا جس چیز کی بھی تمہیں ضرورت ہوگی، وہ تمہیں مہیا کی جائے گی۔" سلمان نے کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلمان اپنی منزل تک پہنچ چکا تھا۔ لیکن وہ جذباتی نہیں ہوا تھا اور اپنے خاندانی انتقام کو لینے کے لیے بے چین نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ ایک جذباتی نوجوان ہوتا یا عقل و خرد سے عاری ہوتا تو خونی ملکہ کو دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتا۔ اور ملکہ کے قہر کا شکار ہوتا لیکن سلمان چالاکی سے کام لے رہا تھا۔ وہ اپنے چہرے پر بھی ایسے آثار پیدا کر رہا تھا جیسے وہ ملکہ کے لیے دیوانہ ہو گیا ہو۔ اور شاید ملکہ بھی اس بات کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بے شک، تیری یہ پیش کش مخلصانہ ہے اور اس کا جواب نہ دینا ناسپاسی ہے لیکن تو نہیں جانتا کہ میرے اپنے مسائل کیا ہیں۔ بعد میں تجھے بتاؤں گی۔ ______" اس نے کہا اور دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی پھر وہ اس پیالے کے پاس جا کھڑی ہوئی جو پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کا سایہ اس پانی پر ڈالا اور یکایک پانی پر ایک سیاہی سی دوڑ گئی پھر وہ صاف ہو گیا۔ ہم دور ہی سے دیکھ سکتے تھے کہ اس پانی میں سبنی بنی تصویریں نظر آنے لگیں۔ پھر ہلکا ہلکا شور ابھرنے لگا اور ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ یہ میدان کارزار تھا۔ وحشی قبیلے ایک دوسرے سے جنگ آزما تھے۔ بستیاں جل رہی تھیں۔ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ چیخ و پکار ابھر رہی تھی۔ اور عجیب شور شرابا ہو رہا تھا۔ جنگ کے اس منظر کو ہم دم بخود دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔ ملکہ کی آنکھوں میں تفکر کی لہریں نظر آ رہی تھیں۔ وہ غور سے اس جنگ کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

"وہ ناعاقبت اندیش جو ہمیشہ میری تباہی کا خواب دیکھتے رہے ہیں، اب انہوں نے میرے خلاف ہتھیار اٹھا لیے ہیں۔ اور میں ان لوگوں کو چھوٹ دے چکی ہوں۔ میں جانتی ہوں جیسے

جنگ کریں گے تباہ ہو جائیں گے۔ ان میں سے چند بچیں گے تو میں انہیں آسانی سے قید کر لوں گی۔ اور ایک بار پھر وہ میرے ہی عبادت گزار ہوں گے۔ موت آتی ہے ان سب کی۔ اپنی قوت کم کر رہے ہیں۔ تو اس سے مجھ پر کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تو یونہی زندہ رہوں گی اور یوں ہی زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ! یہ سب تمہارے لیے جنگ کر رہے ہیں۔"

"ہاں، کچھ میرے لیے اور کچھ میرے خلاف یہ چند ایسے ناعاقبت اندیشوں کی کارروائی ہے جو صرف ان قبائل کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ میرے جادو کے سامنے وہ نہیں ٹک سکتے اور بالآخر انہیں موت کا شکار ہونا پڑے گا۔" سلمان چند لمحات سوچتا رہا۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"مجھے افسوس ہے لیکن اگر تم اس مہذب دنیا میں نہ جا سکیں تو پھر ہم بھی وہاں نہیں جائیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اپنی قلم رو اپنی اس عظیم دنیا میں ہمیں بھی تھوڑی سی جگہ دے دو۔" ملکہ مسکرا دی۔ اس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر سلمان کا ہاتھ پکڑا اور دھیمے لہجے میں بولی۔

"کیا کرے گا تو یہاں رہ کر، تو اتنا حسین ہے کہ دیکھ کر پیار آ جائے۔ ہم اگر اپنی منزل سے بھٹک گئے تو۔ تو جانے بے تکلیف سہ ہو سکتا ہے۔"

"نہیں۔ میں اپنے دل کی بات ازراہ احترام تم سے نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میری آرزو ہے کہ میں تمہارا اصلی چہرہ دیکھ لوں۔"

"تجھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دم کے دم میں تو چلا جائے گا اور اس کے بعد اگر میرے اور تیرے درمیان قربتی رشتے بڑھ گئے تو پھر میں پریشان رہوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ خود پریشان رہوں۔ یا تمہیں پریشان کروں۔" ملکہ کے لہجے میں عجیب سا اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ سلمان اسے دیکھتا رہا پھر وہ مایوسی کے عالم میں بولا۔

"یہ میری آرزو تھی۔ میرے دل میں یہ خواہش بیدار ہوئی تھی۔ اگر یہ پوری نہ ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے میری حیثیت یہاں معزز مہمان کی سی نہیں ہے۔" سلمان کے الفاظ سن کر ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"نہیں۔ تیرے حسن و جمال نے تجھے ایک معزز مہمان کی حیثیت بخش دی ہے۔ ہم تجھے اپنی قلم رو میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ لیکن بس ہم ایک بات سے پریشان ہیں۔"

"کیا؟" سلمان نے سوال کیا۔

"ہمارا جادو ہمیں ہر آنے والے کے بارے میں بتا دیا کرتا ہے۔ ہم دور سے انہیں دیکھ لیتے ہیں جن کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں لیکن جب بھی ہم نے تیرے بارے میں اپنے اس جادو کو آواز دی اس میں کچھ نہیں ہوتا۔ آؤ ہم تمہیں اس کا عملی مظاہرہ کر کے بتائیں۔" ملکہ نے سلمان کو پانی کے اس پیالے کے پاس بلایا اور پھر وہ اس پر طرح طرح کے مناظر سلمان کو دکھاتی رہی پھر بولی۔

"یہ وہ خیالات ہیں جو ہمارے ذہن میں بستے ہیں اور ہمارا علم اس کا جواب اس تصویر کی شکل میں اس پانی میں پیش کر دیتا ہے لیکن ہم تیرے بارے میں سوچتے ہیں تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ اور دیکھ اس پیالے میں کوئی تحریک پیدا نہیں ہوئی۔ تیرے اندر کون سا طلسم ہے جو ہمارے علم کو ساکت کر دیتا ہے۔ ہم تجھے اس میں تلاش نہیں کر پاتے اور یہی احساس ہمارے ذہن میں ہے۔"

"میں خود تیرے حضور موجود ہوں ملکہ! میرے بارے میں جو سوال کرنا ہے مجھ سے کر۔ میں نہیں جانتا کہ تیرا علم میرے بارے میں خاموش کیوں ہے لیکن میری زبان تو تیرے لیے خاموش نہیں ہے۔"

سلمان کے الفاظ پر ملکہ پھر مسکرا دی۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور ہاتھ پیچھے کر کے پہلے اپنے سر کا بندھن کھولا اور دم کے دم میں نقاب یا وہ پردا بندھ نیچے آ گیا۔ بجلی سی چمک گئی تھی۔ پلکیں جھپک کر کھلی تھیں۔ حسن و جمال کا ایسا پیکر جو تصور میں بھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ وہ اس زمین کی سب سے حسین تر مخلوق تھی۔ عورت کے حسن کا تصور جہاں تک انسانی ذہن کی کائنات میں پوشیدہ ہو سکتا ہے وہ سب مجسم تھا۔ عضو عضو نزاکت کے سانچے میں ڈھلا ہوا۔ حسن و جمال کے اس پیکر کا کوئی نقش ایسا نہ تھا جو اپنی جگہ بے مثال نہ ہو۔

سلمان مبہوت ہو گئے تھے اور میں جو ملکہ کی اس منزل میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں اب پیکرِ نسوانیت مجھے شکست نہیں دے سکتے تھے۔ ساکت و جامد کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے حسن و جمال کی تعریف کی جائے یا خاموشی اختیار کی جائے۔

سلمان بے خودی کے عالم میں دو قدم آگے بڑھے اور اس کے روبرو پہنچ گئے۔ حسین ملکہ کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی

"میں نے کہا تھا کہ تم لوگ میرے حسن و جمال کی تاب نہ لا سکو گے تاہم خود کو سنبھالو یہ سب کچھ میں نے تمہاری فرمائش اور تمہاری خواہش پر کیا جب کہ ایسا میں کسی کے سامنے نہیں کرتی میں جانتی ہوں کہ چشم انسانی میرے حسن و جمال کی تاب لانے سے قاصر ہے۔"

"اور تیرا یہ حسن ہزار ہا برس سے قائم ہے؟" سلمان نے سوال کیا۔

"ہاں۔ میں سورج کی بیٹی ہوں۔ سورج سے براہ راست زندگی حاصل کرتی ہوں۔ اور زندگی حاصل کرنے کا یہ نسخہ مجھے میرے علم نے دیا۔ تم لوگ خود کائنات پر غور کرو چاند ستارے ہوائیں، بادل، پانی، سورج یہ سب ترکیب ہو کر انسانی شکل و صورت اختیار کر گئے ہیں۔ حیات و ممات کا سلسلہ انہی سے منسلک ہے۔ اگر ہم انسانی بدن کو روز اول سے ان تمام چیزوں کے حصول کا عادی بنا لیں تو پھر انسانی جسم فنا نہیں ہوتا۔ ہر چند کہ یہ تصور دنیا کے تمام قوموں کے لیے باطل ہے۔ لیکن چونکہ اس کا تجربہ کبھی کوئی نہ کر سکا اور تجربہ تو سب سے عمر کا وہ پہلا دن چاہیے جب انسان نے اس دنیا میں قدم رکھا ہے مجھے کس طرح ان تمام چیزوں کا عادی بنایا گیا اور کس طرح میرے لیے کیا کچھ کیا گیا۔ یہ ایک طویل کہانی ہے اور اس کا تعلق تم لوگوں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی تمہیں اس سے کوئی دلچسپی ہوگی لیکن یہ سب ہوا اور میں یہ بن گئی۔ اور اب بھی جب مجھے کوئی کمی کوئی خامی اپنے بدن میں محسوس ہونے لگتی ہے تو ایک ماہ تک میں یہ عمل دہراتی ہوں اور پھر ایک طویل زندگی میری ہم رکاب ہو جاتی ہے۔"

"اس دوران آپ کی زندگی کن ناگوار واقعات سے دوچار ہوتی رہی ہوگی۔"

"نہ ہوتی تو شاید مجھے زندگی کی اس طوالت میں دلکشی محسوس ہوتی۔ بدلتے ہوئے حالات ہی تو انسان کی زندگی کو تحریک دیتے ہیں۔ اور یہ تحریک اسے زندگی عطا کرتی ہے۔ میں نے یہ سب کچھ تمہیں بتا دیا لیکن مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میری زندگی اور موت میری اپنی تحویل میں ہے۔ میں جب تک چاہوں زندہ رہ سکتی ہوں اور جب میں موت کو اپنانا چاہوں تو بھی میرے لیے مشکل نہ ہوگی۔ گویا یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ میں نے زندگی اور موت دونوں پر قابو پا لیا ہے۔" سلمان کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

تاہم اب وہ اس کے سحر سے نکل گیا تھا اور اپنے اس مشن کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اس کی زندگی کا سب سے اہم مشن تھا۔ اسی مشن کے لیے تو اس کے آباؤ اجداد اسے مجبور کرتے رہے تھے اور انہوں نے اس کی یہاں تک رہنمائی کی تھی۔ تب ملکہ نے کہا۔

"بہر طور معزز مہمانو! تمہاری آمد سے مجھے مسرت ہوئی میں چاہتی ہوں کہ تمہیں اس وسیع کائنات کا ایک ایک چپہ دکھاؤں۔ میں بتاؤں کہ میں نے اپنی زندگی کو یہ طول دینے کے لیے کیا کیا ذرائع اختیار کیے ہیں۔ کیا تم یہ دیکھنا پسند نہ کرو گے؟"

"دل و جان سے۔ ہمیں تمہاری اس دنیا میں آ کر ایک عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ لگتا ہی نہیں کہ اس دنیا کا تعلق ہماری دنیا سے ہے۔" سلمان نے سنبھل کر کہا اور ملکہ مسکرانے لگی پھر بولی۔

"حسین نوجوان میں نے بھی اپنی زندگی میں بہت کم لوگوں کو چاہا ہے۔ میں نے خود کو خواہشات کی ان ناپاک زنجیروں سے آزاد رکھا ہے جو انسانی بدن کو جکڑ دیتی ہیں اور پھر وہ انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ میرے دل میں آرزو ہی نہ پیدا ہوتی ہو۔ صدیاں پہلے میرے دل میں —— کوئی آ بیٹھا تھا لیکن اس کی کیفیت ایسی تھی کہ میں اسے اپنا نہیں سکتی تھی اور میں نے اس کے بدن کو فنا کر دیا۔ اس فنا کے بعد سے آج تک میں دکھوں کا شکار ہوں۔ وہ مجھے اکثر یاد آتا رہتا ہے۔ لیکن تمہیں دیکھنے کے بعد میرے دل کو ایک احساس ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ کمی پوری ہو سکے۔" سلمان نے گردن جھکا لی ملکہ چونک کر بولی۔

"اب میں تمہارے آرام کا انتظام کر دوں۔ میں تمہیں اپنی کائنات کی سیر کے لیے لے جاؤں گی سکون سے رہو اور یہ سمجھو کہ تم اچھے میزبانوں کے درمیان ہو جنہوں نے تمہیں پسند کر لیا ہے۔ بس تمہاری تقدیر کی خوبی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے ایک تالی بجائی۔ تالی بجانے سے قبل اس نے وہ برقعہ اپنے بدن پر پہن لیا تھا۔ اور پھر چند خادمائیں حاضر ہو گئیں اور ملکہ نے انہیں چند ہدایات دیں اور انہوں نے گردن خم کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایک خوبصورت اور پرسکون عیش گاہ میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں زندگی کی آسائشیں گوناگوں بکھری ہوئی تھیں۔ ایک بہت ہی وسیع و عریض غار تھا جس کو دنیا کی حسین ترین چیزوں سے سجایا گیا تھا۔ البتہ وہ

ہے جن کی طلب دنیا والے خواب کے عالم میں کرتے ہیں۔ اور انہیں پا نہیں سکتے۔

تمام ضروریات سے فارغ ہو کر میں اور سلمان سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ سلمان نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

"چچا جان! کیا دیکھا؟ کیا سوچا اور کیا محسوس کیا؟"

"ہم کہانیوں کی باتیں سچ ثابت ہو رہی ہیں سلمان! اس سے قبل اپنی دنیا میں، اپنے وطن میں، اپنے بچپن میں اور پھر ہوش و حواس کے عالم میں بھی میں نے ایسی کہانیاں سنی تھیں اور انہیں اپنے بچوں کو بہلانے کا سامان سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ ظاہر ہے بچے ہی ایسی پرلطف کہانیوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ بڑی عمر ہونے کے بعد ان تمام چیزوں کا تصور ذہن سے نکل جاتا ہے۔ لیکن آج یہ محسوس ہوا کہ کسی چیز کو نظر انداز کرنا مناسب نہیں ہے۔ اور ہر چیز کا وجود ہوتا ہے۔ جو میں نے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے چچا جان! لیکن میں اب اپنے دشمن کے سامنے پہنچ چکا ہوں اور میرے سامنے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔"

"میں تو خوف زدہ تھا تمہاری طرف سے سلمان!"

"کیوں چچا جان؟" سلمان نے پوچھا۔

"معاف کرنا سلمان! میرے ان الفاظ کو اپنی توہین نہ محسوس کرنا۔ جوانی کی یہ عمر تمام جذباتی بندھنوں سے آزاد ہوتی ہے۔ ایک لغزش مجنوں کو ساری زندگی صحرا میں بھٹکا سکتی ہے۔ ایک نظر فرہاد کے لیے زندگی کا آخری پیغام لے آتی ہے۔ حسن ایسی ہی چیز ہے۔ ایسی ہی بے مثال شے ہے۔ یہ نامراد انسان کو بھٹکا دیتا ہے مجھے خوف تھا کہ تم کہیں اس ملکہ کی باتوں میں آ کر بھٹک نہ جاؤ۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے چچا جان! کہ وہ حسن و جمال میں یکتا ہے اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ ہوتی تو میں شاید اس کی آرزو میں زندگی کا آخری سانس صرف کر دیتا لیکن میں اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ میرے آباؤ اجداد کی روحیں ایک لمحہ پر میری منتظر ہیں۔ وہ میری کارروائیوں کا انتظار کر رہی ہیں۔ اور میں جو ان سے ہوں اور جو مجھ سے ہیں اور جنہوں نے میری تخلیق میں ہر طرح تعاون کیا۔ وہ میرے لیے زیادہ محترم ہیں میری اپنی خواہشات سے، میری خواہشات تو یہی کہتی ہیں کہ میں دنیا کی ہر شے بھول کر اس کے قدموں میں زندگی کے آخری سانس تک گزار دوں۔ لیکن میرا فرض کہتا ہے کہ وہ ان کی دشمن ہے جو میرے اپنے تھے اور جس کے ذریعے انہیں شدید اذیت و تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ مجھے ان کا انتقام لینا ہے۔ چنانچہ چچا جان! میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس سے انتقام لوں گا۔ اب جب کہ تقدیر نے مجھے اس تک پہنچا ہی دیا ہے تو پھر کیا حرج ہے کہ ہم اس کو فنا کر کے یہاں سے چلیں۔"

"گویا تم اپنے ارادے میں مضبوط ہو؟"

"چچا جان! زیادہ سے زیادہ مجھے متزلزل کرنے کے لیے بس وہ چند لمحات کافی تھے۔ جب میں نے پہلی بار اس کی شکل دیکھی تھی۔ لیکن اب جب کہ میں ان لمحات سے گزر چکا ہوں اور اپنے فیصلے پر قائم ہوں تو یوں سمجھ لیں کہ اب دنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے اس فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی۔"

"زندہ باد سلمان! زندہ باد۔ میں نے غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔ ہاں اگر تم اس کے حسن و جمال کا شکار ہو کر اپنا مشن بھول جاتے تو یقین کرو کہ مجھے یہاں تک آنے اور اپنی زندگی ضائع ہونے کا شدید رنج ہوتا۔" سلمان مسکرانے لگا پھر اس نے کہا۔

"سوال یہ ہے چچا جان! کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"وہ تم سے بہت متاثر ہو گئی ہے۔ وہ تمہیں اپنا سب کچھ بنانا چاہتی ہے۔ اسے یہی راستہ دکھاتے رہو اور خود کو اس کے لیے موم کر لو۔ پھر ممکن ہے وہ تمہیں یہاں سے اپنے طلسم کدے میں لے جائے۔ جہاں وہ زندگی پاتی ہے تو تم مجھے بھی اپنے ساتھ رکھنا۔ اس بات کی خواہش اس سے ظاہر کرنا کہ مجھے تمہارے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ وہاں چل کر ہم وہ تمام چیزیں دیکھیں گے اور پھر انہی میں سے اپنے لیے کوئی صحیح راستہ منتخب کریں گے۔" میں نے کہا اور سلمان نے گردن ہلا دی۔

اس وقت کو آنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ ان غاروں میں ہماری خاطر و مدارات میں کوئی فرو گزاشت نہ اٹھا رکھی گئی تھی۔ ہر طرح کی آسانیاں ہمیں فراہم کر دی گئیں۔ اپسرا نے اس دوران ہم سے دو بار ملاقات کی تھی۔ ہم پر بہت مہربان تھی اور خاص طور پر سلمان پر۔ وہ جب بھی اس کی جانب دیکھتی۔ اس کی آنکھوں میں محبت کے آثار ابھر

آ تے تھے اور سلمان بھی اس کی محبت کا جواب محبت سے دے رہے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ اپسرا کے ساتھ منافقت برت رہے ہیں۔ لیکن بہرصورت یہ ضروری تھا کہ سلمان اسے اپنے مقصد ذہن میں رکھتے۔ بالآخر ایک صبح اپسرا نے اعلان کیا کہ آج وہ ہمیں اس عبادت گاہ کی جانب سفر کرنے والی ہے جہاں سے وہ زندگی پاتی ہے۔ سلمان کو وہ اپنی اس عبادت گاہ میں لے جاکر سجانے کیا دینا چاہتی تھی۔ بہرطور اس کے لیے میں نے سلمان سے مصری تمام گفتگو کی تھی جسے بتاتے ہوئے بعد میں سلمان نے مجھ سے کہا۔

"چچا جان! یوں لگتا ہے کہ صورت حال ہمارے حق میں بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ مگر عالیہ مجھ پر بے حد مہربان ہیں اور شاید مجھے بھی بدرجہ بخشنا چاہتی ہیں تاکہ زندگی بھر کے لیے وہ مجھے اپنا ساتھی بنالیں۔"

"آہ! سلمان! یہ سب کچھ تو ہے لیکن تمہیں بڑی ہوشیاری سے کام لینا ہوگا۔ کہیں یوں نہ ہو کہ ہم جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ تو پیچھے رہ جائے اور ایک دوسرا ہولناک باب ہماری زندگی میں شروع ہو جائے!"

"نہیں چچا جان! میرا خیال ہے اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔ آپ خدا کی ذات سے مطمئن رہیں۔ میں صرف اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے ہمیشہ یہ احساس کھائے رہتا ہے کہ یہ وہی عورت ہے جس سے مجھے انتقام لینا ہے۔" سلمان بولا۔

"اور اس احساس کو اپنے ذہن پر تمام احساسات سے برتر رکھنا، اسی میں ہماری نجات ہے۔" میں نے کہا۔

اپسرا چلنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اس کی دو خادماؤں نے ہمیں اطلاع دی کہ اب ہم سب تیار ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس سفر کا آغاز کر دیا۔ حسین ملکہ ہمارے ساتھ تھی۔ ہم ایک لمبی سرنگ سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔ میں اور سلمان اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ اور وہ حسن و جمال کا پیکر اسی لباس میں ملبوس ہمارے آگے آگے چل رہی تھی۔ لیکن جن راستوں سے وہ گزر رہی تھی۔ وہاں سے شاید کسی دوسرے کے گزرنے کا امکان نہیں تھا کیونکہ اس نے اپنا چہرہ کھول رکھا تھا۔

بہرنوع یہ سفر کتنا لمبا تھا۔ ہم اس کے ساتھ ساتھ پہاڑ کی چڑھائی چڑھ رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اس نازک اندام حسینہ کو اس پہاڑ پر چڑھنے میں خاصی دقت ہوگی لیکن مجھے تعجب ہوا کہ وہ ہم سب سے آگے آگے نہایت آسانی کے ساتھ چڑھتی جا رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہوائیں اس کی مدد کر رہی ہوں اور اسے اس سفر میں نہایت آسانیاں فراہم کر رہی ہوں جب کہ اس خوفناک پہاڑی کو دیکھ کر ہمیں بڑی وحشت ہو رہی تھی۔ تاہم سفر کے دوران اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ اتنی دشوار گزار نہیں تھی جتنی بعض جگہ سے ذرا سی غلطی یا ذرا سا بھی پھسلنے سے آدمی کی ہڈیاں ڈھونڈنے سے بھی نہ ملیں۔ کوئی پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر پہنچنے کے بعد ہمیں ایک ایسا دروازہ سا محسوس ہوا کہ کافی تنگ تھا لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے تھے وہ کشادہ اور خوشنما ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ آگے پہنچ کر وہ بہت کم رہ گیا۔ پھر چٹان کا ایک گوشہ ملا جس نے ہمیں بالکل ہی چھپا لیا۔ اس کے بعد راستہ ہموار تھا اور ایک وسیع و عریض سرنگ پر ختم ہو جاتا تھا۔ جو اس وقت عام راستے کی طرح قدرتی تھی۔

میرے نزدیک کسی زمانے میں آتش فشاں نے یہاں کی چٹان اڑا کر یہ سرنگ بنائی ہوگی۔ اس سرنگ کا بے ترتیب راستہ ہی اس کے قدرتی ہونے کا شاہد تھا۔ دوسری طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن اپسرا نے سارے انتظام کیے ہوئے تھے۔ اس نے دو مشعلیں نکالیں جو اس غار کے پاس ہی کہیں موجود تھیں۔ اور پھر چقماق سے انہیں روشن کر دیا۔ اس نے دو مشعلیں ہمارے ہاتھوں میں تھما دیں۔ اور ایک خود لی۔ اور آگے آگے سرنگ میں داخل ہو گئی۔ اندر راستہ بہت اونچا نیچا تھا۔ اس لیے ہمیں بڑی احتیاط سے چلنا پڑا۔ اور شاید آدھے گھنٹے میں ہم نے صرف چند فرلانگ کا فاصلہ طے کیا۔

تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے۔ اسی وقت ہوا کے ایک تیز جھونکے نے ہمارے ہاتھوں میں تھمی ہوئی مشعلوں کو گل کر دیا۔ تاریکی ایسی خوفناک تھی کہ ہوش اڑے جا رہے تھے۔ اسی وقت اپسرا کی آواز سنائی دی۔ وہ چونکہ آگے نکل گئی تھی۔ اس لیے ہمیں اپنے پاس بلا رہی تھی۔ ہم ٹٹولتے ہوئے اس تک پہنچ گئے۔ اس نے چقماق سے آگ جھاڑی اور بمشکل تمام یہ مشعلیں دوبارہ جل گئیں۔ دو چار ہی قدم آگے بڑھے ہوں گے کہ ہمیں ایک اور خوفناک چیز نظر آئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ آتش فشاں پھٹنے نے اپنے زور میں ایک اور کھلا اس طرح سے بنا دیا کہ ایک طرف پہاڑ میں نجانے کس طرح ایک چٹان الگ رہ گئی تھی اور اس کے اطراف خالی تھے۔ اطراف کی گہرائیاں اس قدر تھیں کہ نجانے کہاں تک پہنچی تھیں ہم اندازہ نہیں لگا سکے کہ اس کھڈ کا اختتام نجانے کہاں اور کس طرح ہوتا ہے؟

میں شدت خوف سے لرز کر رہ گیا تھا۔ یہ سامنے چٹان اگر

بیچ میں نہ ہوتی تو آگے جانے کا راستہ منقطع تھا لیکن اس چٹان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کی مضبوطی کہاں تک ہے۔ ممکن ہے ہمارے وزن سے وہ نیچے چلی جاتی۔ اسی وقت اپسرا کی آواز سنائی دی۔

"ایک ایک قدم احتیاط سے آنا۔ ہوا بھی تیز ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہوا کا تیز جھونکا تم میں سے کسی کو لے جائے۔ ذرا سا قدم ادھر ادھر ہوا تو تم گہرائیوں میں جا پڑو گے۔ ان گہرائیوں کی کوئی تھاہ نہیں ہے۔" اول تو راستہ ہی کون سا صاف اور سیدھا تھا۔ اس پر اس کے ان الفاظ نے یہ اثر کیا کہ دل کے ساتھ بدن پر تھرتھری طاری ہو گئی۔ میں نے تو دونوں ہاتھ پیروں سے چلنا شروع کر دیا تھا۔

البتہ سلمان وزن سنبھال کر چل رہا تھا اور وہ شعلہ جوالہ ہم سے آگے تھی۔ ہوا کا کوئی جھونکا آتے دیکھتی تو ذرا سا جھک جاتی۔ ورنہ بے خوف و خطر سینہ تانے اڑی چلی جا رہی تھی۔ ہم اس کی گرد تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے اس لیے مجبوراً اس کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رک کر ہمارا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ہم تھوڑی ہی دور آگے بڑھے ہوں گے کہ ایک جھونکا آیا۔ میں تو وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ اور سلمان بھی۔ البتہ اپسرا اکڑوں بیٹھ اور بہت ہی احتیاط کے ساتھ اپنے آپ کو ہوا کے جھونکے سے بچالیا بہرطور، خدا خدا کر کے اس خوفناک چٹان کا خاتمہ ہوا اور ایک نئی مصیبت سامنے آگئی۔ چٹان کے سرے پر ایک خوفناک غار منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ جہاں تک میرا ذہن کام کرتا تھا اس غار کی گہرائی کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ اندھیرے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ غار کتنا لمبا چوڑا ہے اور اس کے اطراف میں کیا ہے؟ بظاہر دیکھنے سے کسی چیز کا وجود تو معلوم ہوتا تھا مگر نہ معلوم کیا تھا۔ بہرحال اپسرا نے مشعل ایک سوراخ میں نصب کر دی اور مسکراتے ہوئے ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"اب ذرا سا یہاں سستا لو۔ تھوڑی دیر بعد روشنی ہو جائے گی۔" ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بے پناہ ظلمات میں روشنی کہاں سے آئے گی؟ میں ابھی یہی سوچ ہی رہا تھا کہ دفعتاً تیز دھوپ نے اس جگہ کو روشن کر دیا۔ ہماری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ دھوپ کہاں سے آگئی؟

بہرحال یہی فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ ممکن ہے اس پہاڑ میں کوئی شگاف ہو اور سورج کی روشنی یہاں داخل ہونے کا کوئی انتظام ہو۔ ورنہ وہ اس اعتماد سے روشنی ہونے کے بارے میں نہ بتاتی۔ ہمارے سامنے تقریباً تین ساڑھے تین گز چوڑا غار تھا جسے عبور کرنے کا کوئی حل نہیں تھا۔ اس کی گہرائیاں بھی نامعلوم تھیں۔ ہم نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی۔

اسی وقت اپسرا نے ایک تختے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"یہ تختہ پل کا کام دے گا۔" اور پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

"یہ تختہ!" میرے حلق سے گھٹی گھٹی آواز ابھری اور سلمان کے حلق سے قہقہہ نکل گیا۔

سلمان کے قہقہے کی آواز سن کر اپسرا چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور مسکرا کر بولی۔

"ایسے لوگ میری نظر میں بہت پسند ہوتے ہیں۔ جو خطرناک ترین حالات میں بھی قہقہے لگا سکتے ہیں۔ شاید تم خوف زدہ ہو۔" اس بار اس کا مخاطب مجھ سے تھا۔

میں نے اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس میں سوچ رہا تھا کہ اس تختے پر سے گزرنا کتنا مشکل کام ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ زندگی کا آخری سفر ثابت ہو۔ اس احساس کے ساتھ ہی دل میں ایک اور جذبہ ابھرا۔ زندگی کا آخری سفر تو کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ ان غاروں میں، کسی عالیشان بنگلے کے عالی شان بیڈروم میں یا پھر کہیں بھی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

بہرصورت اپسرا نے اپنے ہاتھ سے وہ تختہ درست کیا اور اور اس پر چڑھ کر اپنے وزن کو تولنے لگی۔ پھر بولی۔

"معلوم ہوتا ہے کسی پتھر نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے۔ پہلے جب میں یہاں آئی تھی تو یہ صورت نہیں تھی۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ چٹان ہمارے بوجھ سے نیچے نہ گر پڑے۔ پہلے مجھے چلا جانے دو۔ میں اندازہ لگا لوں گی۔"

ہم نے کوئی تعرض نہ کیا اور وہ تختے پر چڑھ کر دوسری طرف بڑھ گئی۔

تاریکی کافی تھی۔ روشنی معدوم ہو چکی تھی جس نے تھوڑی دیر کے لیے اس غار کو روشن کیا تھا۔

اپسرا کے بعد سلمان اس تختے پر چڑھ گیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

میرا وزن کافی زیادہ تھا۔ بھاری بھرکم بدن سے مجھے بہت نفرت تھی۔ خاص طور سے اس وقت جب یہ موقع آگیا تھا۔ یہ بھاری بدن مجھے بہت ہی گراں گزر رہا تھا۔ بالآخر میں نے بھی تختے پر چڑھنا شروع کیا اور میری جان نکلنے لگی۔

تختہ جھک رہا تھا

اور بلاشبہ میرا بوجھ اس کے لیے ذرا مشکل تھا۔ دفعتاً میں نے

لاڈھکا دیا۔

پتھر ہوتا تک گرجا کے ساتھ نیچے جا رہا تھا لیکن ایسرا کی رفتار اس کے گرنے کی رفتار سے زیادہ تیز تھی۔ وہ ہوا میں اڑ رہی تھی پر بھی اسی طرح دوڑی جا رہی تھی جیسے سطح زمین پر۔

"آئیے چچا جان! میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔" سلمان نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترنے لگا۔

"رکو تو سلمان! ذرا رک تو جاؤ۔ ہم نیچے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ نجانے کیسی جگہ ہو۔"

"آئیے چچا جان! یہ میری زندگی کا اہم ترین مشن ہے اگر اس کے بچنے کے امکانات ہوئے تو پھر ہماری یہ کوشش اور محنت سب رائیگاں جائے گی۔" سلمان نے کہا۔ چار و ناچار میں بھی اس کے ساتھ دوڑنے لگا۔

عجیب و غریب گہرائیاں تھیں جن کی کوئی تھاہ نہیں تھی۔ نجانے ہمیں کہاں لے جاتیں۔ لیکن سلمان کی ضد کے سامنے میں مجبور ہو گیا تھا۔ اور بے اختیار اس کے ساتھ دوڑنے لگا تھا۔ اب نیچے کا منظر نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایسرا کا پراسرار ہیولا ڈھلوان پر دور ہی جا رہا تھا۔ وہ انسان تھی کہ کیا مصیبت، اس قدر تیزی سے دوڑ رہی تھی کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن یہ بات میرے دل میں تھی کہ وہ جادوگرنی ہے۔ بے شمار طلسمی قوتوں کی مالک ہر چند کہ اب اس کا طلسم کدہ تباہ ہو گیا تھا لیکن بہر صورت وہ اب بھی اپنے اندر بے پناہ قوتیں رکھتی تھی۔ ہم دوڑتے رہے۔ ایسرا کا ہیولا اب آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ لیکن ہمیں حیرت تھی کہ اب ہم سطح زمین پر دوڑ رہے تھے۔ ڈھلوان ختم ہو چکے تھے۔ اوپر دیکھتے تو یقین نہ آتا کہ ہم یہ خوفناک ڈھلوان طے کر چکے ہیں۔ ایسرا کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ البتہ وہ جگہ جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر میں نے حیرت سے سلمان کو دیکھا کیونکہ وہ درخت جس کے کھوکھلے تنے میں ماکازونگا، ہیزل اور رازی تھے، ہمارے سامنے ہی تھا۔

ابھی ہم یہی سوچ رہے تھے کہ درخت کے کھوکھلے تنے سے ماکازونگا باہر نکلا۔ اس کے پیچھے ہیزل اور پروفیسر رازی بھی تھے۔ وہ اس طرح باہر آئے جیسے انہیں ہماری آمد کی اطلاع مل گئی ہو۔

"آؤ عظیم آقا۔ عزیز دوست آؤ۔ دل چاہتا ہے کہ تمہاری آمد کی خوشی میں رقص کروں۔ آؤ میرے فاتح اعظم تم نے صدیوں کے بعد وہ طلسم توڑ دیا جس نے اسے ہماری دسترس سے دور رکھا تھا۔" پروفیسر رازی نے آگے بڑھ کر میرا بازو تھام لیا تھا۔ ہم خاموشی سے ان لوگوں کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے۔ یہاں ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ چھوٹے پیالوں میں ایک گرم سیال پیش کیا گیا۔

"اسے پی لو میرے آقا اور آقا کے دوست تمہارے بدن سے ساری تھکن نچڑ جائے گی۔ تم سکون کی گہری نیند سو جاؤ گے اور جب جاگو گے تو تمہارے ذہن سے وہ بوجھ کم ہو چکا ہو گا۔ جو اس وقت طاری ہے۔" ماکازونگا نے کہا اور ہم نے وہ پیالے لے لیے۔ خشک میوے کھائے اور پیالوں میں موجود گرم سیال کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے تم لوگ ہماری آمد کے منتظر تھے۔ جیسے تمہیں یقین تھا کہ بس ہم لوگ چند ہی لمحات میں پہنچنے والے ہوں؟"

"یہ درست ہے۔" پروفیسر رازی نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیسے؟"

"یہ پراسرار شخص جس کا نام ماکازونگا ہے، بڑی عجیب قوتوں کا مالک ہے۔ میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔" پروفیسر رازی نے کہا۔ ماکازونگا بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

"کیسی تفصیل؟" میں نے سوال کیا۔

"سنو! اس بات کا صحیح صحیح جواب دو کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ درست ہے۔"

"کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہارے جانے کے بعد اس شخص نے زائچہ بنایا لکیریں کاڑھ کر اس نے ان کے درمیان دیکھتے ہوئے مسلسل مجھے تمام حالات سے آگاہ رکھا۔ اس نے بتایا کہ اب تم دونوں فلاں علاقے میں پہنچ چکے ہو، تم ایسے علاقے سے گزر رہے ہو پھر اس نے بتایا کہ اب تمہیں ایسرا کے ہرکاروں نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے پھر اس نے بتایا کہ اب تمہیں ایسرا کے حضور پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ کہنے لگا کہ ایسرا سلمان کی جانب راغب ہے۔ اس کی حسین صورت کا شکار ہو گئی ہے پہلے تو ان کے بارے میں تذبذب کا شکار رہی۔ چونکہ اس انگوٹھی کی وجہ سے ان کی اصلیت بہت سے طلسمی غلافوں میں چھپ گئی ہے۔ وہ نہیں معلوم کر سکی کہ یہ کون ہے لیکن سلمان کی گفتگو نے اس کی حسین صورت نے اسے مسحور کر لیا اور وہ اس کے بارے میں محبت بھرے انداز میں سوچنے لگی۔ اس نے سوچا کہ اب اسے زندگی کا ساتھی بنائے گی۔ اور بدبخت

لے کر اسے اپنے ساتھ رکھے گی۔ پھر اس کے سپاہیوں نے طویل سفر کیا۔ غاروں اور سرنگوں کا یہ سفر بہت دشوار گزار تھا۔ تم لوگوں کو ایسی ایسی سرنگوں سے گزرنا پڑا۔" پروفیسر رازی نے سرنگوں کے بارے میں تفصیل بتلاتے ہوئے کہا۔

"پھر اس نے بتایا کہ اب ایسرا تمہیں لے کر طلسم کدے میں داخل ہو گئی ہے۔ اس نے کہا کہ طلسم کدے میں تمہارا راز کھل گیا ہے اور اب ایسرا کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی ہے اور وہ تمہیں بھسم کر دینا چاہتی ہے۔ پھر اس نے حادثات سے خوفزدہ ہوتے ہوئے کہا کہ تم اس وقت نہایت خوفناک حادثات کا شکار ہو اور ایسے راستوں سے گزر رہے ہو جو تمہاری جان بھی لے سکتے ہیں۔ پھر اس نے اپنے طور پر ان راستوں میں کچھ ترمیم بھی کی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص بیٹھے بیٹھے زمین پر ایک چھوٹے سے تنکے سے یہ حالات کو بدلا جا سکے۔ بہر طور اس نے مجھے بتایا کہ تم سرنگوں کے اس طویل راستے کے بجائے ایک ایسی جگہ آ نکلے ہو جہاں سے اگر تم تھوڑی سی ہمت کرو تو اس درخت کے تنے تک پہنچ سکتے ہو۔ یہ راستہ اس نے بدلا تھا۔ سرنگیں اڑانے کے بعد جو کارروائی ہوئی تھی وہ یہ تھی۔ اور اس کے بعد اس نے کہا کہ تم اس کے پیدا کردہ راستوں پر چل پڑے ہو اور تھوڑی دیر کے بعد اپنی منزل تک پہنچنے والے ہو۔ وہ تمہارے آنے کا بھی تعین کرتا رہا پھر اس نے ہم سب کو دعوت دی کہ باہر آئیں اور تمہارے آنے کا منظر دیکھیں بتاؤ بابر داد و خان: کیا یہ سچ ہے؟"

میں حیران نگاہوں سے ماکازونگا کو دیکھ رہا تھا۔ سلمان کے چہرے پر بھی حیرت کے نقوش نمایاں تھے۔ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ سچ ہے۔" سلمان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا تھا۔

"اوہ! اس کا مقصد ہے کہ یہ عالم شخص بلاشبہ بڑی بڑی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ لیکن ایسرا، ایسرا کہاں گئی؟"

"اس کا جواب میں ہی دوں گا معزز آقا۔ وہ زندہ ہے لیکن اس کا صدیوں کا طلسم خانہ ٹوٹ چکا ہے۔ وہ اب کسی طلسم خانے میں جا کر اب ابدیت حاصل نہیں کر سکتی۔ اسے ——— گہری ہوا اور تیز دھوپ درکار ہے۔ ورنہ اس کا بدن جھلستا چلا جائے گا۔ اور بالآخر ایک دن وہ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ جائے گی۔ وہ سفر کر رہی ہے بے اختیارانہ سفر کر رہی ہے۔ اس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ بس وہ ان علاقوں سے دور نکل جانا چاہتی ہے۔ قبیلوں کی تقدیر بدل گئی ہے۔ وہ لڑتے ہیں اور لڑتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں کسی کو فتح ہو گی اور کسی کو شکست ہو گی۔ اور اس کے بعد جب وہ ایسرا کو تلاش کریں گے تو وہ انہیں نہیں ملے گی اور یوں وہ پرسکون ہو جائیں گے۔ کم از کم ایسرا کا جادو اب ختم ہو گیا ہے۔ ان علاقوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ لیکن ہمارا مشن ابھی پورا نہیں ہوا آقا! ہمارا مشن پورا نہیں ہوا۔ وہ جب تک زندہ ہے ہمارے سینوں پر ناسور بنی رہے گی۔"

"تم درست کہتے ہو۔" سلمان نے کہا۔ "ہم اسے تلاش کریں گے۔ جب تک ہم اس کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ہمارے لیے واپسی حرام ہے۔"

"واپسی کی بات نہ کریں آقا۔ ابھی تو اس کا تعاقب کرنا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ کس سمت کا رخ کرتی ہے۔"

"مگر کیا، کیا اس کی جادوئی قوتیں بالکل ختم ہو چکی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں آقا! اس کے اندر تو ابھی بہت کچھ ہے۔ وہ نجانے کیا کیا کچھ اپنے سینے میں چھپائے ہوئے ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ماکازونگا اسے زیر کر چکا ہوتا لیکن وہ شیطان کی دیوی ہے۔ شیطان سے براہ راست تعلق رکھتی ہے تم لوگ ایک گہری نیند سو لو تو اس کے بعد ہم اس کا تعاقب کریں گے۔"

"کس سمت، کہاں؟" سلمان نے کہا۔

"اس کا فیصلہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں آقا!" اس نے کہا۔ اور سلمان خاموش ہو گیا۔

پیالوں کا سیال اثر دکھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم گہری نیند سو گئے پھر جب جاگے تو رات ہو چکی تھی۔ رات گزاری اور اس کے بعد دوسری صبح ماکازونگا نے کچھ سامان باندھا اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔ ہم اس کی رہنمائی میں آگے بڑھ رہے تھے۔ اس نے اپنا وہ مخصوص لباس اتار دیا تھا۔ گو وہ اب بھی کھال کے لباس میں تھا۔ لیکن پہلے سے کسی قدر مہذب نظر آ رہا تھا۔

وہ ان پہاڑوں تک پہنچ چکا تھا۔ جن سے گزر کر ہم یہاں آئے تھے۔ وہاں سے اس نے زمین کو سونگھنا شروع کر دی۔ وہ کتے کی طرح جھک جھک کر زمین کو سونگھ رہا تھا۔ اور آگے بڑھ رہا تھا۔ تقریباً ایک میل جانے کے بعد وہ رکا اور اس نے سمت کا تعین کرتے ہوئے کہا۔

"آقا! وہ ان درختوں کی سیدھ میں گئی ہے۔ کتنا سفر

کلب میں مختلف تفریحات کا آغاز ہو گیا۔ موسیقی کی آوازیں سمندر کی پرسکوت فضاؤں میں پھیلنے لگیں۔ یہ آوازیں بڑی دلکش محسوس ہو رہی تھیں۔

عرشے پر ہر جگہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور یہ نیم تاریک ماحول بڑا دلکش معلوم ہو رہا تھا۔ آسمان بھی ابر آلود تھا موسم بھی ایسا تھا کہ آسمان پر ٹوٹا ہوا بادل چھائے رہتے تھے۔ لیکن یہ موسم خطرناک موسم نہیں کہا جا سکتا تھا۔ میں سلیمان کے ساتھ خاموش کھڑا ہوا تھا۔ پروفیسر رزاقی بڑل سے باتیں کر رہا تھا۔ ماکا زونگا اپنے کیبن ہی میں تھا یا پھر کہیں اور تھا۔ سلیمان نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آپ کچھ فکر مند ہیں چچا جان؟"

"میری نہ پوچھو سلیمان۔ اس وقت میں عجیب و غریب احساسات کا شکار ہوں۔"

"کیوں کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں۔"

"کیا؟" سلیمان نے سوال کیا۔

"زندگی کے ایک طویل عرصے کے بعد میں اب اپنے وطن واپس لوٹ رہا ہوں۔ میں نے وطن جن حالات میں چھوڑا تھا ان کا تھوڑا بہت علم تمہیں ہے جو کچھ میں تمہیں بتا چکا ہوں اب میرے ذہن میں بے شمار احساسات ہیں پتہ نہیں ان سب کا کیا ہوا۔ پتہ نہیں میرے اہل خاندان زندہ ہیں یا مر گئے بہت سی یادیں وابستہ تھیں ان سے میرے دل میں انہی یادوں کا طوفان سر اٹھائے ہوئے ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے چچا جان آپ ان لوگوں کو تلاش کریں۔ آپ کو اپنے علاقے تو یاد ہوں گے۔" سلیمان نے کہا۔

"ہاں یاد ہیں۔ لیکن میرے بچے میں تو تمہارے لئے وقف ہو چکا ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو تو یکسر فراموش کر دیا تھا میرے سپرد جو ذمہ داری کی گئی تھی میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا اس ذمہ داری کو میں نے اپنی زندگی کا اہم مقصد بنا لیا تھا۔"

"اس کے باوجود چچا جان ہر انسان کی اپنی کچھ ضروریات ہوتی ہیں۔ ہر انسان کے دل میں ایک طلب ہوتی ہے۔ میں آپ سے خلوص دل سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں کوئی کارروائی ضرور کریں۔ اپنے لوگوں سے ملیں بلکہ مجھے بھی خوشی ہو گی آپ کو ذہنی سکون حاصل ہو گا۔"

"ہاں یقیناً ایسا کروں گا سلیمان۔ لیکن اس وقت جبکہ تمہارا مقصد حیات تمہیں حاصل ہو چکا ہو گا۔"

"خدا کرے میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں۔" سلیمان نے گہری سانس لے کر کہا پھر بولا۔

"لیکن چچا جان حالات کچھ زیادہ الجھے ہوئے نہیں ہیں۔ میرا مقصد ہے کہ ہم ماکا زونگا پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کر رہے ہیں ہر چند کہ یہ شخص ابھی تک ہمارے حق میں بہت بہتر ثابت ہوا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ اس کی وجہ سے ہم بہت سی آفات سے بچ گئے ہیں لیکن کہا یہ بھی دھوکہ نہیں کھا سکتے کہ نہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس کی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام ہو جائیں۔"

"لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی تو نہیں ہے سلیمان اگر صورت حال یہ نہ ہوتی اور ہم انہی پہاڑوں میں اسی جگہ خیمے مقابل رہتے اور وہیں کوئی فیصلہ ہو جاتا کامیابی یا ناکامی کا تو میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہے لیکن اب صورتحال الجھ گئی ہے اور ہمیں بالکل غیر متوقع حالات میں یہ سفر کرنا پڑا ہے۔ اس سلسلے میں ماکا زونگا پر ہی بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور کیا کیا جائے۔"

"تعجب کی بات ہے۔ وہ یہاں موجود ہے اور ہم اسے تلاش نہیں کر سکتے۔"

"ماکا زونگا اسے تلاش کر رہا ہے۔ وہ ذہین اور شاطر آدمی ہے تم اندازہ لگا چکے ہو لیکن اس کے باوجود ہم بھی اپنی کوششیں اس سلسلے میں جاری رکھیں گے۔" سلیمان نے میری اس بات سے اتفاق کیا تھا۔

"بہر صورت رات کو ہم اپنے اپنے کیبن واپس آ گئے۔ دوسرا دن پرسکون گزرا کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی جہاز پر یہ سفر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ہم دلچسپی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے سلیمان اپنے طور پر جہاز کی تفریحات میں مشغول ہو گیا تھا اور کسی حد تک پرسکون نظر آتا تھا۔

شام کے تقریباً ساڑھے سات بجے تھے۔ ماحول پر بادلوں کی دھندلاہٹ تھی میں عرشے سے گزر کر نیچے آیا اسی وقت میری نگاہ ایک بوڑھی عورت پر پڑی۔ دبلی پتلی سی بوڑھی عمر ستر سے اوپر معلوم ہوتی تھی سفید ساری میں ملبوس اور ایک رنگ دار کپڑے کا لبادہ اوڑھے ہوئے وہ ہاتھ میں چھڑی سنبھالے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ دفعتاً اسے ٹھوکر لگی اور وہ اوندھے منہ گر پڑی۔ چھڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری تھی۔ انسانی ہمدردی کے تحت میں تیزی سے اس کی طرف لپکا اور میں نے سہارا دے کر اٹھایا۔ بڑھیا آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"مائی سن، میری چھڑی۔ میری چھڑی پلیز۔ یہیں کہیں پڑی ہو گی۔"

"ہاں یہ ہے لیکن آپ۔ آپ کیا آپ آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتیں؟"

"سوری سن۔ مجھے افسوس ہے کہ تمہیں میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔"

"نہیں میڈم ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"بس یونہی طبیعت ذرا سی گھبرا رہی تھی کیبن سے باہر نکل آئی۔ میرا کیبن وہ دائیں ہاتھ پر ہے تم دیکھ رہے ہو شاید۔ میں اندازے سے اس سمت آ گئی تھی مگر۔ مجھے نہیں آنا چاہئے تھا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔ اگر آپ سیر کرنا چاہتی ہیں تو آئیے میں آپ کو یہاں کی سیر کرا دوں۔"

"نہیں نہیں۔ میں اسی ارادے سے نکلی تھی لیکن بہت بہت شکریہ۔ گرنے سے میرے گھٹنے میں چوٹ آ گئی ہے مجھے واپس میرے کیبن میں پہنچا دو۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" میں نے کہا اور بڑھی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے اشارے کی طرف چل پڑا۔

"کیا نمبر ہے آپ کے کیبن کا؟" میں نے پوچھا۔

"نمبر چودہ کیا وہ تمہیں نظر آ رہا ہے؟"

"ہاں۔ یقیناً۔ آئیے۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں کیبن نمبر چودہ کے سامنے پہنچ گیا۔ بڑھیا نے اس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ کیبن میں بڑھیا کا مختصر سا سامان رکھا ہوا تھا۔ ایک ڈبل بیڈ تھا اس کے علاوہ ضرورت کی دوسری چیزیں موجود تھیں۔ میں نے اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔

"اگر کہیں تو میں آپ کے گھٹنوں کی تکلیف دیکھوں۔"

"نہیں۔ تھینک یو ویری مچ۔ تم بہت نیک انسان معلوم ہوتے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر بیٹھو میرے پاس۔ باتیں کروں گی۔ دل گھبرا رہا تھا۔ میں نے کہا نا اسی لئے میں باہر نکل گئی تھی۔"

"آپ اس کیبن میں تنہا ہیں؟"

"ہاں۔ میں اس کیبن میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی تنہا ہوں۔" بڑھیا نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اوہ مجھے بہت افسوس ہوا۔ آپ کا کوئی بیٹا وغیرہ نہیں ہے کیا؟"

"تھے۔ کئی بیٹے تھے لیکن بس تقدیر کو منظور نہ تھا۔ سب لوگ [illegible] گئے۔"

"سوری۔ ویری سوری۔ مجھے انتہائی افسوس ہے۔ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"انڈیا۔ دراصل انڈیا میں میرے کچھ رشتہ دار اب بھی موجود ہیں۔ لندن میں کافی عرصہ گزارا۔ تنگ آ گئی دل چاہا کہ ان سے ملوں چنانچہ میں نے ان سے خط و کتابت کی کہ اس دور میں کوئی کسی پر اتنی زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ پھر خاص طور سے بوڑھے لوگوں پر۔ میں نے خود ہی ان کے پاس جانا مناسب سمجھا۔ خود سمندری سفر اس لئے اختیار کیا کہ ذرا طبیعت بہل جائے گی حالانکہ میرے جاننے والوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں ہوائی سفر کروں لیکن بہرطور جو تقدیر میں ہوتا ہے وہی ہوتا ہے ممکن ہے کہ میرے عزیز مجھے زندگی کے آخری سانسوں میں کچھ سکون کے لمحات دے دیں ورنہ میری زندگی تو تنہا ہے۔"

"مجھے بہت افسوس ہے۔ انڈیا میں آپ کس جگہ جائیں گی؟"

"دہلی۔ وہ لوگ وہیں رہتے ہیں۔" بوڑھی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ بمبئی تک آپ کا سفر ایک محفوظ جگہ تک تو رہے گا۔ اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ آپ کو دہلی کے سفر کے لئے روانہ کر دوں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹے۔ فرشتوں کی طرح انسانوں کو مل جایا کرتے ہیں ورنہ میں پریشان ہو رہی تھی کہ اس طویل سفر میں تنہا کس طرح رہ سکوں گی۔ میں نے جہاز کے کپتان سے درخواست کی تھی کہ میری مدد کریں اور اس سلسلے میں مجھے بے سہارا نہ چھوڑیں۔" بوڑھی عورت نے کہا۔ میں اس سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا۔

"آپ کا نام کیا ہے مادام؟"

"تم مجھے سونا بائی کہہ سکتے ہو۔" بڑھیا نے جواب دیا۔

"شکریہ میڈم سونا بائی۔ میں آپ سے اکثر ملاقات کرتا رہوں گا۔" میں نے کہا اور بڑھیا کے ہونٹوں پر پرخلوص مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی اندھی آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ نجانے کیوں مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا لیکن صرف ایک لمحے کے لئے ایسا ہوا اس کے بعد مجھے کوئی احساس نہ رہا۔

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور بڑھیا سے گڈ نائٹ کہہ کر کیبن سے باہر نکل آیا۔

کوئی خاص بات قابل ذکر تو نہیں تھا۔ بھلا میں کسی سے اس کا کیا ذکر کرتا۔ رات ہو گئی۔

دوسرے دن ہم جہاز کے عرشے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ میں نے ایک ہندوستانی جوڑے کو دیکھا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے ان لوگوں سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ جوان عمر جوڑا تھا انہوں نے بھی شاید مجھے غور کیا تھا اور مجھے اپنا ہی ہم وطن محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ مرد میرے نزدیک پہنچ گیا اس نے میرے قریب آ کر مجھے سلام کیا اور بولا۔

"معاف کیجئے گا اگر آپ ہندو ہیں تو پھر اس سلام کے الفاظ بدل لیجئے اور اگر مسلمان ہیں تو ٹھیک ہے۔"

"نہیں۔ میں مسلمان ہوں میرا نام بابر دُرانی خان ہے۔"
"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔ مجھے احمد سلیم کہتے ہیں اور یہ میری بیوی رشیدہ ہیں۔" نوجوان نے مسکراتے ہوئے ہیلو کہا۔
"میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ کا تعلق بھی میرے ہی علاقے سے ہے اور اگر کوئی وطن سے دور اپنے علاقے کا آدمی مل جاتا ہے تو بڑی مسرت ہوتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"
"یقیناً۔ یقیناً۔"
"ویسے آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟"
"بس۔ یہ سمجھئے، ایک طویل عرصہ سرزمین افریقہ میں گزرا ہے۔ مصر میں رہتا تھا اس کے بعد افریقہ کے کچھ اور علاقوں میں چلا گیا۔ وہاں سے واپسی ہوئی ہے اور اب میں اپنے وطن جا رہا ہوں۔"
"کتنے عرصے کے بعد جا رہے ہیں؟"
"کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب تو وقت بھی بھول گیا ہوں۔"
"آپ کا علاقہ کون سا ہے؟"
"میں پشاور، پشاور کے نواحی علاقے گل آباد کا رہنے والا ہوں۔"
"اوہ، بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔ میں سندھ سے تعلق رکھتا ہوں۔" نوجوان نے جواب دیا۔ ہم دونوں نے اپنا تعارف کرایا اور خاصے گھل مل گئے۔ یہ سلمان میرے پاس موجود تھے۔ نوجوان میرے بارے میں تفصیلات پوچھتا رہا۔ اپنے بارے میں اس نے تفصیلات بتائیں اور ہم دونوں کو ایک دوسرے سے مل کر بڑی مسرت ہوئی۔
"آپ اپنا کیبن نمبر بھی مجھے بتائیے تاکہ میں آپ سے ملاقات کر سکوں۔ میرا کیبن تو سامنے ہی ہے۔ آئیے کیوں نہ ہم وہاں بیٹھ کر گپ شپ لگائیں۔ بات چل جائے گی آپ سے۔ معاف کیجئے گا اپنائیت کا احساس ہو جائے گا۔ تشریف لائیے جناب۔" نوجوان نے کہا اور میں انکار نہ کر سکا۔ میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا لیکن کیبن نمبر چودہ کے سامنے پہنچ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔
"یہ۔ یہ۔ یہ آپ کا کیبن ہے؟"
"ہاں۔ کیسی حیرت کیسی بھائی آپ کو؟"
"میرا مطلب ہے کیبن نمبر چودہ!" میں نے تحیر آمیز انداز میں سوال کیا۔
"جی ہاں۔ تعجب ہے آپ اس پر حیرت کا اظہار کیوں کر رہے ہیں؟" نوجوان نے سوال کیا۔
"سمجھ لیں، آپ بھول تو نہیں رہے ہیں؟"
"مجھے کیا سوال ہے؟" نوجوان بولا۔
"لیکن۔ لیکن میرا مطلب ہے کہ آپ دونوں ہی ہیں اس کیبن میں یا کوئی اور بھی ہے؟"
"نہیں۔ ہم دونوں ہی ہیں۔ آخر ایسی کیا خاص بات ہے؟"
میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نوجوان نے کیبن کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ سب کچھ وہی تھا صرف سامان کا فرق تھا۔ پہلے یہاں پر ایک مختصر سامان دیکھا تھا میں نے لیکن اب یہاں کئی سوٹ کیس نظر آ رہے تھے جو بہت خوبصورت اور نئے تھے۔ بستر پر بھی خوبصورت سی چادر تھی۔ یہ وہ نہیں تھی جس پر میں نے بوڑھی کو سوتا دیکھا تھا۔ میری آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ معاملہ کیا ہے۔ احمد سلیم میری حیرانی پر حیران تھا۔ اس نے دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
"آپ کی حیرانی کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"
"ممکن ہے آپ میری بات کو افسانہ طرازی سمجھیں مسٹر احمد سلیم لیکن کیا آپ اس بات پر یقین کریں گے کہ کل ہی میں اس کیبن میں آیا تھا۔"
"سبحان اللہ۔ واقعی دلچسپ بات ہے۔" احمد سلیم نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔
"اور ایک بوڑھی عورت مجھے یہاں لائی تھی۔"
"واہ۔ رشیدہ کل تم بوڑھی تو نہیں تھیں۔" احمد سلیم نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔
"یہ تو تسلیم نہیں کرتی۔" احمد سلیم قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔
"میری بات کا مذاق اڑا سکتے ہیں آپ لوگ۔ ممکن ہے یہ سوچ ہو کہ میں اس افسانے کو تراش کر کوئی فائدہ حاصل کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں بہرصورت میں خاموش ہو جاتا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے کیبن نمبر چودہ میں لائی تھی۔ کیا کبھی اس کیبن میں کوئی بوڑھی عورت رہتی ہے؟"
"نہیں۔ اس میں تو ایک پاکستانی خاندان رہتا ہے جو شاید ہی کیبن میں ہی رہائش کرتا ہے۔ ہم جہاز میں پہلے روز کے وقت خاص طور سے چکور محسوس کرتے ہیں۔" احمد سلیم نے جواب دیا اور میں نے بات گول کر دی اور اس کے بعد میں نے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی۔ کافی دیر تک ہم اپنے ماحول، اپنے وطن کی باتیں کرتے رہے اس کے بعد میں نے ان سے چلنے کی اجازت طلب کی اور ان سے رخصت ہو کر شب بخیر کہہ دیا۔
"ویسے میں محسوس کرتا ہوں کہ میری بیوی آپ کے انداز سے کس قدر متاثر ہو گئی ہے۔"
"انتہائی شکر گزار ہوں احمد سلیم لیکن یقین کریں کہ میں خود بھی اتنا ہی متاثر ہوا ہوں۔ ہم پھر ملیں گے۔ ہم دوبارہ ملاقات کریں گے۔" میں نے جواب دیا اور احمد سلیم نے گرمجوشی

سے میرے ہاتھ ملایا۔ واپس پلٹا تو حیرت کی انتہا نہیں تھی۔ بلماں، فخر، راوی، بیزل اور ماروانزنگا کو بتا کر اس حیرت ناک واقعے کا تذکرہ کیا اور کسی کو تو کوئی احساس نہ ہوا لیکن ماروانزنگا بری طرح چونک پڑا تھا۔
"کیا مطلب، کیا مطلب؟ وہ تمہیں اندر لے گئی تھی ایک سیکنڈ رک جاؤ، کیا تم نے اس کا بازو چھوا تھا؟"
"ہاں۔ میں اسے سہارا دے کر کیبن میں لے گیا تھا۔"
"کون سے ہاتھ سے چھوا تھا تم نے؟" ماروانزنگا میرے قریب پہنچ گیا اور میں نے یاد کر کے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا اور ماروانزنگا نے میرے اس ہاتھ کو پکڑ کر سونگھا اور اس کی آنکھوں میں مسرت کی لہریں پھیل گئیں۔
"وہی ہے وہی ہے۔ وہی تھی سو فیصدی وہی تھی آہ میرے دوست تم نے اسے شناخت کر لیا۔ تم نے اسے تلاش کر لیا۔ میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں۔"
"کیا مطلب؟" میں نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔
"وہی تھی سو فیصدی اپسرا ہی تھی وہ۔"
"کمال ہے تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"
"بس جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں کہہ رہا ہوں وہ اپسرا ہی تھی آہ کاش وہ دوبارہ بھی تمہیں مل جائے۔ کیا تم اس سلسلے میں کوشش نہیں کرو گے؟"
"ضرور کروں گا۔ ظاہر ہے ہماری زندگی کا مقصد ہی یہی ہے۔"
"سو فیصدی اپسرا ہی تھی تم اسے تلاش کرو۔ ہم سب تمہیں تکتے رہیں گے۔ کاش تم اس بوڑھی عورت کو پھر سے پانے میں کامیاب ہو جاؤ۔ سنو اگر تم اسے پا لو تو ایک نشان رکھ دو اپنے پاس یہ نشان بظاہر زندگی ہے لیکن اگر وہ اندھی بوڑھی تمہیں مل جائے تو اس نشان کو اس کی پیشانی سے لگا دینا یہ نشان اس کی پیشانی سے چپک جائے گا اور پھر وہ ہماری نگاہوں سے غیر محفوظ نہ رہ سکے گی اور پھر جہاز میں اسے تلاش کر کے ختم کر دیں گے۔ تم یہ کام کرو بابر خان تم یہ کام کر دو میرے آقا اگر تم یہ کام کر لو تو پھر وہ اگلی بار ہمیں اسی جہاز پر نصیب ہو جائے گی اور زندگی کا باقی سفر سکون سے گزرے گا۔" میرے بدن میں بری طرح سنسنی دوڑنے لگی۔ سلمان بھی تحیر خیز نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا:
"کپتان واقعی بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ آپ نے مجھے بھی نہیں بتائی تھی۔"
"کہاں موقع ملا ذکر کرنے کا، اسی لئے میں نے تذکرہ بھی نہیں کیا تھا تم سے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی ایسی بات ہو گئی ہو۔
اگر کیبن نمبر چودہ میں یہ دو دوست نہ بتا جاتے تو میں کبھی اس بارے میں سوچتا بھی نہیں۔ تم خود سوچو بھلا اس معمولی سی بات کا تذکرہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اپسرا، میرا مطلب ہے وہ اس بوڑھی عورت کے روپ میں یہاں موجود ہے۔ آخر تم نے اسے تلاش کر ہی لیا ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسے کیبن میں مجھے لے گئی تھی جو اس کا اپنا نہیں ہے۔"
"یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ وہ دونوں بھی اصل میں یا نہیں۔"
"کون احمد سلیم سے مراد ہے تمہاری؟"
"ہاں۔"
"میرا خیال ہے ان میں کوئی گڑبڑ نہیں ہے۔"
"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" ماروانزنگا نے پوچھا۔
"تم سمجھو میں اس کا اندازہ لگا لوں۔ ہمارے مذہب میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی ادائیگی کوئی بھی مسلمان پہنچنے کے باعث عزت و فخر سمجھتا ہے اور کوئی غلط انسان ان الفاظ کی ادائیگی نہیں کر سکتا۔ میں کلمہ طیبہ کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ میں احمد سلیم سے جب دوبارہ ملوں گا تو اس سے کسی بھی طرح کلمہ پڑھوا لوں گا اگر یہ کلمہ شریف پڑھ دیتا ہے تو پھر اس کا مقصد ہے کہ غلط نہیں ہے اور اگر انہیں ناآشنا پایا تو وہ دونوں میاں بیوی میرے ہاتھوں سے بچ نہ سکیں گے۔" میں نے جواب دیا۔
"مناسب خیال ہے اس طرح تصدیق ہو جائے گی تو پھر آپ کب ملو گے؟"
"فوراً ہی ملنا تو مناسب نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ان دونوں سے ہی بوڑھی عورت کا تذکرہ کر دیا کہیں وہ محتاط نہ ہو جائیں۔"
"جو کچھ بھی ہو بہرطور اب تمہیں اس سلسلے میں اہم رول ادا کرنا ہے۔ پتہ نہیں اس نے تمہیں کیوں چنا۔ اس نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ تم بے فکری سے دل بہلانے کے انتظامات کرو۔"
"ہاں اس نے مجھ سے یہ درخواست کی تھی۔"
"اس کا مقصد ہے وہ تم سے مرعوب تھی۔ وہ بلاشبہ مرعوب تھی۔ آہ میرے دوست کاش تم یہ کام کر سکو۔" ماروانزنگا بے حد پرجوش نظر آ رہا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔
ویسے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مجھ سے کیوں ملی تھی اور اب اس بات کے امکانات ہیں کہ وہ دوبارہ مجھ سے ملے۔ یہ سلسلہ اسرار چونکہ میری سمجھ سے باہر کی چیز تھی اس سلسلے میں نے خود

زیادہ غور نہیں کیا۔ اگر وہ مجھے مل گئی تو کوشش کروں گا کہ ماکازونگا کو اس کے بارے میں بتا دوں ورنہ کوئی اہم بات۔ ماری تو ہے نہیں کیا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ سمندر کا سفر جاری تھا۔

شام کو بھی بوڑھی مجھے نہ ملی اور وہ سارا دن بھی اسی طرح گزر گیا۔ ماکازونگا اسی طرح بے چین نگاہوں سے ہر باریب میں اس کے سامنے سے گزرتے مجھے دیکھنے لگتا۔ پھر جب شام بھی ہو گئی تو اس نے میرے قریب پہنچ کر کہا۔

"مجھے بڑی مایوسی ہو رہی ہے آقا! کیا اب وہ ہمیں نہیں ملے گی؟"

"تمہارا کیا خیال ہے ماکازونگا۔ کیا اب بھی وہ اسی جہاز پر موجود ہے؟"

"یہاں سے کہاں جائے گی آقا۔ ظاہر ہے یہیں موجود ہوگی۔ اس کے لئے بھی سمندر پار کرنا ممکن نہیں ہے۔ پانی میں اتر جائے گی تو اس کا جادو ماند پڑ جائے گا اور پھر بڑی مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔ یہ سمندر ہر قسم کا جادو توڑ دیتا ہے۔" ماکازونگا نے بتایا اور پھر گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ پھر میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"تو پھر ایسا کیوں نہ کیا جائے ماکازونگا کہ ہم جہاز کے تمام کیبنوں کا جائزہ لیں۔ ایک ایک کیبن کو تلاش کریں۔ ممکن ہے وہ کسی کیبن میں ہمیں مل جائے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔ ہم ہر کیبن میں تو نہیں جھانک سکتے۔" ماکازونگا نے مایوسی سے کہا پھر بولا۔

"تم ایک کام کرو۔ تم نے کہا تھا کہ اس کیبن کے مکین تمہارے دوست ہیں۔ کیا تم مجھے اس کیبن میں لے جا سکتے ہو؟"

"ہاں میرا خیال ہے اس میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ایسا ہی کرو۔ مجھے اس کیبن میں لے چلو۔ میں اس کیبن کا بھی جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ وہاں سے ممکن ہے مجھے کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔"

"تمہارا دل چاہے تو ابھی چلو۔" میں نے کہا اور ماکازونگا بھی تیار ہو گیا۔ احمد سلیم اور شبینہ سے میری اتنی بے تکلفی ہو چکی تھی کہ میں ان کے کیبن میں کسی بھی وقت جا سکتا تھا۔ جب ہم کیبن کے پاس پہنچے تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ دوبارہ دستک دی تو کسی نے کہا "آ جاؤ" آواز احمد سلیم کی محسوس ہوئی تھی۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ کیبن میں بالکل تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

"ارے کیا ہے ہو تم لوگ؟" میں نے متعجبانہ انداز میں کہا

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے ٹٹول کر سوئچ بورڈ کی بتی جلا دی اور دوسرے لمحے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ سامنے ہی بوڑھی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہی بوڑھی جس نے اپنا نام سوزانا بتایا تھا۔ احمد سلیم اور شبینہ کیبن میں موجود نہیں تھے۔ بوڑھی کے سامنے ایک سفید کانچ کا بہت بڑا گولا رکھا ہوا تھا اور اس کے عقب میں وہ بیٹھی کسی چڑیل کی مانند نظر آ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں جو پہلے اندھی تھیں اب بالکل گول گول سرخ اور چمک دار نظر آ رہی تھیں۔ ہونٹ مڑے ہوئے تھے ناک کی چونچ نیچے کو جھک آئی تھی۔ وہی چہرہ تھا۔ لیکن خوفناک سی تبدیلیوں کے ساتھ وہ مجھے دیکھ کر شیطانی انداز میں ہنس پڑی تھی۔

"آ گئے ہو۔ آ گئے۔ بڑا اچھا کیا تم نے۔ ماکازونگا دروازہ بند کر دو۔ تم سے بہت سے حساب کتاب چکانے ہیں۔" ماکازونگا خونی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔ بوڑھی نے پھر ایک قہقہہ لگایا تھا۔

"کیا سمجھے ہو تم۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا میرا جادو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ کیا میری عزت ختم ہو گئی۔ کیا تم مجھ پر قابو پا لو گے۔ نہیں ماکازونگا یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ ابھی تو بغیر کسی دقت کے میں ہزاروں برس جی سکتی ہوں لیکن تم۔ تم اب زندہ نہیں رہ سکو گے۔ میں نے ایسا انتظام کیا ہے ماکازونگا کہ اب تمہاری ساری قوتیں خاک میں مل جائیں۔ کیا سمجھے۔ دیکھو۔ یہ دیکھو۔ دیکھو۔" اس نے سامنے رکھے ہوئے سفید گولے پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور گولا گھومنے لگا۔ پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ کانچ کا یہ گولا ٹوٹ گیا اور کیبن میں سفید سفید دھواں بھر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ہم دونوں کو ایک زوردار جھٹکا لگا کہ ہم فرش پر لڑھک گئے۔

"آقا۔" ماکازونگا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کیبن میں پھر تاریکی چھا گئی تھی لیکن اب کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کیبن میں اب ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔ میں بمشکل تمام دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہوا اور میں نے ایک بار پھر بٹن دبا کر روشنی کر دی۔ میرا اندازہ درست تھا کیبن بالکل خالی تھا۔ وہ مسہری اور دوسرا سامان جوں کا توں پڑا ہوا تھا نہ وہاں پر الیسرا تھی اور نہ ہی وہ کانچ کا ٹوٹا ہوا گولا۔ ایک ذرہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ دفعتاً دروازے پر دستک سنائی دی۔

"کون ہے اندر۔ کون ہے۔ دروازہ کھولو۔" احمد سلیم کی آواز تھی میری حالت غیر ہو گئی جو صورت حال اچانک سامنے آ گئی تھی

اس کے بارے میں مجھے اچھی طرح اندازہ تھا۔ احمد سلیم میرا ہم وطن اور اس کی بیوی مجھے اور ماکازونگا کو یہاں دیکھ کر کیا سوچیں گے؟ نہ جانے کیا سوچیں گے وہ۔ میں نے دل میں سوچا۔ شبینہ کے بارے میں سوچ کر میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ یہ تو برا ہو گیا۔ لیکن میری پوزیشن کتنی خراب ہو گئی تھی۔ دفعتاً جہاز کو ایک زوردار جھٹکا لگا اور باہر بہت سی چیزوں کے ٹوٹنے پھوٹنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اس کے ساتھ ہی احمد سلیم اور شبینہ کی چیخ ابھری تھی۔ میں نے پھرتی سے جا کر دروازہ کھولا۔ باہر ہنگامہ خیزی ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں جہاز کو کیا حادثہ پیش آیا تھا۔

بہرطور میں اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر کیبن سے باہر نکل آیا۔ ایک بار پھر جھٹکا لگا اور میں اور ماکازونگا لڑھکتے ہوئے دور تک چلے گئے۔

اس طرح لڑھکنے سے میرے بدن کے کافی حصوں میں چوٹیں لگی تھیں لیکن جہاز پر جو شور و قیامت بلند ہو گیا تھا اس نے مجھے ان چوٹوں کی پرواہ نہیں کرنے دی۔ ماکازونگا نہ جانے کس طرف گیا تھا۔ میں اسے تلاش کرنے میں ناکام رہا اور یہ وقت تلاش کا تھا بھی نہیں۔ ایک مرتبہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا رہا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے عالم خواب میں ہوں لیکن یہ خواب نہیں حقیقت تھی جہاز کے لاؤڈ اسپیکر پر کوئی چیخ رہا تھا۔

"جلدی کرو۔ سمندر میں کود جاؤ۔ لائف بوٹ بائیں جانب ہے۔ جہاز غرق ہو رہا ہے۔" یہ ہولناک آوازیں میرے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں اس کے بعد پانی کی ایک تیز لہر آئی اور مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

میں اب سمندر کے یخ بستہ پانی میں ڈبکیاں کھا رہا تھا اور بہت سے ٹوٹتے ہوئے تختے میری نگاہوں کے سامنے تھے بہت سے جہاز کی بلندی سے سمندر میں چھلانگیں لگا رہے تھے مجھے نہیں معلوم کہ میں کس طرح جہاز کے ایک بڑے تختے پر پہنچ گیا اس تختے پر ایک اور آدمی پہلے سے سوار تھا۔ ہم دونوں اس تختے سے چمٹے ہوئے دور تک چلے گئے اور ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز میں آگ بھڑک اٹھی جس نے چشم زدن میں سارے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ خدا کی پناہ ایسا بھیانک منظر میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا آگ کے شعلے آسمان کو چھو لینا چاہتے تھے اور ہر لمحہ دھماکوں کی آوازیں کانوں کے پردے پھاڑتی ہوئی نکل جاتی تھیں۔ جہاز آہستہ آہستہ پانی کے اندر غائب ہوتا جا رہا تھا اور بہت سے لوگ جو ابھی اس پر موجود تھے فرار کی کوئی راہ نہ پا کر سمندر میں

چھلانگیں لگا رہے تھے اور بہت سے غرق ہو رہے تھے۔

اسی لمحہ میں نے ایک لائف بوٹ دیکھی جو جہاز سے صرف پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر ہچکولے کھا رہی تھی جو لوگ تیرنا جانتے تھے وہ بے تحاشا ہاتھ پاؤں مار کر اس کشتی تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہوش و حواس کے قائم رہنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی احساس نہیں تھا کہ زندگی بچانے کی کوشش کی جائے اس لمحہ میں نے انسان کی بے وقعتی کو محسوس کیا۔ بہت سے شخص تھے میری زندگی میں میرے ذہن میں لیکن اس وقت میں بھول گیا تھا پروفیسر رازی اور شبنل یاد نہیں رہے تھے۔ ماکازونگا کا کوئی خیال دل میں نہیں تھا اور سب سے بڑی چیز پرکاش سلمان، ہاں سلمان جسے میں نے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا اور جس کے مشن کی تکمیل کے لئے میں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی اس وقت وہ بھی مجھے یاد نہیں آیا تھا۔

بس سمندر تھا چاروں طرف ہولناک آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور میرا ذہن ان آوازوں میں الجھا ہوا تھا۔ ہمارا یہ تختہ جس پر ہم یعنی میں اور ایک نامعلوم شخص سوار تھے دوسری سمت کو جا رہا تھا اور یہ بات نہایت ہی خطرناک تھی نہ معلوم کب تک ہم اس تختے سے چمٹے ہوئے سمندر کی بیکراں وسعتوں میں بھٹکتے رہیں میرا ساتھی شاید تیرنا جانتا تھا ہم دونوں نے تختے سے چھلانگیں لگائیں اور لائف بوٹ کی جانب بڑھنے لگے۔ کشتی میں کھڑے ہوئے چند لوگوں نے بمشکل تمام کھینچ کھانچ کر ہمیں اوپر چڑھا لیا۔

چڑھنے کو تو ہم کشتی میں چڑھ گئے لیکن یہ کشتی اس تختے سے بھی زیادہ غیر محفوظ تھی۔ ہر لمحہ یہ احساس ہوتا تھا جیسے اب یہ ڈوب ہی جانے والی ہے۔ تقریباً تیس فٹ لمبی اور آٹھ فٹ چوڑی اس لائف بوٹ میں بے شمار آدمی بھرے ہوئے تھے جن کے بوجھ سے کشتی پانی کے اندر کناروں تک ڈوب گئی تھی۔

صبح تک یہ کشتی پانی کے رحم و کرم پر اسی طرح ایک انجانی منزل کی طرف بڑھتی رہی اور جب سورج نے اس دلچسپ منظر کو دیکھنے کے لئے سمندر کے مشرقی کنارے سے سر ابھارا۔

تو کشتی میں سوار تمام مصیبت زدہ افراد نے ایک دوسرے کا جائزہ لیا۔ ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل نہ تھا جبکہ کشتی چند مسافروں کے لئے بنائی گئی تھی۔

خوب اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ لوگ اس میں کس طرح سمائے ہوں گے۔ اکثر لوگ ایک دوسرے پر لدے ہوئے تھے۔ بعض پشت سے پشت ملائے ہوئے تھے کسی کو ہلنے جلنے کی جگہ نہ تھی۔ میں نے

تم سے ملتی رہوں گی۔"

"نام نہیں بتاؤ گی اپنا؟"

"نہیں۔ تم پوچھنے کی کوشش بھی نہ کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔"

"لیکن میری محسنہ! میں اپنی محسنہ کے بارے میں کچھ تو جاننا چاہتا ہوں۔"

"بس یہی جان لو کہ میں ایک انسانی وجود میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔"

"اور یہ بھی نہیں بتاؤ گی کہ ہرن کا گوشت کہاں سے آیا؟"

"کہیں سے بھی آیا، جو تمہاری ضرورت تو پوری کرنے کا باعث بنا ہے۔"

"ہاں، اس میں کوئی شک نہیں ہے اگر تم واقعی وہی شخصیت ہو جو مجھے غذا دیتی رہی ہو تو میں یہ کہنے میں کوئی دریغ محسوس نہیں کروں گا کہ تم نے مجھے زندہ رکھا ہے۔"

"ہاں زندہ رکھنے کا ایک خاص مقصد بھی ہے۔"

"مقصد؟" میں نے تحیر خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"کیا مقصد ہے مجھے بتاؤ! میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں نے تم سے ایک بات کہی نا۔ وقت پر جب ضرورت ہوگی میں تمہیں بتادوں گی۔"

"آہ! میرے ذہن میں بے شمار سوالات ہیں ایک طویل عرصے کے بعد جب میں انسانی شکلیں بھول گیا تھا۔ میں نے ایک انسانی پیکر کو دیکھا ہے اور یہ پیکر بھی اتنا حسین ہے کہ دل کھنچا چلا جائے لیکن تم نے اپنے اوپر پراسراریت کے لبادے اوڑھ رکھے ہیں۔ مجھے بتادو تم کون ہو؟ میں تمہارے لیے کبھی بھی ضرر رساں ثابت نہیں ہوں گا۔" جواب میں پھر وہی ہنسی سنائی دی اور پھر سنجیدہ لہجے میں کہا گیا۔

"مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ سنو۔ میں نے ایک نیا روپ دھارا ہے۔ میں ایک نئی دنیا میں آئی ہوں اور اس نئی دنیا کے لیے تیاریاں کررہی ہوں۔ یہ تمہاری دنیا ہے۔ اس دنیا میں مجھے رہبر کی ضرورت پڑے گی جو میرا ساتھ دے سکے جو مجھے اس دنیا سے روشناس کراسکے اور وہ رہبر میں نے تمہیں منتخب کیا ہے۔ ہرچند کہ میں جانتی ہوں کہ تم کون ہو؟ اور کن قوتوں کا ساتھ دیتے رہے ہو، لیکن اس کے باوجود میں نے تمہیں اپنے لیے منتخب کرلیا ہے۔ اور اب تمہیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو میں چاہوں گی۔ جو کچھ تم کماتے رہے ہو وہ میرا عطیہ تھا، تمہارے لیے اور اب تم مجھ سے انحراف نہیں کرسکتے۔ اگر انحراف کروگے تو تمہیں ایک ایسا احساس ہوگا کہ تم موت کی آرزو کرنے لگوگے اور اگر تم نے مجھ سے تعاون کیا تو میری دوستی اور محبت پاؤگے اور اپنی دنیا میں وہ سب کچھ حاصل کرلوگے جو تمہیں کبھی نہیں مل سکتا تھا۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

پوری رات مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ یہ کون تھی، کون تھی یہ؟ مجھے اس کی شخصیت سے احساس ہوگیا تھا کہ کوئی ماورائی قوت ہے، کوئی ایسی قوت جو اس جزیرے پر حکمراں ہوگی۔ میں اس سے قبل اسے نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں تو یہاں انسانی شکل کو ترس گیا تھا اور وہ۔۔ وہ مجھ سے اس قدر قریب موجود تھی۔ اس نے جو کچھ کہا تھا پتہ نہیں اس پر عمل کرے گی یا نہیں۔ یہاں سے واپسی کا تصور میرے لیے بڑا ہی دلکش اور بڑا ہی سحر انگیز تھا۔ کیا میں یہاں سے واپس جاسکوں گا؟ کیا وہ جو کچھ کہہ چکی ہے درست ثابت ہوگا؟ رات بھر انہی خیالات میں غلطاں و پیچاں رہا۔

دوسری صبح میں نے دیوانہ وار اسے تلاش کرنا شروع کردیا۔ جزیرے کا ایک ایک چپہ چھان مارا۔ لیکن کسی انسانی وجود کا پتہ نہیں تھا۔ میں نے سوچا ممکن ہے وہ چٹانوں کے نیچے کسی غار میں رہتی ہو۔ چنانچہ ساری چٹانوں اور غاروں کو چھان مارا۔ لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اور جب میں واپس اپنے غار میں پہنچا تو میں نے اسے وہیں پایا۔

آج موسم صاف تھا چنانچہ وہ مجھے دھندلی دھندلی سی نظر آرہی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے وہ کسی شیشے کے پیچھے کھڑی ہو۔ شیشے کی بہت موٹی چادر کے پیچھے، جہاں انسانی جسم پھیلا ہوا نظر آرہا تھا۔

وہ میری نگاہوں میں واضح نہیں تھی اور یہ بھی اس کی کوئی طلسمی قوت تھی جس نے مجھے مسحور کردیا تھا۔

میں اسے دیکھتا رہا۔ اس کے خدوخال اب بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ چہرے پر جیسے باریک سی نقاب پڑی ہوئی تھی اور حسین آنکھیں اس نقاب کے عقب سے جھانک رہی تھیں۔

ان آنکھوں میں مسکراہٹ تھی اور مجھے ان آنکھوں کی بدولت پورا چہرہ مسکراتا ہوا نظر آرہا تھا۔

"کیسے ہو؟" پوچھا گیا۔

"ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ "ایک بات کا یقین کروگی؟"

"ہاں، ہاں، تمہاری تمام باتوں کا یقین کروں گی [illegible] تم کہو تو سہی۔"

اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔ انداز میں ذرا بھی سرد مہری نہیں تھی۔ "میں ساری رات نہیں سوسکا۔ تمہارے ہی بارے میں سوچتا رہا۔"

"کیا سوچتے رہے؟"

"تم۔ میں۔۔ میں کچھ نہ بول سکا۔"

"ہاں ہاں کہو۔ کیا حسن و دلکشی کی باتیں سوچتے رہے تھے؟" اس نے بے باکی سے کہا۔

"نن۔۔ نہیں نہیں۔ میں تمہاری پراسرار شخصیت کے بارے میں غور کرتا رہا۔"

"ہاں، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ میرے لیے کوئی غلط نظریہ مت قائم کرنا۔" اس نے جواب دیا اور میں کچھ شرمندہ سا ہوگیا۔

"نہیں۔ مگر میرے لیے افسوسناک بات یہ ہے کہ میں تمہیں کس نام سے پکاروں؟"

"فی الحال اس سے باز رہو۔ ایک مناسب وقت آئے گا جب میں اپنے بارے میں تمہیں تفصیل بتادوں گی۔ لیکن ابھی دیر ہے گی۔ تمہیں میرے لیے اپنی مہذب دنیا میں پہنچ کر وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو میں تم سے کہوں اور اگر تم نے اس سے پہلو تہی کی تو تمہارے حق میں بہتر نہیں ہوگا۔"

"دھمکیاں دے رہی ہو۔ میں تم سے وعدہ کرچکا ہوں آخر تم نے بھی تو میرے اوپر احسانات کیے ہیں۔"

"ان احسانات کو جانے دو۔ تم لوگ بہت ہی احسان فراموش ہوتے ہو۔ جب کچھ کرنے پر آتے ہو تو کسی کے احسان کو نہیں مانتے۔ تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا میں تمہاری فطرت سے ناواقف ہوں؟"

"اگر تم انسانوں کی بات کررہی ہو تو ٹھیک ہے میں ایسے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔" میرے اس جواب پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی تھی۔

"چلو اچھی بات ہے۔ تم ایسے لوگوں میں سے نہیں ہو۔۔ مجھے خوشی ہوئی۔۔ لیکن ایک بات اچھی طرح سمجھ لو۔"

"وہ کیا؟"

"اب تمہاری تمام محبت، تمام انسیت اور ساری وفائیں میرے لیے وقف ہیں۔ کسی اور کے بننے میں اگر تم نے سوچا تو صرف تم ہی نقصان اٹھاؤ گے۔ تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"دھمکیاں، پھر دھمکیاں، اچھا یہ بتاؤ مجھے اس ہولناک جزیرے سے کب نکال رہی ہو؟"

"بہت جلد، میں تمہیں اطلاع دینے آئی تھی تمہیں سمندر میں ایک طویل سفر کرنا ہوگا۔ طویل سے میری مراد یہ ہے کہ اتنے فاصلے پر جاؤ گے کہ تمہیں تکلیف بھی ہوسکتی ہے۔ کل صبح ساڑھے دس اور گیارہ کے درمیان یہاں سے ایک جہاز گزرے گا۔ یہ جہاز راستہ بھٹک گیا ہے۔ طوفان میں گھر گیا تھا۔ لیکن سمندر کے پرسکون ہونے کے بعد یہ اپنا راستہ بگاڑ رہا ہے۔ الٹی سمت اس طرف سے آنا پڑا ہے۔ یہاں سے وہ اپنی منزل پر چلا جائے گا اور بخیریت ہندوستان پہنچ جائے گا۔ تم اسی جہاز پر جاؤ گے۔ ایک ایسے مسافر کی حیثیت سے جو کسی طوفان کا شکار ہوکر یہاں آپہنچا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی غلط بات بھی نہیں ہے۔ تم جہاز کے کپتان کو اس جزیرے کی طرف اشارہ کرکے یہ بتاسکتے ہو کہ تم کتنے عرصے یہاں زندگی کیسے گزاری؟"

"کیا واقعی؟ تمہیں۔۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔ اور جواب میں مجھے وہی کھنکتا ہوا قہقہہ سنائی دیا۔ اور اس کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

مجھے اس کے بارے میں یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے۔

بہرصورت میرے لیے اطمینان کا پہلو تھا۔ وہاں اب پراسراریت تھی۔ اب یہاں کوئی دوسرا کا پہرا مجھ پر مسلط ہو جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اگر زندگی تو بچ جائے گی۔ ہندوستان تو پہنچ جاؤں گا اور پھر شکل و صورت سے کہ مجھے انہیں تو [illegible] صورت میں اگرچہ چند [illegible] پہچان سکیں۔ ان لوگوں کے تصور کے ساتھ ہی دل میں ایک عجیب سا احساس پیدا ہوگیا تھا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ زندہ بھی ہوں گے؟

بہرطور اب ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ زندگی کی خواہش کس دل میں نہیں ہوتی۔ میرے دل میں بھی تھی اور اسی طرح تھی۔ کوئی بھی انسان وقت سے پہلے مرنا نہیں چاہتا۔ وقت بھی [illegible] مجبوری اسے موت قبول کرنے پر مجبور کردیتا ہے۔ میں اس دن بھی [illegible] دیکھتا رہا۔ بار بار میرا دل چاہتا تھا کہ وہ میرے نزدیک آئے، مجھ سے باتیں کرے۔ لیکن وہ [illegible] نہیں [illegible] تھی۔

پہلے میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ مجھے جہاز پر جانے کا

طلوع ہو رہی تھی۔ خود کیا کرے گی یا خود کس طرح جہاز پر پہنچے گی؟ کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

بہر طور میں نے اپنا ذہن جھٹک دیا۔ رات کو بھی اچھی طرح نیند نہیں آئی تھی حالانکہ پچھلی رات کا جاگا ہوا تھا۔

بہر صورت دوسری صبح میں نے تیاریاں کیں۔ دل میں خوف و دہشت بھی تھی کہ اگر میں سمندر میں دور تک تیرتا ہوا نکل جاؤں تو کہیں سمندر کا شکار نہ ہو جاؤں۔ پتہ نہیں جہاز آئے گا بھی یا نہیں اور جہاز آ بھی جائے اور میں اس جگہ تک نہ پہنچ سکوں جہاں کی نشاندہی کی گئی ہے تو جہاز نکل جائے گا اور پھر میں یہاں رہ جاؤں گا۔ نجانے کتنے عرصے کے لیے! یہ جہاز تو بھٹک کر اس طرف آ گیا ہے۔ عام جہازوں کی گزرگاہ یہ نہیں تھی۔

اس کا مقصد ہے مجھے کوئی جہاز ہی نہیں ملے گا پھر میں نے سوچا۔ ویران جزیرے پر زندگی گزارنے سے تو بہتر یہی ہے کہ زندگی کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اگر میں زندہ ہوں، حسن وجوانی پا چکا ہوں، تندرست ہوں اور یہ یقین ہے مجھے کہ وہ گوشت لیے اس پراسرار وجود کی طرف کھینچا جا رہا ہے۔ تو پھر مجھے اس کی اس بات پر بھی یقین کر لینا چاہیے کہ سمندر سے ایک جہاز گزرے گا۔ چنانچہ صبح ہی صبح میں نے تیاریاں شروع کر دیں اور پھر اللہ کا نام لے کر پانی میں اتر گیا۔

بدصورت چٹانوں کا یہ جزیرہ آہستہ آہستہ پیچھے جا رہا تھا۔ اور میں تیرتا ہوا سمندر میں آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اور میں یہ اندازہ نہیں لگانا چاہتا تھا کہ میں جزیرے سے کتنی دور نکل آیا ہوں۔

ذہن میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے۔ دل ڈوب رہا تھا لیکن مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اپنی زندگی کی جدوجہد کے لیے سب کچھ کرنا پڑ رہا تھا اور ان الجھے ہوئے خیالات کو جھٹکنے کا طریقہ یہی تھا کہ میں سوچنا چھوڑ دوں۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ جہاز نہ آیا تو کیا میں واپس جزیرے تک پہنچ سکوں گا۔ سمندر کی پرشور موجیں اب یہاں کافی شدت پکڑ گئی تھیں اور ان کے درمیان تیرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن میرے بدن کی قوت حیرت انگیز تھی۔ اس سے پہلے میں نے خود کو کبھی اتنا توانا محسوس نہیں کیا تھا۔

بہر صورت میں بہت دور نکل آیا۔ وقت نجانے کیا ہو گیا تھا۔ سورج خوب چمکنے لگا تھا۔ تب میں نے آنکھیں کھول لیں اور دفعتاً میرا دل اچھلنے لگا۔

وہ جہاز مجھ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ جہاز کے عرشے پر بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے جو مجھے دیکھ رہے تھے۔ یقیناً مجھے دیکھ لیا گیا تھا۔ میں تو آنکھیں بند کر کے تیر رہا تھا۔ اس لیے میں یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور ویسے یہ اچھا ہی ہوا تھا میرے حق میں۔ چونکہ جہاز والے ممکن ہے اگر دور سے مجھے دیکھتے تو کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ ہوتے۔ وہ پہلے ہی مصیبتوں کا شکار ہو چکے تھے۔

میں آہستہ آہستہ جہاز کے نزدیک پہنچ گیا تھا پھر جہاز سے مجھ پر ایک رسہ پھینکا گیا۔ رسہ کیا سیڑھی تھی ایک باقاعدہ۔ میں نے اسے پکڑ لیا۔ اور آہستہ آہستہ مجھے گھسیٹا جانے لگا۔ میرا دل حسرت سے لرز رہا تھا اور میں ان لوگوں کو ایک کہانی سنانے کے لیے آہستہ آہستہ خود کو تیار کر رہا تھا۔ ویسے یہ کیا حسرت انگیز بات تھی کہ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ حرف بحرف راست نکلا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں جہاز کے عرشے پر پہنچ گیا۔ کئی ہاتھوں نے مجھے سہارا دے کر نیچے اتارا اور میں عرشے پر لیٹ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ تھکن تو ہو ہی گئی تھی اور پھر میری حالت بھی زیادہ بہتر نہیں تھی۔

جہاز کا کیپٹن جو ایک طویل القامت اور سرخ و سفید انگریز تھا۔ میرے بالکل نزدیک جھک گیا اور مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے میرا کاندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"فکر مند نہ ہو۔ اب تم بالکل محفوظ ہو۔ شاید تم سمندر میں گم گئے تھے۔ کسی جہاز سے! یا پھر ممکن ہے کسی تباہ شدہ جہاز کے شکار ہو؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ سر پر سورج چمک رہا تھا۔ اس لیے آنکھیں اس کی چکاچوند سے دوبارہ بند ہو گئیں۔ تب کیپٹن کی آواز سنائی دی۔

"اسے کیبن میں لے جاؤ، ہاتھ پاؤں کی مالش کرو۔ دودھ پلاؤ۔ اس کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ توانا آدمی ہے، میرا خیال ہے۔ برداشت کر جائے گا۔"

"او کے چیف!" جواب ملا اور تھوڑی دیر کے بعد کچھ لوگ مجھے اٹھا کے کیبن میں لے گئے۔

گرم کیبن تھا۔ وہاں وہ لوگ میرے ہاتھ پیروں کی مالش کرنے لگے پیٹ کو بھی سہلایا گیا۔ میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ میری اتنی خراب حالت نہیں تھی۔ جتنی وہ لوگ سمجھ رہے تھے۔

بہر صورت گرم گرم دودھ کا ایک گلاس پینے کے بعد میں نے خود کو پرسکون ظاہر کیا۔ البتہ تھوڑا سا نڈھال رہنا ضروری تھا۔ ورنہ پتہ نہیں یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔؟

"کیا تم ہمیں اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گے؟"

"ہاں۔ میں ایک تباہ شدہ جہاز کا شکار ہوں۔" میں نے اپنے جہاز کا نام لیتے ہوئے کہا۔ جس پر میں نے سفر کیا تھا اور وہ لوگ حیران رہ گئے۔

"اوہ تو تم اس جہاز کا شکار ہوئے تھے؟"

"ہاں۔"

"کیا تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"ہاں، وہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا تھا پتہ نہیں کیا ہوا تھا؟ تحقیقات بھی نہ ہو سکی۔"

"اس میں موجود مسافر؟"

"کچھ بچ گئے تھے۔ لیکن کوئی فوری امداد وہاں نہیں پہنچ سکی تھی بس قرب و جوار کے جزیرے والے انہیں بچا پائے تھے۔ زمین کشتیاں ملیں، جنہیں بہت دور جا کر سمندر میں پکڑا گیا۔ اور اس میں سے کچھ آدمی بچا لیے گئے۔ آہ۔ آہ۔ میں اس جہاز کا مسافر ہوں جس کے بے شمار افراد سمندر برد ہو گئے۔"

"اس میں تمہارے دوست اور عزیز و احباب بھی ہوں گے؟"

"ہاں۔"

"لیکن اس دوران تم کہاں رہے؟"

"دور بہت دور تم سمندر پہ وہ سیاہ لکیر دیکھ رہے ہو۔ وہ ایک جزیرہ ہے۔ آدھا میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا۔ بے آب و گیاہ جزیرہ، ویران، جہاں مچھلیوں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ میں وہاں مچھلیاں کھا کھا کر زندگی گزارتا رہا ہوں۔ تقدیر تھی کہ بچ گیا۔"

"کیا تم نے دور ہی سے ہمارے جہاز کو دیکھ لیا تھا؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"جہاز کیپٹن کو اطلاع دو کہ وہ ہوش و حواس میں ہے۔ اور صحیح الدماغ ہے۔ وہ اپنے جہاز کی تباہی کی داستان سناتا ہے۔" ان میں سے ایک شخص نے کہا۔ غالباً یہ ڈاکٹر تھا، دوسرا آدمی باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد کپتان نے میرے لیے ایک لباس بھیجا۔ اندازے سے یہ لباس بھیجا گیا تھا لیکن میرے بدن پر بالکل صحیح تھا۔ میں نے ان لوگوں سے معذرت کی اور بنیان و قمیض کے علاوہ ایک سویٹر بھی پہن لیا جو کپتان نے ازراہ عنایت میرے لیے بھیجا تھا۔ ننگے پاؤں تھا۔ چنانچہ ایک عام استعمال کی چپلیں بھی مجھے فراہم کر دی گئی تھیں۔

یہ لباس پہن کر مجھے کس قدر مسرت ہو رہی تھی۔ میں بتا نہیں سکتا۔ میں تو زندگی سے ہی مایوس ہو چکا تھا لیکن میری محسنہ نے مجھے نئی زندگی دی تھی۔ میں اس کا ممنون کرم تھا۔

جہاز کا نام پہلے مد تھا اور اس کا کیپٹن جانسن فلوراٹس تھا۔ بڑا ہی نفیس آدمی تھا۔ مجھے انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اس نے ہر سہولت مہیا کر دی تھی۔ یہ بات بھی درست نکلی تھی کہ وہ ہندوستان ہی جا رہا تھا۔

میں نے اسے اپنے بارے میں تفصیلات بتائیں تو اس نے کہا۔ "کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ بتائے گا کہ میں حادثے کا شکار ہوا ہوں۔"

بہر صورت جہاز میں سفر جاری رہا۔ دوران سفر ایک بار بھی مجھے اس کی آواز نہیں سنائی دی تھی اور نہ ہی مجھے کوئی شکل نظر آئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری وہ محسنہ کس طرح مجھے ہندوستان تک لے گی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟

بہر حال جب کچھ کر ہی نہ سکے تو خاموشی اختیار کرنا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ جہاز کے عملے کے لوگ مجھ سے بہت بہتر سلوک کر رہے تھے۔ ویسے یہ مسافر بردار جہاز نہیں تھا۔ بلکہ کارگو شپ تھا اور سامان لے کر جا رہا تھا۔

جہاز کا سفر جاری رہا اور پھر وہ بمبئی کی بندرگاہ سے جا لگا۔ جہاز کے کپتان نے مجھے اپنے ساتھ رکھا تھا۔

پہلے وہاں سے سامان اتر رہا تھا۔ میں پریشان تھا کہ دیکھو نجانے یہاں مجھے کن کن مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ بہر صورت جس کیبن میں مجھے رہنے کے لیے کہا گیا تھا۔ میں اس میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً مجھے اپنے عقب میں سرسراہٹ محسوس ہوئی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا اور ششدر رہ گیا تھا۔ وہ ایک انسانی پیکر ہی تھا لیکن چمکدار لکیروں کی شکل میں۔ بس ایک ہیولہ تھا۔ روشن آؤٹ لائن اور اس کے اندر تاریکی۔ اس آؤٹ لائن سے مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"بابر داد خان! تم خیریت سے تو ہو نا؟"

"تم۔ تم۔ یہ تمہاری نئی شکل ہے؟"

"ہاں، ابھی مجھے اپنی اصل ہیئت حاصل کرنے میں ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ سمندر عبور کرنے کے بعد میں نے اپنی جو ترکیب حاصل کی تھیں، وہ بھی فنا ہو گئیں۔ مجھے ایک طویل سفر کرنا ہے بابر داد خان! اور تم اس میں میرے معاون رہو گے۔" اس نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"ویسے کسی بھی مرحلے پر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تمہارے لیے کوئی مشکل در پیش نہیں ہو گی۔ تم جہاز سے

نکل کر اس مہذب دنیا میں جانے کے بارے میں سوچ رہے ہو نا! جہاز کے کپتان نے تم سے اس سلسلے میں بہت سے وعدے کیے ہیں۔ ان تمام چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گی اور باہر چھوڑ دوں گی۔ تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لو۔"

"وہ کیا؟"

"تمہیں ہر حالت میں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔ میں نے تمہاری زندگی صرف اس لیے بچائی ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون کرو۔ اگر تم نے تعاون نہ کرنے کی سوچی یا میرے ساتھ غداری کی کوشش کی تو ایسی عبرتناک سزا پاؤ گے، جس کا تصور تم نے کبھی خواب میں بھی نہ کیا ہوگا۔ جو کچھ میں کہوں اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا۔"

"مگر۔ مگر تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہو؟ اگر یہ بات ہے تو میں تم سے اور بھی بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور کرنا۔ ابھی میں تمہیں صرف یہ بتانے آئی تھی کہ تم پریشان نہ ہو۔ آؤ میں تمہیں باہر لے چلوں۔"

"ابھی۔ اور کسٹم حکام۔؟"

"دیکھو مجھ سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا ہاتھ پکڑو۔" اور میں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ بس مجھے یہی محسوس ہوا تھا جیسے میرا ہاتھ روئی کے نرم نرم گالے میں جا دبا ہو۔ میں اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

میرے قدموں میں لرزش تھی۔

جہاز پر سے سامان اتارا جا رہا تھا۔ اس کی جھنی سی کھنک مجھے اپنے کانوں میں سنائی دی۔ اس وقت کرین ایک بہت بڑی سی پیٹی اٹھا رہی تھی۔ اس نے مجھے اُچکا کے اس پیٹی پر بٹھا دیا۔

میرے حواس جواب دینے لگے تھے۔ پیٹی آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔۔۔ پھر وہ اتنی اوپر اٹھ گئی کہ اگر میں یہاں سے گر جاتا تو میری ہڈیاں پسلیاں چور چور ہو جاتیں۔

مجھے خوف تھا کہ دوسرے لوگوں نے مجھے دیکھا ہوگا اور جانے کیا سوچ رہے ہوں گے میرے بارے میں۔ کرین آہستہ آہستہ اپنی جگہ گھوم رہی تھی اور پھر وہ گودی کے نزدیک پہنچ گئی۔ پیٹی نیچے آ رہی اور میں اچھل کر زمین پر آ گیا۔ قرب و جوار میں بہت سے مزدور، پورٹر اور دوسرے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں کسٹم کلرک وغیرہ بھی تھے لیکن کسی نے مجھ پر توجہ نہیں دی۔ میں حیران تھا، ششدر وہاں کھڑا ہوا اور سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ مجھے کچھ کہیں گے۔ لیکن دفعتاً مجھے اپنے ہاتھ پر گرفت محسوس ہوئی۔ البتہ اب چمکدار آنکھیں بھی غائب تھیں۔ میں پُراسرار وجود کی گرفت میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اور پھر اس نے مجھے گودی سے باہر نکال کر چھوڑ دیا۔

پھر اس کی آواز میرے کانوں میں گونجی: "بابر داد خان! یہ بمبئی ہے۔ کسی عمدہ سے ہوٹل میں جاؤ اور یہاں سے اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو۔"

"لیکن۔ تم۔ میں۔ ہوٹل میں؟"

"یہاں بھی مجھے ہی تمہارے ساتھ مصیبت بھگتنا پڑے گی۔ اچھا چلو، وہ سامنے ٹیکسی جا رہی ہے۔ اسے اشارہ کر کے روکو۔" اس نے کہا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا۔ پھر ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ ٹیکسی رک گئی اور پھر ریورس ہو کر میرے قریب آ گئی۔ میں ٹیکسی میں سوار ہو گیا۔

"ہوٹل امپیریل۔" میرے کانوں میں سرگوشی سنائی دی۔ مجھے اپنے نزدیک ہی کسی نرم سے وجود کا احساس ہو رہا تھا۔ کوئی میرے برابر بیٹھا ہوا تھا۔

سیٹ نمایاں طور پر دبی ہوئی تھی۔ میں نے لرزتی آواز میں ڈرائیور سے کہا۔

"ہوٹل امپیریل۔" اور ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔

راستے میں خاموش رہا۔ بمبئی کی چمک دار سڑکیں، میرا دیس ہندوستان سب کچھ مجھے عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ بہرحال سفر جاری رہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل امپیریل کی پُرشکوہ عمارت کے پاس پہنچ گئے۔

یہاں میں ٹیکسی سے نیچے اتر آیا۔ میں خوف و دہشت میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب ٹیکسی ڈرائیور کا بل کہاں سے ادا کروں گا۔ میرا ہاتھ یوں ہی اپنی جیب کی طرف رینگ گیا۔ مجھے اپنی جیب میں نوٹوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے نوٹ نکال لیے۔ ڈرائیور منتظر نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے جلدی سے ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"کھلا نہیں ہے صاحب۔" ڈرائیور نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے رکھو۔" میں آہستہ سے بولا اور ڈرائیور نے جھک کر سلام کر ڈالے۔ میں ٹیکسی کے واپس جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

"اب کیا کروں؟" میں نے سوالیہ انداز سے پوچھا۔

"اب آگے بڑھو۔ ہوٹل میں کمرہ حاصل کرو اور کمرے میں مقیم ہو جاؤ۔"

"کمرہ کس نام سے حاصل کروں؟"

"بابر داد خان کے نام سے۔"

"بل لیکن۔ میں۔ میں بل کی ادائیگی کہاں سے کروں گا؟" میں نے پوچھا اور جواب میں مجھے وہی کھنک دار ہنسی سنائی دی۔

"بل کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ فکر کیوں کرتے ہو؟ چلو آگے بڑھو اور ہوٹل چل کر کمرہ حاصل کرو۔"

میں بھاری قدموں سے ہوٹل کی عمارت میں داخل ہو کر کاؤنٹر کے پاس پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کلرک نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کمرہ چاہیے۔" میں نے کہا۔ اور اس نے رجسٹر میرے سامنے سرکا دیا۔

"اس میں اپنا نام اور پتہ لکھ دیجئے۔"

میں نے اپنا نام و پتہ اس کی ہدایت کے مطابق اصل ہی لکھا تھا۔ کاؤنٹر کلرک نے چابی میری طرف بڑھا دی۔

"پانچ سو روپے ادا کر دیجئے جناب! باقی پیسے بعد میں دے دیجئے گا۔"

"جیب۔ پانچ سو روپے۔" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں جیب ٹٹولی۔ جیب میں پھر نوٹوں کی سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ میں نے جیب سے ہاتھ نکالا، میرے ہاتھ میں پورے پانچ سو روپے تھے۔ میں نے گردن جھٹکی اور نوٹ کاؤنٹر کلرک کے حوالے کر دیے۔

کاؤنٹر کلرک نے فوراً پورٹر کو طلب کیا اور مجھے میرے کمرے تک پہنچانے کے لیے کہا۔ میں اپنے کمرے میں آ گیا۔

آرام دہ اور کشادہ کمرہ تھا۔ بستر پر بیٹھ کر میں پریشانی سے پیشانی مسلنے لگا۔ جو کچھ ہو رہا تھا میری سمجھ اور توقع کے بالکل خلاف تھا۔

جہاز میں، میں نے شیو وغیرہ درست کر لیا تھا۔ ایک باربر نے میرے بال وغیرہ بھی کاٹ دیے تھے اور میں انسانی شکل میں آ گیا تھا لیکن یہ سب کچھ تھا البتہ میری سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ زندگی اب کن راستوں پر سفر کرے گی؟

آئندہ زندگی میرے لیے کیا ٹھہرے گا؟ یہ سوال نامکمل تھا۔ اب ان لوگوں کا ملنا تو ناممکن ہی تھا۔ ان کا تو نام و نشان ہی مٹ چکا تھا جن لوگوں کے ساتھ میں زندگی گزار رہا تھا۔ اس عجیب و غریب زندگی کا کوئی اور مقصد میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سلمان بیچارہ، بالآخر موت کا شکار ہو گیا تھا۔ اسی طرح جس طرح اس کے آباؤ اجداد اسے ہلاک کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کا انجام بھی وہی ہوا تھا جو اس کے بزرگوں کا ہوتا چلا آیا تھا۔ بلاشبہ اس نے پھر کر نقصان ضرور پہنچا دیا تھا۔ اسے اپنی صدیوں پرانی مملکت کو چھوڑ کر جانا پڑا تھا۔ لیکن بہرصورت اس کے بعد اس نے سلمان کو بھی ٹھکانے لگا دیا تھا۔

مجھے وہ بوڑھی اچھی طرح یاد تھی جس کی وجہ سے جہاز میں ہنگامہ ہوا تھا اور جہاز تباہ ہو گیا تھا۔ یقیناً وہ جادوئی قوتوں کا مالک تھا، جس نے بے شمار انسانوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہ سب سلمان کی وجہ سے ہوا تھا۔

بہرطور میں کیا کر سکتا تھا؟ جو کچھ بیت چکی تھی وہ تو بیت ہی گئی تھی۔ مجھے یہ نئی شکل و صورت مل گئی تھی اور میں کسی طلسمی جال میں پھنس گیا ۔۔۔ تھا۔ وہ بدروح جو میرے پیچھے اس جزیرے سے لگ گئی تھی۔ اب بالکل قریب ہی تھی۔ اور نجانے کیا کام لینا چاہتی تھی! نجانے وہ کیا چاہتی ہے؟

میں بیٹھا سوچتا رہا۔ دفعتاً مجھے اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا۔

"کتنی بڑی پریشانیوں میں اُلجھے رہو، یہ پریشانیاں تمہاری اپنی پیدا کردہ ہیں۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ تم مجھے بد روح سمجھو یا کچھ اور ۔۔۔ بہرصورت میں تمہارے ساتھ ہی یہاں تک آ پہنچی ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو، تمہاری ذات میرے لیے کوئی معمولی حیثیت رکھتی ہے؟ ہرگز نہیں بابر داد خان! شاید تمہیں اس کا احساس بھی نہ ہو کہ میں کسی انسانی وجود میں سمندر پار نہیں کر سکتی تھی۔ اگر میں ایسا کر سکتی تو اس جزیرے سے تمہارے بغیر ہی آ جاتی۔ لیکن بے پناہ مشکلات تھیں مجھے۔ میں تمہارے ہی بدن پر ایک معمولی سی حیثیت اختیار کر کے جہاز تک پہنچی۔ حالانکہ ایک لمحے کے لیے تم نے مجھے خطرے میں ڈال دیا تھا۔"

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا اور پھر وہی نقرئی ہنسی میرے کانوں میں گونجی۔ اب مجھے کوئی ہیولا وغیرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ یہ محسوس کر رہا تھا کہ کمرے میں، میں تنہا نہیں ہوں۔ تب اس نے کہا۔

"میں تمہارے سر میں ایک ننھا سا کیڑا بن کر رینگ رہی تھی۔ شاید تم اس کیڑے کو جوں کہتے ہو۔ میں اسی طریقے سے یہاں تک آ سکتی تھی۔ تمہارے سر اور داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے میں نے ان میں پناہ حاصل کی۔ اور اس وقت میں پریشان ہو گئی تھی جب باربر تمہارے بال کاٹ رہا تھا۔ یقین کرو مرتے مرتے بچی تھی۔ ورنہ میری طرح کی کہانی ایک ایسے معمولی انسان کے ہاتھوں ختم ہو جاتی جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

"اوہ، پھر اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد کچھ نہیں۔ ظاہر ہے پھر مجھے تمہارا تعاون مل گیا۔"

تاش بازی کی میز پر پہنچا۔ یہاں بھی ہزار ہزار کے تین داؤ لگائے۔ اور وہاں سے مجھے پندرہ ہزار روپے مل گئے۔ گویا آج کی کمائی اکیس ہزار تھی۔ میں ایک دم سے زیادہ نہیں کمانا چاہتا تھا لیکن یہ بخت میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ میں اپنی نادیدہ محسن کی وجہ سے اکیس ہزار روپے کا مالک بن گیا تھا۔ اب اگر مسرت حاصل ہو رہی تو وہ وقت زیادہ دور نہیں تھا جب میں بمبئی میں نمایاں شخصیت کا حامل بن جاتا۔

جب میں واپس اپنے کمرے میں پہنچا تو میں بہت خوش تھا۔ میری نادیدہ محسن میرے ساتھ تھی پھر اس نے اپنی کھلکھلاتی آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے اب میں جاؤں، تم مطمئن ہو؟"

"بہت زیادہ مطمئن، تم نے تو میری زندگی ہی بدل ڈالی۔"

"بس تم جس طرح چاہو عیش و عشرت کی زندگی حاصل کر سکتے ہو بس تمہیں میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔"

"میں تیار ہوں۔ تمہاری وجہ سے مجھے زندگی کی بہت سی مسرتیں اور خوشیاں مل گئی ہیں، میں انہیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔" میں نے جواب دیا اور دوسری طرف سے آواز آنا بند ہو گئی۔

"سنو!" میں نے تھوڑی دیر کے بعد اسے مخاطب کیا لیکن اب کوئی آواز میرے نزدیک نہیں آئی تھی۔ میں پرمسرت انداز میں جیب میں رکھے ہوئے نوٹوں کو نکال کر انہیں گننے لگا۔ اکیس ہزار سات سو میں روپے تھے۔

یہ رقم میرے لیے بہت کافی تھی۔ حالانکہ ایسی بات نہیں تھی کہ میں نے دولت نہ دیکھی ہو۔ اگر میں سرزمین مصر چلا جاتا تو کروڑوں روپے کی دولت کا مالک تھا لیکن لٹتے مرتے بعد اپنے وطن آ کر مجھے یہ سب کچھ بہت عجیب لگنے لگا تھا۔ یہاں دولت کا حصول میرے لیے آسان کام نہیں تھا۔ لیکن بہرصورت وہ مجھے میری پسند کے مطابق حاصل ہو رہی تھی۔ سرزمین مصر جا کر تو ویسے بھی میری شخصیت پوشیدہ ہو سکتی تھی۔ بھلا کون اس بات کو تسلیم کرتا کہ میں ہی یاور دادخان ہوں، سلمان کہلاتا تھا۔

مجھے علم نہیں تھا کہ تعلیم وغیرہ وہاں پہنچے یا نہیں۔ بہرصورت سلمان ہلاک ہو چکا تھا اور اس کی یاد جب بھی آتی تو میرا دل دھڑکنے لگتا تھا لیکن کیا کرتا!

بہت سے احساسات اور خیالات ذہن میں تھے لیکن زندگی میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ جوانی لوٹ آنے کے بعد ساری عادتیں اپنا لوں۔ فطرت ہی بدل کر رہ گئی تھی میری تو۔ رات ہو گئی، اپنے کمرے میں ہی کھانا منگوایا اور کھانا کھانے کے بعد گہری نیند سو گیا بڑی پرسکون نیند آئی تھی۔ یہ خیال ہی دل میں فیصلہ کیا تھا کہ تقدیر نے زندگی میں جو تبدیلی پیدا کی ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں۔ ایسی زندگیاں تو بہت ہی کم لوگوں کو ملتی ہیں۔

دوسری صبح ناشتے سے فارغ ہو کر سوچنے لگا کہ بمبئی کی سیر کو نکلوں۔ دفعتاً مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور میں اس طرف متوجہ ہو گیا۔

"شاید یہ تم ہو؟"

"ہاں۔"

"کیسے مزاج ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"کوئی خاص بات؟"

"نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ تم یہ بتاؤ آج کے لیے تم نے کیا فیصلہ کیا؟ کیا سیر و تفریح کے لیے نہیں چلو گے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ لیکن کیا تم میرے ساتھ جاؤ گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، میں ہر روز تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ اب میں یہاں کے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں ورنہ تم تنہا ہو گے اور کوئی بات میری سمجھ میں نہ آئی تو تم سے پوچھتی جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ چلو۔" میں نے جواب دیا اور میں ہوٹل سے باہر نکل گیا۔

میں نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ باہر آ کر میں نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر چوپاٹی چل پڑا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر وہ آہستہ سے بولی۔

"اب کیا تم ان کشتیوں میں بیٹھو گے۔ جو ادھر ادھر گھوم رہی ہیں؟"

"نہیں نہیں، کیوں، تمہیں کشتیوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے؟"

"ہاں، میں سمندر سے بے حد خوفزدہ رہتی ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے، بہرصورت یہ دیکھو، یہ زندگی ہے۔ وہ ادھر پکوڑے تلنے والی عورتیں کام کر رہی ہیں۔ یہ بے چاری محنت مزدوری کرتی ہیں اور یہ وہاں نوجوان جوڑے ہیں جو سمندر کے کنارے اپنی محبت کی تکمیل کرنے کے لیے آتے ہیں۔" وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ پھر عجیب سے لہجے میں بولی۔

"تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس جو محبت کی جاتی ہے۔ وہ میں نے واقعی کبھی نہیں کی۔ حالانکہ ایک عورت میری زندگی میں آئی تھی…"

"میں جانتی ہوں۔ تم مصر کی بات کر رہے ہو نا!"

"اوہ! تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے چونک کر سوال کیا اور

پھر وہ آہستہ سے ہنس پڑی۔

"تمہارے بارے میں تو مجھے سب ہی کچھ معلوم کرنا پڑا ہے۔ آخر تم میرے ساتھی جو ہو۔"

مجھے اس نادیدہ وجود کا ساتھ خود بھی بے حد پسند تھا جس نے میری فطرت بدل کر رکھ دی تھی۔ پھر وہ بولی۔

"رات کو پھر جوا کھیلو گے؟"

"ہاں۔ اب جب تم نے مجھے زندگی کی اس راہ پر ڈال ہی دیا ہے۔ تو میں چاہتا ہوں کہ میرا ایک گھر ہو، ایک خوبصورت سی کوٹھی بناؤں اور خوب دولت حاصل کروں۔"

"تو پھر یوں کرو۔ تم روزانہ مختلف ہوٹلوں اور کلبوں میں جوا کھیلا کرو۔ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ جس طرح بھی کہو گے کرتی رہا کروں گی۔" میں نے گردن ہلا دی۔

پھر یہی ہوا۔ رات کو پھر میں جوا کھیلا، اکیس ہزار کی رقم میں نے تھوڑی تھوڑی کر کے داؤ پر لگانا شروع کر دی اور ہر داؤ میری تقدیر کا ساتھ دے رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے پاس تقریباً اٹھاون ہزار روپے جمع ہو گئے۔ اکیس ہزار کی رقم کو اٹھاون ——— ہزار میں تبدیل کر کے میری مسرت کی انتہا نہیں رہی تھی۔ بہرصورت میں نے وہیں بیٹھنا مناسب نہیں کیا اور اس ہوٹل سے نکل آیا۔ پھر اس ہوٹل سے نکل کر میں ایک دوسرے ہوٹل میں پہنچ گیا اور میں نے اٹھاون ہزار روپے کی رقم سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اور رات کو جب میں سامنے گیا۔ جب وہاں سے اٹھا تو میرے پاس ایک لاکھ اٹھائیس ہزار روپے تھے۔ میں تھکا نہیں ہار رہا تھا۔ یہ رقم میں نے ایک بریف کیس میں رکھی اور وہاں سے واپس چل پڑا۔ اتنی رقم اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ اسے اگلے دن بینک میں جمع کرا دوں گا اور یہی ہوا۔

دوسرے دن میں نے اس میں سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے بینک میں جمع کر دیے۔ صرف آٹھ ہزار روپے اپنے پاس رکھ لیے۔ میری نادیدہ محسن میرے ساتھ تھی۔ اب مجھے کس بات کی پرواہ ہو سکتی تھی۔ میں اسے دنیا کے بارے میں بتاتا رہا۔

اس طرح چار پانچ دن کا سلسلہ جاری رہا اور رات کو پھر میں جوا خانے میں پہنچ گیا۔

بمبئی کے بڑے ہوٹلوں سے میں اب متعارف ہو چکا تھا۔ کسی نئے شہر میں جا کر کسی اجنبی کو جو دشواریاں پیش آ سکتی ہیں۔ ان کا خیال مجھے اس وقت تھا۔ میرے پاس کوئی مدد وغیرہ نہیں تھا لیکن میری نادیدہ محسن کے طفیل میرے پاس لاکھوں روپیہ موجود تھا چنانچہ آج میں نے یہاں کوئی مناسب جگہ تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں ہوٹل چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ زندگی جب مجھے اس قسم کے مواقع مہیا کر رہی ہے تو میں اس سے پورا پورا فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں؟ چنانچہ میں مختلف پراپرٹی ڈیلرز سے ملا اور اپنے لیے کوئی خوبصورت بنگلہ تلاش کرنے لگا۔ تقریباً تیسرے دن ایک پراپرٹی ڈیلر نے مجھے ایک بنگلہ دکھایا۔

بہت ہی خوبصورت بنگلہ تھا۔ مالابار کے علاقے میں تھا۔ میں نے اسے پسند کر کے اس کے دام چکا دیے۔ اسی دن میں اپنے اس نئے بنگلے میں منتقل ہو گیا تھا — لیکن یہاں آ کر مجھے اتنی مسرت ہوئی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ اب میں نئے سرے سے زندگی کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔ حالانکہ مجھ جیسا سنجیدہ آدمی جوانی کی ان رعنائیوں کے بارے میں اب سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن کیا کرتا، بدن میں وہی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ طبیعت میں جوانی آ گئی تھی اور یہ سب میری نادیدہ محسن کی بدولت ہوا تھا۔

ہاں میں اسے محسن ہی کہوں گا، کیونکہ اس کے چند ایک ہفتے کے اندر اندر اس نے میرے پاس اتنی دولت جمع کر دی کہ میں نے ایک چھوٹی سی کار خرید لی، اپنی خدمت کے لیے چند ملازم رکھ لیے اور بنگلے کو بہترین ساز و سامان سے آراستہ کروا لیا۔ اب میں درحقیقت ایک آسودہ حال شخص بن چکا تھا۔ میں نے بینکوں میں اپنے اکاؤنٹس کھول لیے تھے۔ جتنے روپے میری جیب میں آتے اتنی ہی میری ہوس بڑھتی چلی جاتی۔ میں بہت جلد دولت مند ترین شخص بننا چاہتا تھا چنانچہ میں ہر رات جوا کھیلنے نکلتا۔ میری دوست میرے ساتھ ہوتی اور سب کچھ میری مرضی کے مطابق ہی ہوتا رہتا۔

بمبئی کے بڑے حلقوں میں اب میری حیثیت جانی پہچانی ہو گئی تھی لیکن میں بہت ترکیب سے کام لیا کرتا تھا کبھی کسی کو میرے اوپر شبہ نہ ہو سکا۔ میں کبھی اپنے ہاتھ کی صفائی نہیں دکھاتا تھا۔

پھر مجھے راجن نامی ایک شخص ملا۔ اچھے خاصے تن و توش کا ایک زبردست آدمی تھا۔ اس نے مجھ سے دوستی بڑھانا شروع کر دی۔ میری نادیدہ محسن نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہ کیا تھا۔ میں نے اس سے مشورہ کیا تو وہ ایک ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔

"تم کیا کہتے ہو، کیا راجن بھی تمہارے پاس آیا ہے؟"

"نہیں، لیکن تم اس کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔"

"سنو یاور دادخان، اب تک تم یاور دادخان تھے لیکن اب تمہیں اپنا نام تبدیل کرنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

کا مالک اور وارث ہے۔

رانا مسعود ان سب میں چھوٹا تھا۔ لیکن اس کی کہانی بہت عجیب ہے۔ رانا مسعود ایک لڑکی کو چاہتا تھا جس کا نام گلرخ تھا۔ گلرخ رانا خاندان کی لڑکی تھی، بلکہ اپنے گھرانے کی چشم و چراغ جو کہتا تھا یہ گھرانہ رانا فیملی سے متعلق ضرور تھا لیکن رانا فیملی کی تنزلی کے زمانے میں بھی اس کی ساکھ بہت زبردست تھی اور گلرخ کے گھرانے کی لڑکیاں اچھے خاصے گھرانوں میں بیاہی گئیں۔

رانا مسعود گلرخ کو چاہتا تھا، بچپن ہی سے دونوں ساتھ رہتے تھے۔ شاید گلرخ کے ذہن میں بھی رانا مسعود کے لئے کوئی جگہ تھی۔

لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ رانا جہانگیر بھی گلرخ سے متاثر ہو گیا۔ رانا مسعود چونکہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ یہ کوشش نہیں کر سکتا تھا کہ گلرخ کو حاصل کرے، وہ چاہتا تھا کہ پہلے تھوڑا بہت اپنے آپ کو مستحکم کر لے، اس کے بعد گلرخ کے والدین سے رانا جہانگیر کے ذریعے بات کرے۔ مگر رانا جہانگیر کی دولت اپنے بھائیوں کے لئے کھلی ہوئی تھی۔ رانا جبار اس پر عیش کر رہا تھا۔ رانا مسعود چاہتا تو خود بھی اپنے بھائی کی دولت کا سہارا لے کر اپنا مقصد پا سکتا تھا لیکن وہ ذرا خوددار قسم کا آدمی تھا، چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہاں سے چلا جائے اور دولت کمائے۔

اس نے اپنے خیال کا ذکر رانا جہانگیر سے کیا۔ رانا جہانگیر نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اس کا اپنا کاروبار اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ چاہے تو خود اسے فروغ دے سکتا ہے۔ رانا مسعود نے یہ بات تسلیم کر لی اور رانا جہانگیر کے ایما پر ہانگ کانگ چلا گیا۔

تین چار ماہ کے بعد ہانگ کانگ میں اسے تار ملا کہ فوراً واپس پہنچے رانا جہانگیر کی شادی ہو رہی ہے۔

رانا مسعود خوشی خوشی واپس آیا لیکن یہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ رانا جہانگیر گلرخ سے شادی کر رہا ہے [illegible] اس پر ایک ہولناک انکشاف ہوا اسے پتہ چلا کہ رانا جہانگیر کی شادی گلرخ سے ہو رہی ہے سارے معاملات طے پا چکے تھے۔ اب دل کا درد کہنا فضول ہی تھا۔ گلرخ کی بھی کیا کیفیت تھی بہرطور رانا مسعود نے بھائی کے معاملے میں ہانگ کانگ تو نہیں اڑائی لیکن وہ خود اس شادی میں شریک نہیں ہو سکا اور خاموشی سے کہیں چلا گیا۔ اس کے بعد رانا مسعود نے رانا محل کا رخ نہیں کیا۔ بہت عرصے تک اسے تلاش کیا گیا لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

پھر رانا جہانگیر ایک حادثے کا شکار ہو کر مر گیا اور گلرخ بیوہ ہو گئی۔ رانا جہانگیر کا صرف ایک بیٹا ہے جس کا نام سلیم ہے وہ صرف سات سال کا ہے۔ رانا سلیم کی زندگی کے کچھ گاہک پیدا ہو گئے ہیں اس پر کئی خوفناک حملے ہو چکے ہیں۔ تقدیر تھی کہ وہ بچ گیا اور اس سلسلے میں شاہ عالم رانا سلیم کی سخت حفاظت کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں کچھ شبہات ہیں۔ لیکن وہ ان کا اظہار نہیں کرتا۔ بہرطور تم پر ان لوگوں کا بہت انحصار ہے۔ اور تمہارے واپس آنے کے بعد انہیں خاصی ڈھارس ہو گئی ہے۔ یہ ہیں یہاں کے حالات جنہیں اب تمہیں سنبھالنا ہے۔"

"کمال ہے۔ میں کیا سنبھالوں گا ان حالات کو، مجھے یہاں آخر کرنا کیا ہے؟"

"آہستہ آہستہ، آہستہ آہستہ، میں تمہیں سب کچھ بتاتی رہوں گی۔ فی الحال جتنا بتا دیا ہے، وہ تمہارے علم میں آ چکا ہو گا۔ اب ان حالات کے تحت تم اپنی مرضی کے مطابق کچھ کام کر سکتے ہو۔"

"مگر تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ اس محل میں لانے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"

"ہاں، یہ ابھی میرے لئے ممکن نہیں ہے اور بابر داد خان یہ تمہارے لئے ضروری بھی نہیں ہے۔ تم صرف مجھ سے وہ معلومات حاصل کیا کرو بابر داد خان جتنی تمہارے لئے ضروری ہوں۔" اس کے لہجے میں ایک طرح کی سنسنی تھی میں اس سنسنی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد میں نے اسے پکارا، لیکن اب وہ میرے نزدیک موجود نہیں تھی۔

نجانے اس عجیب و غریب محسن نے مجھے کن الجھنوں میں پھنسا دیا تھا۔ بہرطور زندگی گزارنے کے لئے کبھی الجھنیں بھی معاون ثابت ہوتی ہیں ورنہ زندگی کا کوئی مقصد نہ رہ جائے۔ میں نے سوچا اور ایک گہری سانس لے کر اپنی اس رہائش گاہ کو دیکھنے لگا جو میرے لئے پتہ نہیں کب سے مخصوص تھی۔

زندگی نے کوئی نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ تب ہم ساتھی بچھڑ گئے تھے اور یہ کہانی ناقابل یقین ہو گئی تھی لیکن دو دن کے اندر جو کچھ گزر رہی تھی مجھے تو اس پر یقین کرنا ہی تھا۔

رانا محل میں مجھے آئے ہوئے تقریباً ہفتہ ہونے کو تھا اس دوران میری ملاقات ایک بار بھی نہ گل رخ سے ہوئی تھی [illegible]

نرگس اور سے بس زیادہ تر میرا تعلق شاہ عالم ہی سے رہتا تھا جو مجھے جائیداد کے حسابات وغیرہ سمجھاتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے زمینوں کے مسائل اور دوسری چیزیں بتائی تھیں میں جو ذہن تمام الجھی ہوئی آوازیں سن رہا تھا حالانکہ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اس دوران میری ملاقات رانا جبار سے نہیں ہوئی تھی۔ میری ہدایت پر شاہ عالم نے ابھی رانا جبار کو میری آمد کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ دوسرے تمام ملازموں کو بھی ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ رانا جبار کو اس سلسلے میں کوئی اطلاع نہ دیں۔ رانا محل کا مغربی حصہ [illegible] کے بعد [illegible] ہوتا تھا اور شاہ عالم کے [illegible] دروازے پر جا کر ختم ہوتا تھا۔

یہ دروازہ اس کمرے کا تھا جس میں رانا جہانگیر رہتے تھے۔ اس [illegible] تک رسائی کا واحد راستہ تھا، چاروں طرف گھوم کر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا [illegible] کھڑکیاں ہر وقت بند رہتی تھیں [illegible] ایک [illegible] تھا جو کھلا رہتا تھا۔

میں [illegible] رانا محل میں [illegible] اور پھر ایک رات کی بات ہے جب شاہ عالم رانا محل کے [illegible] حصے میں میرے قریب بیٹھا مجھ سے گفتگو کر رہا تھا۔ مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ دفعتاً رات کی تاریک فضاؤں میں ایک پراسرار سی موسیقی ابھری۔ شاہ عالم اس موسیقی کو سنتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" میں نے اس کی اس بدحواسی کو دیکھ کر پوچھا۔

"رانا صاحب جلدی آئیے۔ جلدی آئیے براہ کرم جلدی آئیے۔" اس نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر محل کے اندرونی حصے کی جانب بھاگا۔ میں نے محل کے تمام حصے دیکھ رکھے تھے صرف یہی ایک جگہ ایسی تھی جس [illegible] نہیں آیا تھا لیکن آج میں محل کے اس حصے کی جانب بڑھا تھا۔ شاہ عالم دوڑتا ہوا اسی جگہ پہنچ گیا جو محل کا اندرونی حصہ تھی اور پھر اس نے محل کے ایک بڑے سے کمرے کے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی ایک حسین سی عورت تھی۔ شاہ عالم کو دیکھ کر وہ چونک پڑی۔

"خیریت۔ کیا بات ہے عالم؟" اس نے بے تکلفی سے شاہ عالم سے سوال کیا۔

"سلیم کہاں ہیں؟"

"سو رہے ہیں۔ کیوں کوئی خاص بات؟"

"بس نہیں، ہماری تحویل میں دے دو۔" شاہ عالم نے کہا۔

"اوہ۔ کیا پھر۔ کیا پھر؟" عورت نے آہستہ سے کہا۔ اسی وقت کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی اور اس تیز روشنی میں مجھے ایک حسین شکل نظر آئی۔ سفید لباس میں ملبوس نیم خوابیدہ آنکھیں بکھرے ہوئے بال حسین چہرہ۔ گلاب کی پتیوں جیسے خشک اور مرجھائے ہوئے ہونٹ دراز قد و قامت وہ بلاشبہ ایک حسین ترین عورت تھی اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ دفعتاً میرے کان میں سرگوشی ابھری۔

"یہ گلرخ ہے اور تم نے اپنے انداز میں اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ تم اسے پہچان گئے ہو اور آزردہ ہو۔" میں چونک پڑا۔ میں نے گہری نگاہوں سے گل رخ کو دیکھا وہ بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی ایک لمحہ سکوت کا گزر گیا اور اسی وقت شاہ عالم نے میرا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"خود کو سنبھالئے رانا صاحب موسیقی کی وہ آواز جو آپ نے سنی تھی خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"رانا محل میں ایک بھوت نظر آیا ہے۔ سفید لباس میں ملبوس ایک انوکھا سا بھوت جسے دیکھ کر تمام ملازم خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور وہ بھوت رانا محل کی راہداریوں میں سفر کرتا رہتا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ اسے سلیم کی تلاش ہوتی ہے ہاں۔ وہ سلیم کا متلاشی ہوتا ہے تاکہ اسے ہلاک کر دے۔ براہ کرم یہ بات اپنے تک ہی رکھئے سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیجئے۔"

شاہ عالم کی اسی سرگوشی پر میں چونک پڑا۔ دوسری طرف گل رخ بھی سنبھل گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جو کیفیت پیدا ہوئی تھی وہ ختم ہو گئی اور اس نے آگے بڑھ کر پیچھے آنے والی عورت کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

"شمسہ۔ کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں۔ یہ عالم آئے ہیں سلیم کی خیریت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"سلیم سو رہے ہیں کیا انہیں جگانا ضروری ہے؟"

"نہیں بس ایسے ہی انہیں اٹھا لائیے میرا خیال ہے شاہ عالم انہیں اپنی تحویل میں لینا چاہتے ہیں۔"

"سونے دیجئے [illegible]"

نے کمرے کی دروازے کھڑکیاں بند کرنے لگا۔ گل رخ کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ میں اور شاہ عالم وہیں رک گئے تھے گل رخ ہم سے چند قدم کے فاصلے پر ایک زرنگار کرسی پر جا بیٹھی تھی۔ وہ عورت جسے شمسہ کے نام سے پکارا گیا تھا وہ سلیم کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ شاہ عالم تھوڑی دیر تک کمرے کے اطراف نگاہیں دوڑاتا رہا۔ اور جب اس نے چاروں طرف اطمینان پایا تو دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے اٹھ کر اس کے ساتھ باہر جانے کی کوشش کی تو اس نے مجھے یہیں روک دیا اور دیکھنے لگا۔

"آپ یہاں کا خیال رکھیں میں زیادہ دور نہیں ہوں کمرے سے۔ شمسہ تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے دوسری عورت کو آواز دی اور وہ عورت شانوں پر ایک شال ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی اب کمرے میں صرف گل رخ اور میں رہ گئے تھے یا پھر وہ بچہ جو گہری نیند سو رہا تھا۔ سات سال کا ایک خوبصورت سا بچہ جسے دیکھ کر باہوں میں بھر لینے کو دل چاہے۔ ایسے حسین بچے بہت ہی کم ہوتے ہیں میں نے محبت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا گل رخ مجھے تک رہی تھی۔ پھر میری اس سے نگاہیں ملیں تو اس نے آنکھیں جھکالیں اور آہستہ سے بولی۔

"کیسے ہو مسعود؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے نا؟" اس نے شکایت آمیز لہجے میں کہا میں خاموش رہا۔ اول تو ذہنی طور پر عمر کی اس منزل میں تھا جب معاملات گفتگو کرنے میں خاصی دقت پیش آتی ہے میں تو ان مراحل سے کبھی کا گزر چکا تھا لیکن میری عجیب و غریب شخصیت نے کم از کم زندگی کے بائیس سال کم کر دیئے تھے شکل و صورت چہرہ وجاہت سے میں اب ستائیس اٹھائیس سال کا کوئی نوجوان نظر آنے لگا تھا۔

مجھے اپنی فطرت میں بھی نمایاں تبدیلی محسوس ہونے لگی تھیں اور یہ سب کچھ اسی کا سلسلہ تھا۔ عام حالات میں میری ان باتوں پر کوئی بھی یقین نہیں کرتا لیکن جو کچھ میں دیکھ رہا تھا وہ تو میری نگاہوں کے سامنے تھا۔

"مجھ سے بات بھی نہیں کرو گے مسعود، میرا کیا قصور تھا؟ بتاؤ تم جس طرح مجھے چھوڑ کر گئے تھے اس کے بعد میں کس کے سہارے جدوجہد کرتی کوئی علم تھا مجھے تمہارے بارے میں کچھ کہہ کر گئے تھے تم مجھ سے؟" اس نے سوال کیا اور میں گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگا۔

"اب ان باتوں کی کیا ضرورت ہے گل رخ تم میرے لئے ایک مقدس ہستی ہو چکی ہو میں تمہارے بارے میں اب کسی غلط انداز میں نہیں سوچ سکتا۔"

"ہاں تم میرے بارے میں کسی غلط انداز میں نہیں سوچ سکتے لیکن میری زندگی کو برباد کر گئے ہو نہیں کون ہے کہ تم یہاں کیوں آ گئے آخر۔ تم جانتے تھے مسعود کہ میں نے زندگی میں صرف تمہیں کو چاہا ہے تم میری پہلی اور آخری چاہت تھے۔ میرے سامنے نہ آتے تو میں باقی زندگی سکون سے گزار دیتی لیکن تم نے یہاں آکر مجھے پھر سے بے سکون کر دیا ہے ایک ہفتہ ہو گیا ہے یہاں آئے ہوئے مجھ سے ملنے کی کوشش بھی نہ کی کہاں کہاں تمہیں نہ دیکھا۔ دنیا کا خیال بھی تھا ورنہ خود تمہیں تلاش کرتی ہوئی تم تک پہنچ جاتی۔"

"گل رخ۔ اب ان باتوں کی ضرورت نہیں خیال رکھو کہ رانا کمال کی عزت برقرار رہے تمہاری زبان سے نکلا ہوا کوئی بھی لفظ تمہیں رسوائی کے گڑھوں میں دھکیل دے گا۔ اور ہمارے وہ دشمن جو سلیم کی جان لینا چاہتے ہیں موقع پا کر ہماری ان باتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔"

"مسعود، میں مانتی ہوں کہ میں ایسی باتیں کر رہی ہوں جو مجھے نہیں کرنا چاہئیں لیکن مجھے میری زندگی کے ان ماہ و سال کا حساب تو دے دو جو میں نے یہاں ڈوب کر کاٹے ہیں۔ رانا جہانگیر مرحوم بہت اچھے انسان تھے انہوں نے میری دلجوئی کی مجھے کبھی کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیا۔ لیکن انہیں یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میرے اور تمہارے مابین کوئی ایسا سلسلہ چل رہا ہے ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی ہمارے درمیان نہ آتے۔"

"ٹھیک ہے گل رخ۔ لیکن قصور میرا بھی تو نہیں ہے۔ تمہارے خاندان کی مانند کر دشتہ طلبی اس قدر سخت تھی یا اس ماحول میں میں رانا جہانگیر کی دولت کے بل بوتے پر بھی تمہیں حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ کیا تم اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتی تھیں کیا تم اس وقت جرأت سے کام لے کر یہ نہیں کہہ سکتی تھیں کہ تم رانا جہانگیر سے نہیں۔ رانا مسعود سے شادی کرنے کی خواہش مند ہو۔"

"میں نے کہا تھا میں نے ایک ایک سے چیخ چیخ کر کہا تھا لیکن کسی نے میری نہ سنی۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے جواب دو۔"

"تم چلے کیوں گئے تھے یہاں سے؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میرے جانے کی وجہ کیا تھی اگر مجھے یہاں اپنی منصب میں قبول کر لیا جاتا تو مجھے جانے کی ضرورت نہ پڑتی اور وہ لیے میں میں تمہیں ایک طویل عرصہ تک زندگی ساتھی کی خواہش مند تھا لیکن تقدیر ہم دونوں سے متفق نہیں تھی۔"

"ہاں ایسا ہی تھا ایسا ہی تھا۔" گل رخ کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں پھر وہ چونک پڑی۔

"ارے یہ دونوں کہاں چلے گئے؟"

"کون۔ شاہ عالم اور شمسہ؟"

"ہاں۔"

"شمسہ کون ہے؟"

"شاہ عالم کی بیوی۔ بے چاری میرے پاس ہی رہتی ہے سلیم کی زندگی کی حفاظت کے لئے اس نے بھی خود کو وقف کر دیا ہے۔ دونوں بڑے ہی معاون رہے ہیں میرے اگر یہ نہ ہوتے تو خدا جانے مجھے کن حالات کا شکار ہونا پڑتا۔"

"سلیم پر اس سے قبل حملے ہو چکے ہیں۔"

"بے شمار۔ کچھ لوگ اس معصوم کی جان لینے کے خواہاں ہیں ایک بار جب میں اس کے ساتھ باغ میں تھی خدا جانے کہاں سے سانپ نکل آیا وہ تو خیریت تھی کہ میں نے سانپ کو دیکھ لیا اور اسی وقت مالی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر سانپ کو مار ڈالا۔ سانپ بے انتہا زہریلا تھا اس کی تصدیق بعد میں ہو گئی تھی اس کے بعد ایک روز میں سلیم کو سیر و تفریح کرانے لے جا رہی تھی کہ کار اچانک بری طرح بجلی کے ایک کھمبے سے ٹکرائی۔ ہمارے چوٹیں آئی تھیں۔ لیکن زخم معمولی نوعیت کے تھے اور پھر ایک شام سلیم کے اوپر ایک وزنی لوحہ آ گرا۔ ایک لمحہ ادھر ادھر ہو جاتا تو اس کا بدن کچل کر ختم ہو جاتا۔ اس کے علاوہ بھی کئی بار سلیم پر اسی طرح کے حملے ہو چکے ہیں جو بظاہر اتفاقیہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی نوعیت ایسی ہی ہوتی ہے کہ سلیم کی جان چلی جائے۔ قاتل کھل کر اس پر حملہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس طرح کی کوششیں کر رہے ہیں کہ وہ معصوم جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔"

"تمہیں سلیم سے کوئی ہمدردی نہیں ہے؟"

"کیا کہہ رہے ہو رانا مسعود، وہ میری اولاد ہے میرا بچہ ہے لیکن دل کی ایک بات میں تمہیں ضرور بتا دینا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں کہو" میں نے پوچھا۔

"اس دولت، اس کاروبار، اس محل سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے میری زندگی میں یہ سب وہ کچھ آ چکا ہے جو میری طلب میں آرزو تھا اس کے بعد تو یہ زندگی صرف کھینچنے کی چیز ہے کوئی کوئی سلیم کو میری گود میں دے دیتا اور مجھ سے کہتا کہ تو آزاد ہے اور آزادی سے زندگی بسر کر سکتی ہے میں کسی گوشے کو اپنا لیتی اور باقی زندگی وہیں سکون سے گزار دیتی یقین کرو مجھے اب اس دنیا کی طلب نہیں۔ میں اپنے لئے اب کچھ بھی حاصل کرنا نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہے گل رخ لیکن تمہارا بیٹا ہے تمہیں اس کی زندگی کے لئے سب کچھ کرنا ہوگا۔"

"میں جانتی ہوں لیکن میں بذات خود مردہ کیفیت میں ہوں، رانا مسعود میں مردہ ہوں۔" گل رخ کی سسکیاں ایک بار پھر ابھرنے لگیں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہے؟ کیا کہنا چاہتی ہے مجھ سے؟

بہرطور میں نے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کی تھوڑی دیر کے بعد شاہ عالم اندر آ گیا۔

"اب حالات بہتر ہیں میں نے چار آدمیوں کو اسی کمرے کے گرد تعینات کر دیا ہے میرے خاص آدمی ہیں اور وہ جاگ کر یہاں کی حفاظت کریں گے، آؤ۔" میں شاہ عالم کے ساتھ باہر نکل آیا شاہ عالم آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا میری خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔

"یہ بھوت بلاوجہ نہیں ہے میں بڑے غور و خوض سے اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اکثر کبھی کبھی راتوں کو موسیقی کی آوازیں ابھرتی ہیں اور سفید پوش کو یہاں دیکھا جاتا ہے۔ ملازمین ڈر کر اپنے کمروں میں دبک جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ چوکیدار بھی اس بھوت سے خوفزدہ ہے۔"

"کیا اس نے کوئی ایسی کارروائی کی جس سے کسی ملازم کو کوئی نقصان پہنچا ہو؟"

"ہاں۔ ایک مرتبہ دو ملازموں نے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ اس کے بدن سے گزرتے ہوئے چلے گئے۔ اس وقت سے یہ روایت بہت زیادہ ہولناک ہو گئی ہے اور اب کوئی ملازم اس کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کرتا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے شاہ عالم۔ یہ بھوت کیا چیز ہو سکتی ہے؟"

"سو فیصدی۔ کوئی فراڈ۔ کوئی ایسی مصنوعی چیز جسے کسی

خاص ذریعے سے محل میں گھمایا جاتا ہے، لیکن میں جانتا ہوں، میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، یہ ان لوگوں کی ایک سازش ہے۔ جب وہ اپنے اس طرح کے حملوں میں ناکام رہے تو انہوں نے بھوت کا یہ کھیل شروع کر دیا ہے تاکہ کسی خاص موقع پر سلیم کر کوئی حادثہ پیش آ جائے اور اس کا ذمہ دار اس بھوت کو قرار دیا جائے۔ جبکہ کسی بھوت کی کارکردگی پر کون کیا کر سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اسی قسم کی کوئی سازش ہے۔"

"تم نے خود کبھی اس کے سلسلے میں کوشش نہیں کی ہے؟"

"حقیقی میں فولادی انسان نہیں ہوں، میں بھی حالات سے کسی حد تک متاثر رہتا ہوں۔ تاہم جب بھی مجھے موسیقی کی آواز سنائی دیتی ہے میں سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیتا ہوں۔ اس سے پہلے شمسہ اس بوجھ کو سنبھالے ہوئے تھی اور میری ساتھی تھی لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ تمہارے مضبوط بازو ہمارا سہارا بنیں گے۔"

"سنو شاہ عالم، ایک بات مجھے مکمل کر بتاؤ؟"

"جی۔"

"وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں جو سلیم کو ہلاک کرنے کے خواہش مند ہیں؟" میرے اس سوال پر شاہ عالم گردن جھکا کر خاموش ہو گیا، پھر آہستہ سے بولا۔

"رانا مسعود صاحب، جب تک میں یہاں موجود تھا اور تنہا تھا، رانا سلیم کی حفاظت کر رہا تھا، میری زندہ ذمہ داری ہے کہ اتنی ہی تھی کہ رانا سلیم کو کسی ایسے ہی کا شکار نہ ہونے دوں۔ اس سلسلے میں میں نے گل رخ بی بی سے کہا تھا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو رانا محل چھوڑ کر کہیں اور چلی جائیں۔ رانا محل کے انتظامات میں سنبھال لوں گا۔ یہ بہت ضروری ہے اس لئے کہ رانا محل میں رہ کر وہ زیادہ خطرات میں گھری ہوئی ہیں۔ میں انہیں کسی ایسی جگہ بھیج دوں گا، جہاں ان کے دشمن ان تک نہ پہنچ سکیں، انہیں زندگی گزارنے کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں سارے انتظامات کر دوں گا۔ اور اس وقت تک انہیں روپوش رہنا پڑے گا، جب تک کہ رانا سلیم جوان نہ ہو جائیں۔ لیکن گل رخ بی بی نے میری اس بات کو تسلیم نہیں کیا وہ تنہا رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ مجبوراً مجھے ان کی بات ماننا پڑی اور میں یہاں بڑی پریشانی کی زندگی گزار رہا تھا۔ میں صرف ایک ملازم ہوں رانا صاحب، میری یہ مجال نہیں کہ کسی پر حکم تو [illegible] کوشش کر سکوں۔"

"لیکن اب تم دو تو ہو سکتے ہو مجھے۔"

"نہیں رانا صاحب، یہ بھی میرے بس کی بات نہیں۔ میں آپ کو اشارہ بھی نہیں دے سکتا۔" اس نے جواب دیا۔ میں کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ آخر [illegible] شخصیت ہو سکتی ہے جس کے احترام میں شاہ عالم خاموش ہے۔ آخر کوئی نہ کوئی تو ایسا ہوگا جس پر شاہ عالم کو شبہ ہے۔ وہ ذہین آدمی ہے، صرف کچھ نامعلوم لوگوں کا تصور ہی اس کے ذہن میں نہ ہوگا بلکہ اس نے کسی پوائنٹ پر غور بھی کیا ہوگا۔ سوچتے سوچتے دفعتاً میرے ذہن میں ایک سنسنی سی جاگی۔ رانا جبار، کیا شاہ عالم کو رانا جبار پر شبہ ہے۔ اور پھر بھلا اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جس کا شاہ عالم کو احترام کرنا پڑتا ہو، لیکن یہ رانا جبار کیا شے ہے، یہ بات بھی دیکھنا چاہیئے وہ گوشہ نشین کیوں ہو گیا ہے۔ ایسی کون سی بات ہے؟ میں نے سوچا۔

خاصی رات گئے تک ہم دونوں جاگتے رہے۔ اس کے بعد کوئی آواز سنائی نہ دی مجھے نیند آ رہی تھی، چنانچہ میں نے شاہ عالم سے کہا۔

"کیا خیال ہے کیا ہمیں اب بھی جاگتے رہنا چاہیئے؟"

"میرا خیال ہے اب آپ آرام سے سو جائیے، موسیقی کی آواز تھم چکی ہے اسے آج بھی ناکامی ہوئی ہے اس لئے وہ واپس چلا گیا، چنانچہ اب آپ سو سکتے ہیں۔"

میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ نیند ضرور آ رہی تھی، لیکن ذہن میں بے شمار خیالات بھی تھے۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے، بھوت کا یہ چکر، کون ہے جو بے چارے معصوم سلیم کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس بچے کی شکل دیکھی تھی اور مجھے اس پر بہت پیار آیا تھا۔ نجانے کیوں میرے دل میں ایک خواہش جاگی، مجھے واقعی اس کی حفاظت کرنا چاہیئے، یہ ہلاک نہیں ہونا چاہیئے، اسے زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہونا چاہیئے۔ بہرصورت یہ خیالات میرے ذہن میں آتے رہے اور پھر میں گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح جاگا۔ رانا محل کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ میں ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر شاہ عالم کے ساتھ بیٹھ گیا، شاہ عالم مجھے ایک نئی جائیداد کے بارے میں کچھ حسابات دے رہا تھا میں نے اس سے کہا۔

"شاہ عالم، یہ تمام حسابات تم مجھے کیوں دے رہے ہو، آخر میرا ان سے کیا واسطہ؟"

"میری خواہش ہے رانا صاحب کہ آپ ایک متولی کی حیثیت

سے یہ ساری ذمہ داریاں خود سنبھال لیں، یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ رانا جہانگیر کے بیٹے کی اس وقت تک حفاظت کریں جب تک وہ جوان ہو کر خود یہ تمام کاروبار سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائے۔"

"مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے اس بچے کا مستقبل شدید خطرے میں ہے۔"

"اس کی زندگی ہی خطرے میں ہے مستقبل کی بات آپ کیا کرتے ہیں۔"

"اس کی تعلیم وغیرہ کا کیا بندوبست ہوگا، اس کا کوئی معقول انتظام بھی نہیں ہو سکا ہے ابھی تک جب کہ یہ سات سال کا ہو چکا ہے۔"

"حالات ہی ایسے ہیں، رانا صاحب۔ اب آپ ہی بتائیے کہ تعلیم وغیرہ کا سلسلہ کیسے شروع کیا جائے، کون ہے جو اس کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کر سکے گا۔ اپنے طور پر گل رخ بیگم اسے تعلیم دیتی ہیں وہ پڑھنا لکھنا جانتا ہے لیکن بہرحال اسکول یا کالج میں اسے نہیں داخل کرایا جا سکا۔ چونکہ ہر جگہ اس کے تحفظ کے لئے وہ بندوبست نہیں ہو سکتا جو رانا محل میں موجود ہے۔ میں نے اپنے طور پر سلیم کے گرد حصار قائم کر دیا ہے اور کوشش یہ کرتا ہوں کہ وہ ایک لمحے کے لئے اپنے محافظوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس کے باوجود اس پر اتنے حملے ہو چکے ہیں کہ اگر ایک بھی بار قدرت اس کی مدد نہ کرتی تو وہ اب تک موت کی آغوش میں جا سویا ہوتا۔ بس ایسے حالات ہیں، اب آپ ہی بتائیے کہ ہم اسے اسکول یا کالج میں کیسے داخل کرا سکتے ہیں؟"

"تو کیا وہ جاہل رہے گا؟"

"ہاں اس حد تک جاہل رہے گا کہ اسے باقاعدہ کوئی ڈگری نہیں مل سکے گی لیکن اس کی ضرورت بھی نہیں ہے اس کے پاس اتنی جائیدادیں ہیں کہ وہ ساری زندگی عیش و عشرت میں گزار سکتا ہے۔ اس کے علاوہ گل رخ بیگم اسے جو تعلیم دے رہی ہیں وہ بھی نہایت مناسب ہے۔ میں تو کچھ ایسے استادوں کے چکر میں بھی تھا جو اسے گھر پر تعلیم دے سکیں لیکن پھر یہی خیال آ جاتا ہے کہ کہیں استاد اس کے دشمنوں سے مل نہ جائے اس طرح اسے با آسانی ہلاک کیا جا سکتا ہے۔"

"تم کب تک اس طرح اس کی حفاظت کرتے رہو گے شاہ عالم؟"

"جب تک میرے دم میں دم ہے۔ نامعلوم لوگوں کی توجہ ابھی اس طرف نہیں گئی ہے کہ شاہ عالم کو قتل کر دیا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ جس دن ان کے ذہن میں یہ بات آ گئی وہ سب سے پہلی کوشش یہی کریں گے کہ مجھے ہلاک کر دیں اور اب تو آپ بھی آ گئے ہیں، اوہ۔" دفعتاً شاہ عالم چونک پڑا۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"رانا صاحب ایک بات کہوں۔"

"ہاں کہو۔"

"رانا صاحب آپ کی زندگی کو بھی یہاں خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ بھی وہ ہیں جو رانا جہانگیر کی جائیداد کے حصے دار ہو سکتے ہیں یعنی ان کے بھائی، اس حیثیت سے آپ کو بھی تشویش کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہوگا۔" میرے ذہن میں ایک لمحے کے لئے پھلجھڑیاں سی چھوٹ پڑیں۔ اگر اس محل میں میری زندگی خطرے میں ہے تو پھر... تو پھر لیکن اسی وقت مجھے اپنی نادیدہ محسنہ کا خیال آ گیا جو ہزار آنکھوں سے میری حفاظت کرتی تھی اور ایک لمحے کے لئے دل کو ڈھارس سی ہوئی۔

"ارے میری فکر نہ کرو تم شاہ عالم، میں اپنے معاملات سے خود نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن آپ اگر محتاط رہیں تو کیا حرج ہے میں نے ایک وفادار کی حیثیت سے آپ سے یہ الفاظ کہہ دیئے ہیں۔"

"شاہ عالم میں آج رانا جبار سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"ممکن نہیں ہے ویسے آپ کوشش کر دیکھیں۔"

"کیا کچھ لوگوں کو اس سلسلے میں مقرر کر دیا گیا ہے کہ وہ رانا جبار کی رہائش گاہ پر پہرہ دیں؟"

"ہاں دو ملازم رہتے ہیں اور رانا جبار نے انہیں ہدایت کی ہے کہ وہ اس طرف کسی کو نہ آنے دیں۔"

"کیا مجھے بھی اس سلسلے میں روکا جائے گا؟"

"میرا خیال ہے نہیں، کیونکہ آپ ان کے بھائی ہیں آپ سے زیادہ قریبی آدمی اور کون ایسا آج تک اس محل میں نہیں آیا، جو رانا جبار سے بہتر حیثیت رکھتا ہو، ممکن ہے ملازم آپ کو روکنے کی کوشش نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے میں آج رانا جبار سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔

دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے میں تیار ہو کر چل پڑا۔ میں

اس شخصیت سے ملنا چاہتا تھا جو بے حد پُراسرار تھی۔ ہر چند کہ وہ میرا بھائی تھا لیکن ظاہر ہے دنیا کی نگاہوں میں عام لوگ تو یہی سمجھتے اصل بات تو میں ہی جانتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اس حصے میں پہنچ گیا جہاں جانے کے لئے ایک راہداری سے گزرنا پڑتا تھا۔ راہداری کے سرے پر دو ملازم کھڑے ہوئے تھے وہ مجھے دیکھ کر مذبذب کا شکار ہو گئے میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے جھک کر مجھے سلام کیا تھا

"میں اندر جانا چاہتا ہوں۔"

"جناب۔ رانا صاحب سے پوچھے بغیر؟" ان میں سے ایک نے سوال کیا۔

"تم جانتے ہو مجھے کہ میں کون ہوں؟"

"جی ہاں جانتے ہیں لیکن ہمیں حکم ملا ہے کہ کوئی بھی ہو اسے اس طرف نہ آنے دیا جائے۔ ہمیں دھمکی بھی دی گئی تھی کہ اگر ایسا ہوا تو ہماری زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

"اس کے باوجود میں رانا صاحب سے ملنے کا خواہش مند ہوں۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو ہم میں سے ایک اندر جا کر رانا صاحب سے ملنے کی اجازت لے آئے۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے ایک ملازم سے پوچھا

"فضلو حضور۔"

"کب سے رانا محل میں کام کرتے ہو؟"

"نو سال ہو گئے۔"

"اور تم؟" میں نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

"میرا نام نجم الدین ہے۔ مولوی صاحب اور میں سات سال سے یہاں نوکر ہوں۔"

"مالک کی وفاداری اچھی چیز ہوتی ہے نجم الدین اور فضلو لیکن اگر مالک کی جان خطرے میں ہو تو اصول بدلنے پڑتے ہیں۔ کیا خیال ہے؟"

"ہم نہیں سمجھے مالک؟"

"تم جانتے ہو کہ میں رانا صاحب کا بھائی ہوں۔"

"جی سرکار۔"

"اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ میں طویل عرصے کے بعد واپس آیا ہوں۔"

"معلوم ہے سرکار۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا میرے بھائی کے ساتھ یہ سلوک ہو چکا ہے۔ اگر میں یہاں ہوتا تو ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔"

"ہاں سرکار بڑے مالک مٹ گئے۔" فضلو بولا۔

"یہاں صرف تم دونوں کی ڈیوٹی ہی رہتی ہے یا ڈیوٹی بدلتی بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں مالک بس ہم دونوں یہاں رہتے ہیں۔"

"خدایا"

"کھانا وغیرہ بھی تم ہی دیتے ہو گے۔"

"جی سرکار۔"

"تم نے رانا صاحب کا چہرہ دیکھا ہے؟"

"نہیں مالک۔"

"کبھی نہیں دیکھا؟"

"نہیں مالک۔ بڑے سرکار کے سامنے جب ہم جاتے ہیں تو وہ منہ پر کپڑا لپیٹ لیتے ہیں کالے رنگ کا۔"

"تم اس وقت موجود تھے یہاں جب بڑے سرکار کو یہ حادثہ پیش آیا۔"

"نہیں مالک۔ ہم تو اندر کام کرتے تھے۔"

"ہوں۔ بڑے سرکار کبھی باہر نہیں نکلتے۔"

"کبھی نہیں مالک۔ لمبے عرصے سے بے چارے بس یہیں رہتے ہیں۔"

"کوئی اور بھی نہیں آتا یہاں؟"

"نہیں سرکار۔"

"اچھا ٹھیک ہے میں اندر جا رہا ہوں تم کسی بات کی فکر مت کرو۔" میں نے کہا اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ میں راہداری عبور کر کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔

میں نے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور انتظار کرنے لگا دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ جب میں نے دوبارہ دستک دی تو قدموں کی آواز مجھے دروازے کے نزدیک سنائی دی اور پھر کچھ بھرائی ہوئی آواز ابھری

"کون ہے؟ کیا بات ہے اس وقت۔ کیوں آئے ہو؟"

"دروازہ کھولئے بھائی جان میں آپ کا بھائی رانا مسعود ہوں" میں نے کہا۔

میرے دل میں خفقان سا طاری ہو گیا دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ پھر وہی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تم کب آئے مسعود؟"

"مجھے تو یہاں آئے ہوئے کئی دن ہو گئے لیکن بدقسمتی نے

مجھے آپ سے ملنے کی اجازت نہیں دی۔"

"یہ اپنی بدنصیبی نہ کہو مسعود، بلکہ یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں اس وقت بھی تم سے نہیں مل سکتا۔"

"نہیں رانا صاحب آپ کو مجھ سے ملنا ہی ہوگا۔"

"یہ کسی طور ممکن نہیں ہے مسعود، میں اب اس دنیا کو اپنی منحوس شکل نہیں دکھا سکتا۔"

"رانا صاحب میں نے آپ سے کہہ دیا ہے میں اس گھر کا ملازم نہیں ہوں، آپ کا بھائی ہوں، میں آپ سے ملے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

"مسعود ضد نہ کرو، میں اب کسی سے نہیں مل سکتا۔"

"میں نے کہا نا آپ کو مجھ سے ملنا ہوگا۔"

"میں نہیں ملوں گا۔ کوئی مجھے مجبور نہیں کر سکتا۔ میں کسی کو اپنی شکل دکھانے کے قابل نہیں ہوں۔" رانا چندر کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"میں آپ کا بھائی ہوں مجھے آپ کی شکل سے کوئی دلچسپی نہیں، مجھے آپ کی شخصیت سے پیار ہے، مجھے آپ کے دل سے پیار ہے میرا دل تڑپ رہا ہے آپ کو دیکھنے کے لئے، آپ مجھے جانتے ہیں رانا صاحب، اتنے عرصے کے بعد میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ مجھ سے ملنا نہیں چاہتے۔"

"میں نے کہا نا میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔"

"کیوں آخر کیوں؟"

"بس مسعود میں نے اپنی بداعمالیوں کی سزا پائی ہے اور اب، اب میں صرف سزا بھگتنے کے لئے زندہ ہوں جب تک کہ زندگی ہے۔"

"میں آپ کو نہیں مرنے دوں گا، آپ براہ کرم دروازہ کھولئے۔"

"یہ دروازہ کبھی نہیں کھلے گا رانا مسعود، آئندہ اس طرف آنے کی کوشش مت کرنا، میں نے تم سے جو کچھ کہہ دیا وہ کہہ دیا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے رانا صاحب اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔"

"کیا مطلب؟" اندر سے وہی بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میں مطلب بھی نہیں بتانا چاہتا۔ میں واپس جا رہا ہوں" میں نے کہا اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دئے۔ دوسری طرف کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ بہرطور میں واپس آ گیا اس وقت میں کوئی ضد یا جلدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آنے والے وقت میں، میں اس سلسلے میں کوئی کارروائی ضرور کروں گا۔ مجھے اب کسی بات کی پروا نہیں تھی۔

اس رات میں نے اپنی نادیدہ قوت سے رابطہ قائم کیا لیکن کئی آوازیں دینے کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا، یہ صورت حال بھی میرے لئے تشویشناک تھی گویا وہ اب ہر لمحے میرے ساتھ نہیں رہتی بلکہ کبھی کبھی مجھ سے دور بھی ہو جاتی ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ بہرصورت اس رات پوری رات میں سوچتا رہا۔ بہشت علی ایک شخصیت تھی جس سے میں تھوڑی بہت گفتگو کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر سکتا تھا۔ واحد میرے ساتھ آیا تھا دو دن رہا تھا اور دن کے بعد یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ دوبارہ مجھ سے ملاقات کرے گا۔ میں یہاں کے معاملات کو سنبھال لوں اس کے بعد وہ میرے پاس پہنچے گا۔

چنانچہ وقت گزرتا رہا۔ اس دن میں نے سلیم کو باہر آتے میں دیکھا۔ گل رخ اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ دونوں ماں بیٹے باہر آ رہے تھے میں جلدی سے ان کے نزدیک پہنچ گیا گل رخ نے سادہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اس کی نگاہوں میں ایک شکایت آمیز کیفیت پیدا ہو گئی۔ وہ مجھے دیکھتی رہ گئی تھی بڑی وارفتگی تھی اس کے انداز میں۔

قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ میں اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"آپ کیسے باہر آ گئیں گل رخ؟" میں نے سوال کیا۔

"کیوں میں انسان نہیں ہوں، کبھی کبھی ان دیواروں میں میرا دل گھبرانے لگتا ہے، ایسے لمحات میں، میں باہر نکل آتی ہوں؟"

"لیکن سلیم؟"

"ہاں سلیم، سلیم کی زندگی بھی میرے لئے ایک عجیب سی شے بن کر رہ گئی ہے خوف، ہراس، خوف و ہراس، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اس محل میں۔ کہنے کو یہ محل ہے لیکن میرے لئے ایک زنداں سے کم نہیں۔"

"بالکل گل رخ خود کو سنبھالو۔ یوں سمجھو کہ اب تم اپنے بچے کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکی ہو۔"

"میں نے اپنی زندگی میں کون سا سکھ دیکھا ہے۔ شروع سے تو جیتی رہی ہوں اب بھی جل رہی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ میرا یہ عذاب کب ختم ہوگا کیا میں اس طرح جان دے دوں گی؟"

"لیکن بعض اوقات قربانیاں بھی دینا پڑتی ہیں۔ گل رخ جو کچھ ہو چکا اس کو اب واپس تو نہیں لایا جا سکتا۔ تمہیں اپنی اولاد کے لئے خود کو قربان کر دینا چاہئے۔"

"کیسی آسانی سے یہ بات کر رہے ہو۔ تم خود کوئی قربانی نہیں دے سکتے۔"

"مجھ سے کیا قربانی لینا چاہتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔ اور گل رخ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اس وقت شاہ عالم ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔

"کوئی ضرورت ہے چھوٹی بیگم؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں، بس یونہی سیر کرنے نکلی ہوں، سلیم گھبرا رہے تھے۔" گل رخ نے کہا۔

"سلیم میاں تو آپ اپنے انکل سے تو مل لئے ہوں گے، انکل آپ کو بہت اچھی اچھی کہانیاں سنائیں گے۔ آپ کو بہت سی چیزیں دیں گے۔"

سلیم نے اپنی معصوم سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے اس بچے پر بے اختیار پیار آ گیا۔ میں نے اسے گود میں اٹھا لیا تھا۔

"چلو بیٹا ہم سے جو کچھ مانگو گے ہم دیں گے۔ بتاؤ بیٹا تمہیں کیا چاہئے؟"

"انکل مجھے کھلونے چاہئیں، خوب صورت خوب صورت، رنگین رنگین۔"

"کہاں ہے بھئی تم نے پہلے کیوں نہیں کہا۔ شاہ عالم سلیم کے لئے جتنے بھی کھلونے بازار میں مل سکتے ہوں، خرید لاؤ۔"

"میں ابھی ہدایت کئے دیتا ہوں۔"

"اور سلیم میاں؟"

"اور ٹافیاں بھی مجھے اچھی لگتی ہیں۔" سلیم نے جواب دیا۔

"شاہ عالم [illegible] بھی لائی ہیں نہیں۔"

"بہتر سلیم میاں جو حکم ہو گا وہ حاضر ہو جائے گا۔"

"انکل آپ ہمارے ساتھ فٹ بال کھیل سکتے ہیں؟"

"ہاں بھئی کیوں نہیں۔ فٹ بال کھیلیں گے ہم۔" میں نے کہا۔ شاہ عالم مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ فٹ بال مہیا کی جائے اور تھوڑی دیر کے بعد فٹ بال مہیا کر دی گئی۔

میں سلیم کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا۔ میں نے ایک ایسی جگہ منتخب کی تھی جہاں سے چاروں طرف نگاہ رکھی جا سکے۔ شاہ عالم بھی بے چارہ خاموش تھا۔ واقعی بڑی عجیب سی زندگی تھی۔ سلیم کی بہر طور موت کی آغوش میں اتر گئی۔ دیر تک وہ میرے ساتھ کھیلتا رہا۔ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ معصوم بچہ، پھر اس نے مجھ سے بڑی پیاری پیاری باتیں کیں۔ گل رخ خاموشی سے ایک جگہ بیٹھی رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سلیم کو لے کر اندر چلی گئی۔

شاہ عالم نے سکون کی گہری سانس لی تھی۔ پھر وہ میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"آپ نے بڑا خطرہ مول لیا تھا ارناسوو۔" اس نے کہا۔

"یہ خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ میں ان حالات کو مزید آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔ میں بھی تو دیکھوں سلیم پر حملہ کرنے والے کون ہیں۔ تم یوں کرو میرے لئے پستول مہیا کر دو۔"

"پستول میں آپ کو پیش کر دوں گا بلکہ اس وقت بھی میرے پاس ایک چھوٹا آٹومیٹک موجود ہے۔ یہ آپ رکھ لیجئے۔" اس نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر میرے حوالے کر دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سلیم کو اب آہستہ آہستہ ابھار لاؤں گا۔ ہمیں اس خوف و ہراس کی فضا سے نکلنا چاہئے۔ دیکھیں تو سہی وہ نادیدہ دشمن کون ہیں؟"

شاہ عالم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے مجھ سے کہا۔

"سلیم میاں کے لئے کھلونے وغیرہ منگوانے کا بندوبست کر دوں آپ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"

"ہاں ضرور ضرور، جو کچھ اس نے کہا ہے وہ اس کے لئے مہیا کر دو۔ بے چارہ باپ کی محبت سے بھی محروم ہے اور... اور...."

"اور کیا؟" شاہ عالم نے کہا۔ میں نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے زندگی کی لطافتوں سے بھی۔"

"ہاں یہ اس بے چارے کی بدنصیبی ہے۔" شاہ عالم نے کہا اور چلا گیا۔ میں نے خود کو سنبھال لیا تھا ورنہ میں یہ کہنے والا تھا کہ وہ ماں کی محبت سے بھی محروم ہے۔ گل رخ نے اسے وہ پیار نہیں دیا تھا جو ایک ماں اپنی اولاد کو دیتی ہے۔ نجانے کیوں وہ ماں کی ممتا سے محروم تھی۔ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی اور وہ شاید یہ کہ اس نے زاہد جہانگیر کو کبھی دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ دل سے بھی اور ذہن سے بھی۔ جس طرح وہ کہہ رہی تھی اس سے تو یہی اندازہ ہوتا تھا۔ لیکن اس

میں بے چارے سلیم کا کیا قصور تھا۔ وہ تو بلاوجہ ہی بدترین نفرتوں کا شکار ہو رہا تھا۔ ابھی اس معصوم زندگی میں اس نے دیکھا ہی کیا تھا مجھے اس بچے پر بے پناہ ترس آیا۔ شاہ عالم نے سلیم کے طلب کردہ ٹافیاں کھلونے وغیرہ لا کر میرے سامنے ڈھیر کر دیئے اور میں یہ سب لے کر سلیم کے پاس پہنچ گیا۔ اتنا خوش ہوا تھا وہ بچہ ان تمام چیزوں کو دیکھ کر جیسے اسے کائنات کی تمام دولت مل گئی ہو۔ گل رخ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس سے نگاہیں ملائیں تو وہ ہنس پڑی۔

"کیوں، اس میں ہنسی کی کیا بات ہے؟"

"میں دیکھتی ہوں کہ وہی مثل آتی ہے کہ بن مانگے موتی ملیں مانگے ملے نہ بھیک۔"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا؟"

"کچھ لوگوں کی خوشیاں کسی کو کس قدر عزیز ہوتی ہیں اور کچھ لوگ ساری زندگی اداسیوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔"

"تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنا چاہئیں گل رخ، تم بہرطور میرے بھائی کی بیوی ہو۔"

"ہوں تمہیں بھی تھی۔ سو وہ بھی اپنی مرضی سے نہیں بنائی گئی تھی یہ شادی مسلط کی گئی تھی۔"

"لیکن اب تو وہ سب کچھ ہو چکا ہے جو ہونا تھا۔ اب ان باتوں سے کیا حاصل؟"

"ٹھیک ہے۔" گل رخ نے بے رخی سے کہا۔ میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اب مجھے کتنا وقت یہاں گزارنا چاہیے اپنے کمرے میں آ کر ایک بار پھر میں نے اپنی نادیدہ قوت کو پکارا اور اس بار اس کی آواز مجھے اپنے کانوں میں سنائی دی تھی۔

"کیا بات ہے۔ کچھ الجھے ہوئے نظر آتے ہو؟"

"حالات سے تم واقف ہو۔ مجھے کب تک یہاں اس سوگوار ماحول میں زندگی بسر کرنا ہو گی؟"

"ایک مخصوص وقت تک جب تک میں چاہوں۔"

"لیکن تمہارا یہاں سے کیا مفاد وابستہ ہے؟"

"میں وقت آنے پر تمہیں بتا دوں گی تم خواہ مخواہ الجھ رہے ہو۔ یہاں سب کچھ موجود ہے لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں۔ تمہارا احترام کرتے ہیں بلکہ تم اگر چاہو تو یہ سب کچھ جو یہاں موجود ہے اس کے مالک بھی بن سکتے ہو واحد اور تنہا مالک۔"

"وہ کیسے؟" میں نے متعجبانہ انداز میں پوچھا۔

"دیکھو بابر داد خان۔ زندگی عیش کرنے کی چیز ہے تم نے خواہ مخواہ اپنے آپ پر بڑھاپا طاری کر لیا ہے آئینہ دیکھو میں نے تمہیں جو کچھ واپس کیا ہے اس سے لطف اندوز کیوں نہیں ہوتے تم۔ دولت کے شائق تو نظر آتے ہو لیکن دولت کے ساتھ جو اور لوازمات ہوتے ہیں ان سے منہ کیوں موڑتے ہو؟"

"اور لوازمات سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"عیش و عشرت، حسن و جمال، رقص و موسیقی یہ سب کچھ انسان کی زندگی میں اس طرح شامل ہیں کہ ان سے الگ نہیں رہا جا سکتا۔ جوانی ایسی ہی چیز ہے اور وہ جوانی جو کھو کر واپس آ جائے پہلے سے زیادہ قیمتی محسوس ہوتی ہے۔"

"لیکن میں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔"

"نہیں ہو تو ہو۔ ورنہ اس بے لطفی کی زندگی گزارتے ایک بار پھر بوڑھے ہو جاؤ گے۔ جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر۔ جسمانی طور پر تو میں نے تمہیں وہ سب کچھ دے دیا ہے جس کا تم یا کوئی بھی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کسی سے پوچھو۔ کسی ایسے شخص سے پوچھو جو اپنی جوانی کھو چکا ہو اور اپنی جوانی میں اپنی آرزوئیں پوری نہ کر پایا ہو اگر اسے پھر سے جوانی مل جائے تو وہ کس طرح اس جوانی کو استعمال کرے گا۔ کبھی تم نے اس سلسلے میں بھی سوچا بابر داد خان؟"

"کیا کروں۔ ذہن اس طرف راغب نہیں ہوتا۔ دل نہیں مانتا۔"

"کیوں نہیں مانتا دل۔ آخر مجھے بتاؤ تو سہی۔ کیا تکلیف ہے تمہیں؟"

"کاش تم میرے حالات زندگی جان سکتیں۔"

"جانتی ہوں۔ ایک ایک بات جانتی ہوں تمہارے بارے میں مجھ سے کیا چھپا ہوا ہے؟"

"اوہو۔ تو پھر تم میرے ان پیاروں کو بھی جانتی ہو گی جن کی مجھے آرزو ہے۔"

"میں نے کہا نا سب کچھ جانتی ہوں لیکن ابھی اس سلسلے میں کوئی بات نہ کرنا وقت آنے پر تمہیں بہت کچھ بتا دوں گی میں۔"

"پتہ نہیں وہ وقت کب آئے گا۔"

"جب بھی آئے لیکن اس وقت تک تمہیں میرے احکامات پر چلنا ہو گا اور سنو اگر تم نے میرے احکامات سے انحراف کیا تو نقصان بھی اٹھا سکتے ہو۔ میں کسی کو کچھ نہیں دیتی لیکن اگر دیتی ہوں تو پھر یہ چاہتی ہوں کہ وہ میرے اس دینے کا احترام کرے تم ہو کیا چیز بابر داد خان۔ جس انداز میں تم اس ملک میں داخل ہوئے ہو وہ یہاں کے قانون کے لیے بھی قابل اعتراض ہے میں اگر چاہوں تو کوئی بھی لمحہ تمہیں زنداں میں پہنچا سکتا ہے میں اگر چاہوں تو تم اپاہج ہو سکتے ہو میں اگر چاہوں تو تمہارا بڑھاپا واپس آ سکتا ہے لیکن میں یہ سب نہیں چاہتی میں نے تمہارا انتخاب کیا ہے تمہیں اپنایا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ وہ سب حاصل کر لو جو چاہتی ہوں تمہیں میرے چند شرائط پر عمل کرنا ہی ہوگا اور اس کے عوض تم مجھ سے زندگی کا ہر آرام حاصل کر سکو گے۔ مجھے کبھی نہیں دہراؤں گی یہ خواہش۔ میرا مطلب ہے راز اللہ جو نکھر رہے ہیں تمہیں دنیا کی ساری چیزیں تمہاری ہی ملکیت بن سکتی ہیں میرے ایک اشارے پر۔ بولو کیا تم یہ سب کچھ پسند کرو گے؟"

"آہ۔ یہ کاروبار بہت وسیع ہے مگر میں اتنا دولت مند بن جاؤں تو۔ تو۔"

"تم بن سکتے ہو۔ بالکل بن سکتے ہو لیکن میں نے تمہارے لیے دوسرے چیزوں کا انتخاب کیا ہے۔ اس ایک دولت پر اکتفا مت کرو زندگی ایک جگہ محدود ہو جانے کا نام نہیں نئی نئی چیزیں دیکھو نئے نئے رنگ دیکھو اس دنیا میں بہت کچھ ہے میں تمہیں یہ سب کچھ دکھاؤں گی دولت کا تصور اگر تمہارے ذہن میں ہے کہ تم خود کو شہنشاہ سمجھو تو میں تمہیں شہنشاہ بنا دوں گی لیکن شرط یہی ہے کہ میرے احکامات پر عمل کرتے رہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"اور یہ بھی بتا دو اگر تم اپنی مرضی سے کچھ چاہتے ہو یا میں تمہارے لیے جو راستہ چاہوں منتخب کروں۔"

"مطلب یہ جب مجھے تمہارے احکامات کی پابندی کرنا ہے تو پھر تم ہی میرے لیے صحیح راستوں کا انتخاب کرو گی۔"

"تو پھر جو کچھ میں کہتی ہوں کرتے رہو۔"

"میں تیار ہوں۔"

"اور اس سلسلے میں سب کچھ سوچنا چھوڑ دو۔ میں ہزار آنکھوں سے تمہاری حفاظت تمہاری نگرانی ہوں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی میری اس نادیدہ محسنہ نے ایک بار پھر مجھے مطمئن کر دیا تھا دفعتاً میں نے اس سے سوال کیا۔

"ایک بات بتاؤ گی؟"

"ہاں ہاں پوچھو۔ سو باتیں پوچھو۔ میں نے کب انکار کیا ہے۔"

"کل رات کو تم یہاں نہیں تھیں؟"

"ہاں میری بھی مصروفیات ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں تم سے الگ ہو جاؤں۔"

"اور اگر ایسے لمحات میں، میں کسی الجھن میں پھنس جاؤں تو پھر؟"

"تم اس کی پرواہ مت کرو میری نگاہیں خود رہ کر بھی تمہاری محافظ ہوتی ہیں اس سلسلے میں کبھی پریشان ہونے کی ضرورت

نہیں اگر میں کسی الجھن کا شکار ہو گئے تو میں تم سے دور نہیں رہوں گی۔"

"اس کے علاوہ وہ بعض اوقات میرے ذہن میں کچھ خیالات آتے ہیں اگر میں ان پر عمل کرنے لگوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"

"مجھے صرف ایک بات ناگوار گزرے گی کہ تم میرے احکامات سے انحراف کرو جو کچھ میں کہوں وہ ضرور کرتے رہو۔ اس کے علاوہ اگر تم نے کچھ کیا تو پھر تکلیف پاؤ گے اس کے علاوہ تمہارے ذہن میں جو کچھ آتا ہے وہ کرتے رہو تمہارا کوئی بال بیکا بھی نہ کر سکے گا" میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی تھی یہ الفاظ میرے لیے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔ اس سے زیادہ مجھے اور کیا چاہیے تھا اس سے بڑا تحفظ اور کیا مل سکتا تھا گویا میری محنت کے بعد کوئی دھڑکا باقی نہیں رہا ہے۔ یہ بہت بڑی بات تھی

اور اس کا عملی ثبوت بھی مل گیا۔ شاہ عالم کہیں باہر گیا ہوا تھا اس نے جاتے ہوئے مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں سلیم کا خیال رکھوں اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا۔

نفسیاتی علاج

ایک صاحب نے ماہر نفسیات سے اپنا مسئلہ بیان کیا: "میں پلنگ پر لیٹتا ہوں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ پلنگ کے نیچے کوئی ہے۔ میں تنگ آ کر نیچے جا لیٹتا ہوں مگر وہاں یہ خیال ستاتا ہے کہ کوئی اوپر ہے اس کشمکش میں ساری رات نیند نہیں آتی۔"

"مسئلہ گمبھیر ہے۔" نفسیات داں بولا۔ "علاج میں دو مہینے اور چار ہزار روپے لگیں گے۔"

وہ صاحب گھر چلے گئے۔ پھر لوٹ کر نہیں آئے چند دنوں بعد ماہر نفسیات نے انھیں ایک باغ میں چہل قدمی کرتے دیکھا۔ اس نے پوچھا: "آپ علاج کے لیے نہیں آئے۔" انھوں نے جواب دیا: "علاج میں نے کر لیا ہے۔"

"کیسے؟" نفسیات داں نے جاننا چاہا۔

"میں نے ایک بڑھئی کو بلا کے دس منٹ اور چند روپے میں پلنگ کے چاروں پائے کٹوا دیے۔"

سلیم اب بہت بے تکلف ہو گیا تھا اس صبح ناشتے پر میرے ساتھ تھا۔ "انکل۔" اس نے کہا۔

"کہو بیٹے کیا بات ہے۔"

"انکل آپ باہر جاتے ہیں۔"

"کہاں باہر۔۔؟"

"اس کوٹھی سے باہر۔"

"کبھی نہیں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میرا دل بھی باہر جانے کو بہت چاہتا ہے مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ سڑکیں اور بازار کیسے ہوتے ہیں۔"

"اوہ تم کب سے باہر نہیں گئے؟"

"بہت دن ہو گئے انکل اب تو یاد بھی نہیں ہے۔"

"تم نے کسی سے باہر جانے کے بارے میں کہا نہیں ہوگا؟"

"کہا ہے لیکن سب کہتی ہیں باہر میری زندگی کو خطرے میں ہے، نہیں جا سکتا۔"

"تو پھر تیار ہو جاؤ ہم تمہیں باہر لے چلیں گے۔" میں نے کہا اور معصوم بچہ خاموشی سے کھل اٹھا۔

"سچ انکل۔"

"ہاں جاؤ تیار ہو جاؤ۔" میں نے کہا اور وہ اندر دوڑ گیا۔

تب وہ لڑکی بیوی نے مجھ سے کہا۔

"بھائی صاحب کیا یہ مناسب ہوگا؟"

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور وہ خاموش ہو گئی۔ سلیم نے نیا لباس پہن لیا وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا میں اسے اس کے کمرے سے لینے گیا تو وہاں ملک زبیدہ بھی کھڑی ہوئی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ شاہ عالم کی بیوی اس وقت اس کے پاس بیٹھی تھی

"سنو۔ میں نے بھی طویل عرصے سے باہر کی دنیا نہیں دیکھی ہے۔" "کیوں۔ کیا تمہاری زندگی کو بھی خطرہ ہے؟" قدرے چونک کر میں نے شرارتی انداز میں کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر۔۔؟"

"دل ہی نہیں چاہا تھا کسی کے ساتھ جانے کو اب تم ساتھ ہو تو مناسب ہے۔" میں نے کہا۔

"شاید۔۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میں بھی ساتھ ہو جاؤں۔"

"مناسب نہیں ہوگا بیگم صاحبہ۔۔" میں نے بے ساختہ ہی کہا۔

"کیوں۔۔؟"

"تو پھر کیا سوچ رہی ہو؟"

"لوگوں کی زبانیں بند نہیں کر سکتے تم۔"

"اس موضوع پر تم سے بعد میں بات کروں گا اس وقت اجازت دو۔" میں نے کہا اور سلیم کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔ محل نما شگفتہ بولی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہ گئی تھی میں اس کے بارے میں عجیب انداز میں سوچ رہا تھا کیسی ہے یہ عورت سلیم سے، اپنے اکلوتے بیٹے سے اسے کوئی خاص رغبت نہیں محسوس ہوتی تھی۔ وہ واحد تھی جس نے سلیم کی زندگی کے بارے میں کبھی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا حالانکہ اسے سب سے زیادہ فکر ہونی چاہیے تھی۔ اس پر اسرار عورت سے میں واقعی گھبرانے لگا تھا۔

جیپ لے کر میں باہر نکل آیا۔ سلیم کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی وہ اس دنیا کو بالکل اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جیسے زندگی میں پہلی بار یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو۔

میں نے اسے تسلیم سمجھایا، ہم تعطلات پر ہی پھر رہے تھے۔ پستول میرے پاس موجود تھا میں ضرورت سے زیادہ لاپروا بھی نہیں تھا اس وقت تعجب سے میں نے سلیم کو کافی شاپنگ کرائی تھی اور پھر میں اسے جہانگیر کے باغ میں لے گیا۔ سلیم نے خوب پھر سپاٹے کیے اور کسی بچے سے بڑھ کی طرح دوڑتا پھرا۔ پھر کئی گھنٹے کے بعد میں نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ سلیم کا دل ابھی واپسی کے لیے نہیں چاہ رہا تھا لیکن میں نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

"تم فکر مت کرو سلیم۔ اب میں اکثر تمہیں سیر کرانے لایا کروں گا۔"

"وعدہ انکل۔۔؟"

وعدہ پکا وعدہ۔۔ میں نے کہا۔ اور اسے جیپ میں بٹھا کر واپس چل پڑا۔ جیپ ایک سنسان سڑک سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس پر دونوں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو گئی گولیاں میرے اور سلیم کے بالکل قریب سے گزریں تھیں گویا جیپ کی باڈی میں اور ٹائر میں ایک گولی بھی لگی تھی۔

جتنی تعداد میں گولیاں چلائی گئی تھیں ان سے بچ جانا حیرت انگیز تھا۔ جیپ اچھلنے لگی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے سنبھالا اس کے ساتھ ہی میں نے سلیم کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے جھکا دیا۔ کچھ اور گولیاں ہم پر سے گزریں۔ لیکن اس بار بھی کوئی نقصان نہیں ہوا۔ سلیم بڑی طرح سہم گیا تھا۔

میں نے پستول نکال لیا۔ فائرنگ جتنی تعداد میں ہو رہی تھی اس سے حملہ آوروں کی تعداد کا پتہ چل رہا تھا۔ تنہا میں ایک پستول سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ دفعتاً سڑک کے دونوں طرف سے حملہ آوری

پستولیں سنبھالے باہر نکل آئے۔ یہ سب نقابوں میں چہرہ چھپائے ہوئے تھے۔

لیکن ابھی وہ جیپ کے قریب پہنچے بھی نہ تھے کہ دفعتاً ٹھٹک گئے۔ پستول ان کے ہاتھوں سے نکل کر فضا میں معلق ہو گئے تھے۔ وہ بدحواسی ہو کر پستول پکڑنے کے لیے لپکے لیکن پستول فضا میں تیر رہے تھے۔ جونہی کسی کا ہاتھ پستول کے قریب پہنچتا پستول آگے بڑھ جاتا اور چند ہی لمحات کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ ___ وال بال کھیل رہے ہوں۔ یہ خطرناک پوزیشن اچانک مضحکہ خیز ہو گئی تھی۔ سارے کے سارے نقاب پوش بدحواسی میں پستول پکڑتے پھر رہے تھے۔ پھر میں نے اپنا پستول سنبھال لیا۔ اب میں ان میں سے ایک ایک کو نشانہ بنا سکتا تھا۔

دفعتاً میرے کانوں میں سرگوشی ابھری۔ "کیا فائدہ یہ سب کرائے کے ٹٹو ہیں ___؟"

"یہ آواز میری نادیدہ محسنہ کی تھی۔ میرا ہاتھ رُک گیا۔

"کون ہیں یہ ___" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ لیکن اس بات کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

بدحواس لوگ تھوڑی دیر تک تو پستول پکڑنے کے چکر میں ادھر سے ادھر بھاگتے رہے اور جب انہیں صورت حال کا احساس ہوا تو وہ بری طرح خوف زدہ ہو گئے۔ پھر ان میں سے کوئی نہیں رُکا تھا۔ چند لمحات کے بعد میدان صاف ہو گیا۔

سلیم اب بھی سہما ہوا تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اوپر اٹھایا۔ بیچارے کو کچھ نہیں بتایا جا سکتا تھا چنانچہ سیدھے ہو کر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ ___ یہ کیا ہوا انکل ___؟"

"کچھ نہیں بیٹے۔ جیپ کا ٹائر پنکچر ہو گیا تھا۔"

"اور وہ گولیاں ___"

"کونسی گولیاں ___؟"

"بھوت ہم پر گولیاں برسا رہے تھے۔"

"ارے۔ کون سے بھوت۔ دیکھو میاں کوئی بھوت نہیں تھے۔ گولیاں تو برس رہی تھیں۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ آؤ ٹائر تبدیل کر لیں۔" میں نے کہا۔ اور اسے سہارا دے کر نیچے اتار لیا۔ پھر میں نے جیپ کا ٹائر تبدیل کیا اور اسے اسٹارٹ کر کے چل پڑا۔ میری نادیدہ محسنہ نے بروقت میری مدد کی تھی۔ اگر وہ مدد نہ کرتی تو اس وقت زندگی بچانا محال تھی۔ راستے میں سلیم نے معصومیت سے کہا۔

"جیپ میں ___ نامنیں انکل۔ ایک بھوت میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"تم سے کس نے کہا ___؟"

"میں نے خود دیکھا ہے اسے۔"

"اوہ۔ وہم ہو گا تمہارا۔ بھوت خود انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ وہ انسانوں کو دیکھتے ہی بھاگ جاتے ہیں اور پھر تم تو خود ایک بہادر لڑکے ہو۔ بھوت تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

رانا محل پہنچا تو سب انتظار کر رہے تھے۔ خاص طور پر شاہ عالم ہمیں دیکھ کر کھل اٹھا۔

"خوب ہیر سپاٹے ہو رہے۔ میں بہت پریشان تھا۔"

"کیوں ___؟" میں نے سوال کیا۔

"بس ایک خوف میرے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے لیکن یوں لگتا ہے جیسے" میں نے شاہ عالم کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور وہ خاموش ہو گیا۔ سلیم کو اس کی بیوی لے گئی تو میں نے اس سے کہا۔

"تم لوگوں نے سلیم کو بہت خوفزدہ کر دیا ہے یہ خوف اس کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہ۔ لیکن یہ ضروری تھا رانا صاحب۔"

"کیوں ___؟"

"بچہ ہے۔ اس کے اپنے محل ہی میں اس کی زندگی کو خطرہ تھا میں کیا کرتا۔ وہ سیر و تفریح کے لیے ضد کرتا تھا۔ باہر کھیلنے کی کوشش کرتا تھا۔ مجبوراً اسے روکنے کے لیے اسے بتانا پڑا کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ آئندہ اس سے ایسی کوئی بات نہ کی جائے۔"

"ہاں یہی لگتا ہے جیسے سلیم کے دشمن آپ کی آمد سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اس مسئلے کا کوئی حل نکلنا چاہیے رانا مسعود۔ کب تک ہم اس طرح اس کی حفاظت کریں گے ___؟"

"بہت جلد حل نکل آئے گا تم فکر نہ کرو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور شاہ عالم گردن ہلانے لگا۔

رات کو میں اپنے کمرے میں بیٹھا دیر تک ان حالات کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اپنی نادیدہ محسنہ بھی بار بار میرے ذہن میں آتی رہی تھی وہ اس عمارت سے کیا چاہتی ہے اس نے مجھے یہاں کیوں بھیجا ہے۔ لیکن کچھ بھی ہے وہ واقعی اپنے قول کے مطابق میری نگرانی کرتی ہے۔ اس وقت بھی اگر اس کی پُراسرار مدد شامل نہ ہوتی تو میرے لیے ان دشمنوں پر قابو پانا ممکن نہ ہوتا۔ کوئی بھی گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

رات کے تقریباً بارہ بجے تھے۔ سلیم محل کے سارے دریچے

اور راہداریاں سنسان ہو چکی تھیں۔ باہر کی ساری آوازیں بند ہو گئی تھیں میں بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ابھی اس کوشش میں کامیاب بھی نہیں ہوا تھا کہ دفعتاً مجھے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک محسوس ہوئی۔ اور میں چونک پڑا۔

میں نے جلدی سے سرہانے رکھا پستول سنبھالا اور دبے قدموں دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ "کون ہے ___؟" میں نے سرگوشی کے انداز میں پکارا۔

"دروازہ کھولو مسعود۔ پلیز دروازہ کھولو میں گل رُخ ہوں۔" باہر سے التجا آمیز سرگوشی سنائی دی۔ اور میں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"خیریت ہے گل رُخ ___"

"ہاں۔"

"سلیم کہاں ہے ___؟"

"شمسہ کے پاس سو رہا ہے۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور پھر پلٹ کر دروازہ بند کر لیا۔ میں نے تیز روشنی کرنے کی کوشش کی تو وہ جلدی سے بولی "نہیں مسعود روشنی نہ کرو۔" اور میں رُک گیا۔ وہ میرے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

میں اسے دیکھنے لگا! وہ خاموشی سے گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"خیر! اُلجھن کوئی پریشانی ___؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں بہت بڑی اُلجھن۔ بہت بڑی پریشانی ہے۔"

"کیا بات ہے ___؟"

"میرے بارے میں غور نہیں کرو گے ___؟"

"اوہ۔ کیا غور کروں گل رُخ ___؟"

"میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھوں مسعود۔ تمہیں دیکھ کر میری روح کی پیاس جاگ اٹھی ہے مسعود۔ بیتا ہوا ایک ایک لمحہ میرے ذہن میں زندہ ہو گیا ہے۔ مسعود تم جانتے ہو میں اتنی بے باک کبھی نہیں تھی۔ تمہیں ضرور یاد ہو گا مسعود۔ کبھی انسان بگڑ کر مسخ ہو جاتا ہے۔ بھول جاتا ہے اپنی انا اپنی خودداری کو۔ پگلا سا پاگل بن جاتا ہے۔ میری حیثیت گر گئی ہے۔ کیونکہ میں بھی بھٹکی ہوں تمہارے قابل نہیں رہی۔ لیکن میری روح کنواری ہے۔"

"لیکن تم میرے بھائی کی بیوی ہو گل رُخ۔"

"ہوں نہیں تھی۔ تھی نہیں بنا دی گئی تھی کیونکہ ___ کیونکہ تم نے مجھے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔" گل رُخ جذباتی لہجے میں بولی۔

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے گل رُخ۔"

"میں نہیں مانتی۔ میرے دل نے اب تک نہیں مانا۔"

"دُنیا بدل چکی ہے گل رُخ۔"

"میں جانتی ہوں مسعود۔ اب تم مجھے پیار نہیں کرتے۔ تمہارا رویہ وہ نہیں رہا۔"

"مجبوری ہے گل رُخ۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے مسعود۔ اگر تم چاہو تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔ تم۔ تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو۔"

"شادی ___؟"

"ہاں اگر چاہو تو ___ نہ چاہو تو ہزاروں دشواریاں ہیں۔ کوئی انوکھی بات تو نہیں ہو گی۔ دولت ہے جائیداد ہے۔ سب کچھ ہے اور پھر سلیم کے خلاف جو کچھ ہو رہا وہ اس لیے ہو رہا ہے کہ وہ لاوارث ہے اگر اسے تمہارا سہارا مل جائے تو ___ تو اس کے دشمن ٹھنڈے ہو جائیں گے۔"

"لیکن گل رُخ ___"

"میں نہیں جانتی ہوں مسعود۔ ممکن ہے تمہیں میری باتیں پسند نہ آئیں۔ لیکن میں نے کبھی جہانگیر کو اپنا نہیں سمجھا۔ تم میرے سامنے نہیں تھے لیکن میں تمہیں یاد کرتی تھی اور اب ___ تمہارا حصول میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ جائز یا ناجائز۔ یہ تم سوچتے رہو۔" وہ اٹھی اور تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں خاموشی سے بند دروازے کو دیکھتا رہا تھا۔ دفعتاً میرے کانوں میں سرگوشی ابھری۔

"بابر۔ یہ کیا حماقت ہے ___؟"

"اوہ۔ کیوں۔ کیا حماقت ہو گئی ___؟"

"پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ زندگی جو اپنی کچھ حاصل کرنے کا نام ہے تم نے اسے یاس میں لٹا دیا۔"

"اوہ شاید ذہنی طور پر میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔"

"ذہن کو بدلو۔"

"کوشش کروں گا۔ اول تو میں ان واقعات میں ہی اُلجھا ہوا ہوں تم اس سلسلے میں میری مدد کیوں نہیں کرتیں ___؟"

"تھوڑا سا انتظار کر لو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور سنو۔ خود کو بدلو۔ میں تمہارے ذہن کو بھی جوان دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ میرے مشن کے لیے بھی ضروری ہے۔"

"میں نے کہا نا کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔ اس کے بعد مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ ایک بار پھر سونے کے لیے لیٹ گیا لیکن

رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔

دوسرا روز حسب معمول تھا۔ گیارہ بجے کے قریب واحد آگیا اس کے ہونٹوں پر پُراسرار مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ "ہیلو رانا مسعود—!"

"ہیلو واحد—!"

"کیسی گزر رہی ہے—؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"واحد، بے کے لیے کوئی خدمت—؟"

"کیا کر سکتے ہو—؟"

"بڑا دلچسپ سوال ہے۔ اسے سمجھنا جانتا ہوں۔ چیل بھی کھلاؤں گا!—"

واحد بولا۔

"کھل کر بات کرو واحد—" میں نے اُلجھ کر کہا۔

"آپ کو بھی کھلنا پڑے گا رانا صاحب۔"

"کیا مطلب—؟"

"آپ کو یہاں تک لانا میرا کام تھا رانا صاحب۔ حسب منشا حق کا اندازہ آپ نے تو لگا لیا ہوگا۔"

"ہاں ظاہر ہے۔"

"سلیم کی زندگی کا سوال ہے۔ اس وقت تک اس کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں گی جب تک جائیداد کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ اور جائیداد کا اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا صحیح نگران پیدا ہو جائے۔"

"صحیح نگران کون ہے—؟"

"آپ۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں—؟"

"شادی رانا صاحب۔ گل رُخ سے شادی۔ یہ جائیداد گیتی کی نہیں ہے بلکہ رانا جہانگیر کی اپنی پیدا کی ہوئی ہے اس لیے اس کا حق دار یا تو سلیم ہے یا— وہ جو سلیم کا باپ ہو۔"

میں خاموشی سے واحد کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر میں نے کہا "میں رانا جبار کی شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"واحد خود دلچسپ ہے۔"

"کیا مطلب—؟"

"میں دکھا سکتا ہوں۔"

"کیسے—؟"

"بہروپ بدل کر۔"

"میں نہیں سمجھا—؟"

"آج رات کو دس بجے پہنچ جانا۔ میں وہیں ملوں گا۔" واحد نے کہا۔ میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا— رات تک اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ میں بے چینی سے دس بجے کا انتظار کر رہا تھا ٹھیک دس بجے میں چوروں کی طرح چھپتا ہوا مغربی علاقے میں پہنچ گیا۔ واحد اس جگہ موجود تھا جہاں وہ دونوں پہرے دار ہوتے تھے۔

"واحد وہ کہاں گئے—؟"

"بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔"

"اب کیا کرنا ہے—؟"

"چلے جائیے۔ دستک دیجیے۔ جرأت سے کام لینا ہوگا۔ اس وقت اور کوئی نہیں ہوگا—!" میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ اور پھر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے دروازے کے پاس پہنچ کر دستک دی۔"

"آجاؤ— بھاری آواز سنائی دی۔ اندر میں اندر داخل ہو گیا۔ رانا جبار سامنے ہی بیٹھے تھے۔ اس وقت ان کا چہرہ بھی کپڑے میں نہیں چھپا تھا۔ جھلسا ہوا خوفناک سا چہرہ۔"

مجھے دیکھ کر وہ اُچھل کر کھڑے ہو گئے "تم—؟"

"ہاں بھائی صاحب" میں آپ کا بھائی ہوں۔

"تم کیوں آئے یہاں—؟"

"آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔"

"تو دیکھ لو۔ اب میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی کے سامنے آؤں۔ دیکھو تم— یہ جینے کی سزا بھگت رہا ہوں۔"

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے بھائی صاحب۔ آپ کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔"

"وہ بدبخت میری شکل بگاڑ کر چلی گئی۔ اب میں صرف موت کا انتظار کر رہا ہوں۔" خاموشی سے اس گوشے میں سانسیں لے رہا ہوں موت کے انتظار میں۔ رانا جبار کی گلوگیر آواز اُبھری۔

"آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ پورا خاندان ہے آپ کا۔"

"کیا منہ لے کر اس خاندان کے سامنے جاؤں گا۔" مسعود، میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب لوگ موت کے بعد ہی میری شکل دیکھیں گے نہیں میرے بھائی۔ تم نے مجھے دیکھ لیا۔ کیا اب بھی تم کہو گے کہ میں عام لوگوں کے سامنے آؤں۔

"وہ سب آپ کے اپنے ہیں۔"

"ہیں۔ لیکن اب میں ان کا نہیں ہوں۔ میں— میں خودکشی کر لوں گا لیکن کسی کے سامنے نہیں جاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگ میری شکل دیکھ کر چیخیں ماریں۔ مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرنا مسعود۔"

"مجھے اس کے لیے کبھی مجبور مت کرنا۔ میں بے غیرتی کی زندگی رانا محل میں گزار رہا ہوں میں جانتا ہوں کہ رانا محل کی جاگیر

میں میرا اپنا کوئی حصہ نہیں ہے بلکہ اسے میرے مرحوم بھائی رانا جہانگیر نے ترتیب دیا تھا۔ اس نے اس خاندان کی عزت ایک بار پھر ہمیشہ کے لیے کر دی تھی مجھے چاہیے تھا کہ اس عزت میں اضافہ کرتا لیکن میں نے اسے اور ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی اور مجھے ان تمام باتوں کا بخوبی احساس ہے۔ ہاں مجھے حق نہیں تھا کہ میں اس بدبخت عورت کو یہاں لا کر رکھتا جو اس معیار کی نہ تھی کہ شریف لوگوں میں گزارہ کر سکے اس نے اس گھر کو گندگی کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا اور جب میں نے اسے سرزنش کی تو اس نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔ مسعود میں اسے تلاش کر کے قتل کر دینا چاہتا تھا لیکن میری صورت ایسی ہو گئی کہ جب میں نے پہلی بار آئینہ دیکھا تو میں نے محسوس کر لیا کہ اب میں مر چکا ہوں۔ اب مجھ میں دنیا کے سامنے جانے کی سکت نہیں ہے۔ تم یقین کرو میں یہاں سے کہیں دور چلا جاتا ایسی جگہ جہاں میرے اہل خاندان میری بُو بھی نہ تلاش کر سکتے لیکن میں جانتا ہوں کہ جہاں جہاں سے میں گزروں گا نفرتوں کا ایک انبار سمیٹتا چلا جاؤں گا مجھ میں انسانوں کے درمیان سے گزرنے کی ہمت نہیں ہے اس لیے میں نے یہ اور تکلیف رانا محل والوں کو دینا گوارہ کر لی میں اس گوشے میں اب زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا ہوں اور میری تم سے درخواست ہے کہ مجھے یہاں پڑا رہنے دو مجھے صرف اس دن یہاں سے نکالا جائے جب میری لاش میں تعفن پھیلنے لگے۔—" میں نے کوئی جواب نہیں دیا اس شخص کے لہجے کی سچائی کا کوئی پتہ نہیں چلتا تھا۔ بہرطور میں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے انتہائی افسوس ہے بھائی صاحب کہ میں آپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں اگر آپ چاہیں تو میں اس عورت کو تلاش کرنے کی کوشش کروں—؟"

"نہیں مسعود نہیں۔ بس میرے اس سلسلے کو اسی جگہ ختم کر دو تم آج میرے سامنے آگئے ہو براہ کرم آج کے بعد کبھی یہاں نہ آنا میری تم سے درخواست ہے مسعود۔ میری تم سے درخواست ہے—"

"ٹھیک ہے بھائی جان اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں چلتا ہوں۔" میں نے کہا اور واپسی کے لیے پلٹ پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد میں رانا جبار کے کمرے سے نکل آیا میرے ذہن کی ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی باہر واحد موجود تھا اور پُراسرار انداز میں مسکرا رہا تھا۔ دو نوجوان [illegible] کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے کہا۔

"بس ابھی یہ چند لمحے کے بعد ہوش میں آجائیں گے۔ یہ تمہارا کام بن گیا—؟"

"ہاں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا کیفیت پائی رانا جبار کی—؟"

"ان کا چہرہ تیزاب سے بُری طرح جھلس گیا ہے—"

"تم نے ان کی شکل دیکھی—؟" واحد نے پوچھا۔

"ہاں بخوبی کیوں تمہارے ذہن میں کوئی خاص بات ہے کیا—؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ میں تو پوچھ رہا تھا کہ کیا واقعی وہ اس قدر بھیانک ہو چکے ہیں کہ اب دنیا کے سامنے نہیں آسکتے—" واحد نے سوال کیا۔

"دنیا میں تو بہت سی بھیانک چیزیں دیکھنے کو ملتی ہیں واحد بہرطور آؤ میرے ساتھ—" میں نے اس سے کہا اور واحد کو لیے ہوئے اپنے کمرے میں داخل ہو گیا میں واحد کا راز بھی کھول لینا چاہتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ میرے سامنے بیٹھ گیا—"

"واحد میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب—؟"

"مطلب یہ کہ تم کون ہو اور ان سارے معاملات سے کیا دلچسپی رکھتے ہو—؟"

"میں تمہیں اپنے بارے میں اتنا بتانا ضرور پسند کروں گا رانا مسعود کہ میں بھی تمہارے خاندان کا پرانا واقف کار ہوں میرا معاملہ بڑا دلچسپ تم لوگوں سے رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھے نہیں جانتے ہو گے نہ تم نے مجھے پہلے کبھی دیکھا ہوگا لیکن میں تمہاری پوری کہانی سے واقف ہوں اگر تم مجھے معاف کرو میرے دوست تو میں ذرا صاف گوئی سے کام لوں مجھے علم ہے کہ تم گل رخ سے محبت کرتے تھے تم اسے چاہتے تھے یا نہوں نے لیکن رانا خاندان کے بگڑے ہوئے حالات کی بنا پر شاید تم اس بات کی ہمت نہیں کر پائے تھے کہ گل رخ کے اہل خانہ سے گل رخ کو مانگ لو اور اس کے بعد تم باہر نکل گئے تھے تمہاری غیر موجودگی میں رانا جہانگیر بھی بناتے خود ایک نئی دولت پیدا کر چکا تھا اب اس کا شمار رانا خاندان کے بہترین افراد میں ہوتا تھا اور اس نے صحیح معنوں میں رانا خاندان کی ساکھ سنبھال لی تھی تمہاری فطرت کے خلاف رانا جبار نہ دوسری طبیعت کے آدمی تھے پھر بھی وہ تم سے بھی پیار کرتا تھا اور اپنے بڑے بھائی سے بھی اس نے کبھی یہ بات نہیں سوچی تھی کہ جو کچھ اس نے بنایا ہے وہ خاندان کی ساکھ ہے اس طرح اس نے بحال کی ہے وہ صرف اس کی اپنی ملکیت ہے وہ اپنے بھائیوں کو بھی اس میں شریک رکھنا چاہتا تھا جب تم چلے گئے تو اسے بہت دکھ ہوا تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا تمہارے جانے کی وجہ کیا

ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ رانا مسعود کو اگر رانا جہانگیر کو یہ بات معلوم ہوتی کہ تم بھی گل رُخ کو چاہتے ہو اور اس کے حصول کی خواہش دل میں رکھتے ہو تو وہ بخوشی تمہارے لیے یہ قربانی دے دیتا لیکن وہ نہیں جانتا تھا۔ تمہاری خودداری تمہیں یہاں سے دور لے گئی لیکن رانا جبار تمہارے طرح خوددار نہیں تھے وہ اس دولت پر عیش کرتے رہے اور بے چارے رانا جہانگیر نے کبھی یہ بات نہیں سوچی کہ یہ دولت اس کی ہے اور اس کا بڑا بھائی کس طرح اسے برباد کر رہا ہے یہاں تک کہ رانا جہانگیر موت کی آغوش میں جا سویا اور رانا جبار کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا میں ابھی تک اس داستان میں کہیں شامل نہیں رہا لیکن یوں سمجھو کہ میں ہمیشہ تم لوگوں سے متعلق رہا ہوں ایک دو خاندان ہے جو تمہارا پڑوسی ہے اور تم لوگوں سے اس کے گہرے تعلقات تھے میں اپنے آباؤ اجداد کی بات کر رہا ہوں اب یہ دوسری بات ہے کہ درمیانی وقفے میں ہمارے تعلقات ٹوٹ گئے لیکن میں انہیں پھر سے استوار کرنا چاہتا ہوں۔" واحد نے جواب دیا۔

"بمبئی میں کیا کر رہے تھے۔؟"

"تقدیر آزما رہا تھا، بہت سے ایسے مسائل تھے جن کا تعلق بمبئی سے ہے یوں سمجھو کہ میں زندگی تو بمبئی میں ہی گزار رہا ہوں لیکن بس تھوڑا سا وقفہ ایسا بھی ہو جاتا ہے جب میں بمبئی سے ہٹ کر کچھ کام کرتا ہوں۔"

"ویسے میری نگاہ میں تم بھی پُراسرار آدمی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں رانا مسعود، میں بہرطور تمہارا خیر خواہ ہوں ہاں، اس بات سے انکار نہیں کروں گا کہ اگر تمہارے تمام مسائل حل ہو گئے تو تم سے کچھ مانگوں گا اور یوں سمجھو کہ میری وہ مانگ ہی میری ان کاوشوں کا محرک ہے۔"

"ٹھیک ہے اور الجھن میرے ذہن میں پیدا کر دی کون سی ایسی چیز مانگو گے جو میری قیمتی ہو۔"

"مانگ لوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ ایسی چیز نہیں ہو گی کہ تمہیں اسے دینے میں میرے لیے پریشانی ہو۔"

"ہوں، اچھا اب یہ بتاؤ کرنا کیا چاہیے۔؟"

"یہ سوال بہت ٹیڑھا ہے رانا صاحب، تمہیں معلوم ہو گا اس کا جواب بہ یک وقت میں دے سکتا ہوں لیکن دینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"واحد تم مجھے یہاں لائے ہو اور تمہاری بھی تھوڑی بہت مفاد ان باتوں سے وابستہ ہے میں کسی ایسے دوست کی مدد چاہتا ہوں جو مخلص ہو اور میں تمہیں اپنا مخلص دوست ہی خیال کرتا ہوں۔"

"سنیے، رانا صاحب بعض اوقات خلوص بھی ایک مصیبت بن جاتا ہے۔"

"کس کے لیے۔؟" میں نے سوال کیا۔

"مشورہ دینے والے کے لیے۔"

"اگر یہ بات ہے واحد، تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے الفاظ کچھ بھی ہوں، اور مجھے ان سے شدید اختلاف بھی ہو تو تمہارے خلوص پر شک نہیں کروں گا۔"

"رانا صاحب۔ بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں نباہ نہیں پائیں گے۔"

"کوشش کروں گا میرے دوست۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اگر آپ برداشت نہ کر سکے تو میری کیا حیثیت ہو گی میں اس بات کو سوچ رہا ہوں۔"

"اگر بات کوئی بہت ہی سخت ہوئی اور ایسی ہوئی جو میرے لیے ناقابلِ برداشت ہوئی تب بھی میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے اس سلسلے میں کوئی تعرض نہیں کروں گا۔"

"اس کا مقصد ہے کہ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں کہہ دوں۔"

"ہاں میرے دوست۔ تم سب کچھ کہہ سکتے ہو فکر کرنے کی کوئی بات نہیں۔"

"تو سنیے رانا صاحب۔ ہمارے سامنے دو صورتیں ہیں کیا آپ جانتے ہیں کہ رانا جہانگیر کی بیوہ کے ذہن میں آپ کے لیے کیا گنجائش تھی آپ ان کو چاہتے تھے آپ ان کو حاصل کرنے کے خواہش مند تھے تو کیا ان کے دل میں بھی یہی آرزو پروان چڑھ رہی تھی کیا آپ مجھے اس کا جواب دیں گے۔؟"

"ہاں۔ اس وقت یہی بات تھی۔" میں نے اپنے الفاظ کو محتاط سے استعمال کرتے ہوئے کہا۔

"اور اب۔" واحد نے مجھے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا میں آہستہ آہستہ اس کی فطرت سے واقف ہوتا چلا جا رہا تھا وہ جو کچھ نظر آتا تھا وہ نہیں تھا بلکہ اندر گہرائیوں میں بھی بہت کچھ تھا بہرطور میں نے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

"اب کیا کہا جا سکتا ہے ظاہر ہے وہ شادی شدہ عورت ہے بیوہ ہو چکی بہت بیوگی کی زندگی گزار رہی ہے اس کے ذہن کی گہرائیوں میں جھانکنا اب میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

"لیکن یہی وہ مرحلہ ہے رانا صاحب جہاں آپ کو پوری ذہانت سے کام لینا ہے۔"

"کیا مطلب۔؟"

"آپ۔ مسز جہانگیر کے ذہن کی گہرائیوں میں جھانکیے یہ آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔"

"میں بے نیاز ہو۔" میں نے بغور واحد کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا میں ایک شکل ہے کہ آپ رانا محل کو بچا سکتے ہیں۔" واحد نے کہا۔

"مگر کس طرح؟ بات تو بتاؤ۔"

"ٹھہریے ایک منٹ۔" واحد نے کہا اور دبے قدموں دروازے کی جانب بڑھا پھر اس نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور باہر جھانکنے لگا میں اس کی ان حرکات کا دلچسپی کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے مطمئن انداز میں میرے پاس آ بیٹھا۔

"آپ کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو کوئی بھی سلیم کو قتل کرنے کا خواہش مند ہے اس کے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے کہ وہ رانا محل کی دولت پر اپنا قبضہ جمالے سلیم اس دولت کا جائز اور واحد وارث ہے کسی کو سلیم کے علاوہ یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس دولت کو اپنے تصرف میں لائے کیا آپ اس بات سے متفق نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی انہیں لوگوں میں شمار ہیں کہ اگر آپ رانا محل سے کچھ حاصل کرنا چاہیں تو قانونی طور پر نہیں حاصل کر سکتے۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"کیا جانتے ہیں آپ۔؟"

"یہی کہ یہ دولت رانا جہانگیر کی اپنی ملکیت ہے اس نے اپنے بازوؤں سے یہ سب کچھ کمایا ہے اور کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے حصول کے لیے کوشش کرے۔"

"ویری گڈ۔ یہی میں کہنا چاہتا تھا اور یہی وہ نکتہ ہے رانا صاحب جو بہت سے رازافشا کرتا تھا یعنی اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں رہنا چاہیے کہ سلیم کو قتل کرنے کی کوشش کرنے والا رانا محل کی دولت کے حصول کا خواہش مند ہے۔"

"لیکن وہ کون ہو سکتا ہے۔؟"

"کوئی بھی ہو۔ دولت کا لالچ ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے میں اس سلسلے میں کسی کا نام نہیں لوں گا لیکن جو کوئی بھی ہے ہم اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔"

"وہ کس طرح۔؟"

"رانا سلیم کے تحفظ کے لیے اگر ہم محل میں کسی کو ہلاک بھی کر دیں تو ہم پر کوئی باقاعدہ جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ یہاں کے معاملات کی اطلاع پولیس کے کانوں تک پہنچ چکی ہے۔"

"کیا مطلب۔؟ یہ انکشاف میرے لیے بھی نیا تھا۔"

"جی ہاں۔ پولیس اس سلسلے میں ملوث ہو چکی ہے کئی بار پولیس کے محکمے کے بہت سے افراد یہاں آ کر راتیں گزار چکے ہیں۔"

راتیں گزار چکے ہیں؟۔ لیکن کمال کی بات ہے مجھے اس سلسلے میں کبھی اطلاع نہیں ملی۔"

"بات خاصی پرانی ہے اتنی پرانی کہ اب لوگوں کے ذہن میں بھی نہیں رہی ہے اس لیے آپ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہو گا۔"

"لیکن یہ بات تمہارے علم میں ہے۔"

"ہاں میں نے عرض کیا نا کہ باقاعدہ اس کی رپورٹ موجود ہے پولیس آفیسران یہاں کے چکر بھی لگا چکے ہیں اور یہاں کے لوگ ان سے اس قدر بددل ہو چکے تھے کہ اس کے بعد انہوں نے محل میں ہونے والے واقعات کی اطلاع پولیس کو دینا ضروری نہیں سمجھی کیونکہ پولیس اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"اچھا پھر ٹھیک ہے چلو مان لیا کہ پولیس کے کانوں میں ان واقعات کی تفصیل موجود ہے تو پھر۔؟" میں نے سوال کیا۔

"تو پھر یہ کہ کیوں نہ اس بھوت کا شکار کر لیا جائے۔"

"بھوت کا شکار۔" میں نے تعجب خیز نگاہوں سے واحد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ وہ بھوت جو رانا سلیم کی تاک میں ہے اور یقیناً کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی سے چوک ہو ہی جائے گی اور رانا سلیم قتل کر دیا جائے گا۔" واحد نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔ میں خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا تب واحد بولا۔

"اور اس سے قبل کہ رانا سلیم کے خلاف یہ سازش کامیاب ہو جائے ہمیں اس بھوت کو ہلاک کر دینا چاہیے۔"

"لیکن لیکن۔ تمہارے خیال میں وہ بھوت کون ہو سکتا ہے۔؟"

"میں نے عرض کیا نا کہ اس سلسلے میں، میں اتنی بڑی حیثیت نہیں رکھتا کہ حقیقتوں کو سمجھ پاؤں لیکن رانا سلیم کا کوئی بھی دشمن اس قابل نہیں ہے کہ وہ اس محل میں رہے یا زندہ رہے۔"

"ہوں۔ کیا اس بھوت کو شکار کرنا اتنا ہی آسان کام ہو گا۔ کیا اس سے پہلے اس کی کوشش نہیں کی جا سکی۔؟"

"نہیں اس کو ہلاک کرنے کی ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی اگر کبھی اس کے خلاف۔ کوئی خفیہ کارروائی کی بھی گئی تو اس کی اطلاع اس بھوت کو ہو گئی اور وہ ہفتوں نظر نہیں آیا آپ نے بھی دیکھا ہو گا کہ آپ کے آنے کے بعد وہ شاید ہی کبھی نظر آیا ہو۔"

"ہوں۔ لیکن واحد ہم اسے ہلاک کیسے کریں گے۔"

"اس سلسلے میں بھی واحد کی خدمات حاضر ہیں بشرطیکہ آپ اس کا بیڑہ اٹھائیں۔"

"میں تم سے اس موضوع پر ذرا ایک دو دن کے بعد بات

کروں گا واحد۔ اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے ہم کوشش کریں گے کہ سلیم کو اس مصیبت سے نجات دلائی جائے مگر پھر صورت بھوت کو ہلاک کرنے کے بعد کیا ہوگا۔۔؟"

"ایک دوسری صورت بھی میں آپ کو پیش کرنا چاہتا تھا رانا مسعود۔" واحد بولا۔

"وہ کیا۔۔؟"

"مجھے امید ہے کہ رانا مسعود اپنی فراخدلی سے کام لے کر میری کسی بات کا برا نہیں مانیں گے رانا صاحب سلیم کے تحفظ کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ صرف ایک بھوت کو ہلاک کر دیا جائے ایسے ایسے ہزاروں بھوت رانا محل میں پیدا ہو سکتے ہیں دولت جنگل خراب تھے ہے انسان اس کے چکر میں پھنس کر ایسی مصیبتوں کا شکار ہوتا ہے کہ ان سے نکلنا اس کے لیے ناممکن ہو جاتا ہے لیکن اگر سلیم کی زندگی آپ کو عزیز ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ رانا جہانگیر کی نسل و نشان باقی رہے تو پھر آپ کو ایک اور کوشش کرنا ہوگی رانا مسعود۔"

"کیسی کوشش۔۔؟" میں نے سوال کیا۔

"گل رخ کو اس کا ماضی یاد دلانے کی کوشش اسے ماضی میں واپس لانے کی کوشش۔ یہ کوشش کہ وہ آپ سے دوبارہ شادی پر رضامند ہو جائے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو واحد؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا حالانکہ یہ بات جتنی بے جتنی آسان تھی واحد نہیں جانتا تھا یہ ایک تھوڑی سی کوشش گل رخ کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتی تھی وہ تو اس بات کا اظہار کر بھی چکی تھی لیکن ظاہر ہے میں کسی دوسرے کو اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں بتا سکتا تھا۔

"اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے رانا مسعود کہ آپ دشمنوں کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیں ان کے ارادوں پر پانی پھیر دیں رانا جہانگیر کی دولت اس کی بیوی کی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے بیٹے کی ہے آپ رانا سلیم کو اپنی تحویل میں لے لیں گے دولت کے مشترکہ مالک آپ ہو جائیں گے اور کم از کم اس وقت تک جب تک رانا سلیم جوان نہیں ہو جاتا اور پھر جوانی ہی سے کیا ہے ظاہر ہے کہ گل رخ آپ کی بیوی ہوگی اس کی دولت آپ کی دولت ہوگی اس طرح رانا مسعود صاحب سارے لوگوں کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور آپ اس دولت کے واحد مالک ہوں گے آپ اس دولت کا ذرا تصور کریں رانا صاحب۔ یہ کس طرح اس دولت سے کم نہیں ہے جو کبھی آپ کے خاندان میں تھی۔ آپ کتنے ہی بڑے بیوپاری ہوں کتنا ہی کماتے ہوں۔ لیکن اتنی دولت آپ کے لیے حاصل کرنا مشکل کام ہوگا۔"

"ہاں۔ میں جانتا ہوں۔"

"بس واحد کو یہی کہنا تھا اب مجھے اجازت دیجیے۔"

"پھر کبھی ملاقات کرو گے واحد۔۔؟"

"آپ کے حکم کا منتظر رہوں گا جب آپ حکم دیں حاضر ہو جاؤں گا۔"

"تمہارا کوئی فون نمبر وغیرہ۔۔؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ آپ نوٹ کر لیجیے۔" واحد نے کہا اور میں نے اس کا فون نمبر ذہن نشین کر لیا تھا۔

"اس فون پر ہمیشہ ملتے ہو؟"

"ہاں ملوں گا۔ اس وقت تک جب تک آپ دوبارہ طلب نہیں کرتے۔"

"ٹھیک ہے میں تمہیں فون کر کے صورتحال سے آگاہ کر دوں گا۔"

"فون پر نہیں۔ فون کو ٹیپ بھی کیا جا سکتا ہے۔ آپ فون کر کے صرف مجھے طلب کر لیں ہمارے اور آپ کے درمیان جو گفتگو بھی ہوگی آمنے سامنے بیٹھ کر ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ واحد اپنی جگہ سے اٹھ گیا اس کے جانے کے بعد میں گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کہ میں گل رخ سے شادی کر کے اس محل میں بیٹھ جاؤں میری نادیدہ دشمن جو نہ جانے کیا چاہتی تھی ابھی تک تو اس نے اپنے کسی ارادے کا اظہار نہیں کیا تھا ویسے بڑی عجیب و غریب کیفیت تھی واحد بھی مجھ سے کچھ چاہتا تھا اور میری وہ دشمن بھی مجھ سے کچھ چاہتی تھی لیکن یہ کچھ میری سمجھ سے باہر تھا۔ کیا کرنا چاہیے؟

جتنا سوچتا اتنا ہی حیرتوں میں ڈوبتا چلا جاتا تھا۔ میں یہ سب کچھ تو نہیں چاہتا تھا میں تو زندگی کا ایک طویل سفر طے کر کے ایک مخصوص مقصد تک پہنچ چکا تھا اس کے بعد جتنی زندگی باقی رہ گئی تھی اسے سکون سے گزارنے کا خواہشمند تھا۔

کہاں سے کہانی شروع ہوئی تھی اور کہاں پہنچ گئی تھی سلمان پراسرار شخصیت کا مالک اگر اپنے آبائی دشمن سے انتقام لے پاتا تو یقیناً ہم مصر واپس آ جاتے اور باقی زندگی وہیں گزار دیتا۔ لیکن حالات میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی تھی کہ ساری صورتحال بگڑ کر رہ گئی تھی سلمان اب اس دنیا میں نہیں تھا کیا کیا جا سکتا ہے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح میں بچ گیا تھا وہ بھی بچ گیا ہو۔ مانا کہ دونگا وہ پراسرار شخصیت پر اسرار زندگی اور ہزاروں سال سے سردار تھے میرے ذہن میں، اگر کچھ ادھر سانحے ہی سے ملا جاتا تو پھر اپنا خاندان بھی یاد آ جاتا تھا۔ جو بہرطور ہندوستان میں ہی تھا چھ نہیں ان لوگوں میں سے کوئی موجود ہوگا یا نہیں لیکن کیا کیا جا سکتا

ہی حالات اگر اجازت دیتے تو میں انہیں تلاش کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔

لیکن... لیکن یہ میری اپنی شخصیت اب ایسی ہے کہ میں اپنے لوگوں میں جاؤں۔ میں تو ایک عجیب و غریب حیثیت کا مالک بن گیا تھا زندگی سے ایک طویل سفر کے بعد پھر اسی منزل پر لوٹ آنا کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن آئینہ گواہ تھا میرے ساتھ پڑوں گواہ تھے میرے دل کی امنگیں گواہ تھیں کہ میں وہیں کا وہی تھا جہاں سے چلا تھا جوانی مجھ پر پھر سے واپس آ گئی تھی اور یہ میرے لئے ناقابل یقین ہو لیکن دوسروں کے لئے قابل یقین کبھی نہیں ہو سکتی تھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہی بابر زاد خان ہوں جو اب سے ایک طویل عرصہ قبل یہاں سے گیا تھا

آخر وقت کچھ تو آگے بڑھتا لیکن مجھے وقت میں واپس ڈھال دیا گیا تھا یہ سب کچھ میرے لئے برا نہیں تھا اگر کبھی اپنے اندر کا جائزہ لیتا تو محسوس ہوتا کہ زندگی بڑی عجیب سی چیز ہے۔

جوانی واپس آ جانے سے مجھے جتنی مسرت ہوئی تھی میرے رگ و پے میں اس کا احساس زندہ تھا کون بڑھا ہونا چاہتا ہے کون مرنا چاہتا ہے حالانکہ حقیقت انسان کو قبول کرنی چاہیے میں اب ان تمام حقیقتوں کو قبول کر لیتا بلکہ کر لیا تھا لیکن اب جبکہ کچھ واپس مل گیا تھا تو دل نہیں چاہتا تھا کہ اس کو گنوا دیا جائے ہاں ذرا حیرت ضرور ہوتی تھی

اور اب یہ سب کچھ میری اسی محسنہ کا عطیہ تھا۔ میں اسے کیسے نظرانداز کر سکتا تھا اس کے معاملات پر چل کر ہی تو میں زندگی کے بہتر راستے تلاش کر سکتا تھا۔ ہاں وہ زندگی جسے میں ابھی دنیا میں مزید گزارنے کا خواہشمند تھا۔

میری محسنہ نے مجھے ہر طرح کی آزادی دی تھی اس نے مجھ پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی خواہ میں اخلاقی حدود سے گزر جاؤں خواہ کچھ بھی کر ڈالوں۔

لیکن میری اپنی فطرت ذرا مختلف تھی میں تھوڑا سا انسانی حدود میں رہنا بھی چاہتا تھا جیسے ہی اس کی پابندی کی تھی میں نے لیکن اب۔ اب کیا کرنا چاہیے گل رخ کو میں وہ دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ اول تو میں رانا مسعود نہیں تھا اور اگر ہوتا بھی تو یہ سب کچھ میرے بس کی بات نہیں تھی۔

بہرطور مجھے اس نے [illegible] تھا۔ ضروری نہیں تھا کہ میں وہ سب کچھ اسی انداز میں کر لوں پہلے اس بھوت کو تو دیکھوں

لیکن اس سے قبل میں تھوڑی سی گفتگو شاہ عالم سے کر لینا چاہتا تھا۔

چنانچہ دوسرے دن ناشتے کے بعد میں نے شاہ عالم کو طلب کیا اور اسے لے کر ایک تنہا گوشے میں پہنچ گیا۔

"شاہ عالم! اب آخر اس کے بارے میں تمہارے خیالات جاننے کا متمنی ہوں۔"

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں رانا مسعود میں تو آپ کے خادموں میں سے ایک ہوں۔"

"یہ بتاؤ رانا سلیم کی زندگی کے تحفظ کے لئے قانون سے درخواست کی گئی تھی۔"

"ہاں یہ خاصی پرانی بات ہے جب شاید رانا سلیم پر دوسرا یا تیسرا حملہ ہوا تھا میں نے خود پولیس میں رپورٹ درج کرائی تھی، اس پر توجہ بھی دی گئی تھی تین چار ہفتے تک پولیس کے سپاہی ہماری کوٹھی میں پہرہ دیتے رہے تھے خود پولیس آفیسرز بھی بار بار چکر لگاتے رہے لیکن وہ بھوت نظر نہیں آیا اس کے بعد تفتیش سے وہ لوگ کافی عرصے تک کوشش کرتے رہے اور پھر کسی حد تک جھنجھلا گئے انہوں نے کہا یہ سب بکواس ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے اس کے بعد بھی پولیس والے کئی بار ہمارے ہاں آئے لیکن بھوت کبھی اس وقت نظر نہیں آیا جب پولیس کوٹھی میں موجود ہوتی تھی چنانچہ وہ کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے اور اس کے بعد خود ہی شرمندہ ہو کر بیٹھ گئے۔"

"ہوں۔ بہرطور یہ رپورٹ پولیس میں موجود ہے کہ رانا سلیم کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔"

"ہاں۔ پولیس نے یہ فائل بند کر دیا ہے صرف اس نظریے کے تحت کہ یہ سب کچھ بکواس ہے، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اور جو حملے ہوئے۔ رانا پر ان کی اطلاع پولیس کو دی گئی؟"

"نہیں۔ حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ اس کے بعد اس کی گنجائش بھی نہ رہی۔" شاہ عالم نے جواب دیا۔

"ہوں۔ تم لوگوں نے کبھی اس بھوت کو پکڑنے یا ہلاک کرنے کی کوشش کی؟"

میں نے سوال کیا۔

"نہیں صاحب۔ یہاں اس کوٹھی میں کوئی بھی اتنا دلیر نہیں ہے یہاں تک کہ میں بھی نہیں، ہم لوگ بہت خوفزدہ ہیں

"کب —؟"
"تقریباً ایک ہفتہ قبل۔"
"انہوں نے آپ سے ملاقات کر لی؟"
"ہاں، میں چالاکی سے اندر گھس گیا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے منع کیا۔ لیکن میں نے ان کا جھلسا ہوا چہرہ دیکھا تھا۔"
"اوہ —" شاہ عالم حیرت سے بولا۔
"یہ وہ چہرہ نہیں ہے — یہ تو بالکل صاف ہے۔"
"خدا بہتر جانتا ہے۔"
"اب کیا کرنا چاہیے؟" میں نے پوچھا۔
"میری رائے میں ہمیں فوری طور پر پولیس کو اطلاع کر دینی چاہیے۔ رانا صاحب کی موت کی خبر چھپی نہ رہ سکے گی۔ اور ظاہر ہے کہ ہمیں خبر چھپانی بھی نہیں چاہیے۔"
"مسعود پر تو کوئی آنچ نہیں آئے گی؟" گل رخ نے متفکرانہ انداز میں کہا۔
"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سلیم کی زندگی کے لیے یہ ضروری تھا اور ہم میں سے کون یہ کام انجام دے سکتا تھا۔ پولیس خود بھی ناکام ہو کر بیٹھ چکی تھی۔ جو کچھ کیا گیا اپنے تحفظ کے لیے کیا گیا۔ کون سوچ سکتا تھا کہ رانا جبار یہ مجرمانہ کارروائی کر رہے ہوں گے۔ ہم نے صرف سلیم کے دشمن کو ختم کیا ہے جو اسے قتل کرنا چاہتا تھا" شاہ عالم نے کہا۔

گل رخ خاموش ہو گئی۔ میں نے شاہ عالم کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پولیس نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی۔ ایک انسپکٹر، ڈی۔ ایس۔ پی اور دس پولیس کانسٹیبل آ گئے تھے۔ لاش ان کی تحویل میں دے دی گئی۔
ڈی۔ ایس۔ پی نے ابتدائی کارروائی کی اور پھر مجھ سے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ شاہ عالم میرے ساتھ تھا۔ اس نے ڈی۔ ایس۔ پی کو صورت حال بتائی اور پھر میں نے بھوت کے اس قصے کو بتایا۔
"آپ کو شبہ تھا کہ وہ کوئی بھوت نہیں ہے۔"
"میں صرف صورت حال جاننا چاہتا تھا۔ میں نے اسے انسان سمجھ کر گولی نہیں چلائی تھی۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ گولی کا اس پر کیا اثر ہوتا ہے؟"
"رانا صاحب۔ ایک خاص سوال کرنا چاہتا ہوں۔ رانا جبار آپ کے بھائی تھے۔ ان حالات میں ان کا قتل آپ کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے؟"
"میں کسی مجرمانہ کارروائی کی حمایت کبھی نہیں کر سکتا۔ رانا جبار آپ کے بھائی تھے۔ اگر رانا صاحب کا کوئی مسئلہ تھا تو وہ مجھ سے بھائی کی حیثیت سے بتا سکتے تھے۔ یہ سب کچھ کرنا ضروری تو نہیں تھا۔"
"ٹھیک ہے۔ براہ کرم آپ مجھے رانا جبار صاحب کی رہائش گاہ کی تلاشی کی اجازت دیں۔"
"پولیس کی کارروائی میں کوئی مداخلت میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"میں اس تعاون کے لیے شکر گزار ہوں۔" ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔ پھر مجھے اور شاہ عالم کو بھی ڈی۔ ایس۔ پی کے ساتھ وہاں جانا پڑا۔ رات کے پُراسرار سناٹے میں وہ جگہ بہت پُراسرار نظر آ رہی تھی۔ اس وقت دونوں نوکر بھی یہاں موجود نہیں تھے۔ تیز روشنیاں کر کے پولیس افسر اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ وہ بڑی ذہانت سے ایک ایک چپے کو دیکھ رہا تھا۔
بڑا مختصر سا سامان تھا اس کمرے میں۔ مسہری، ایک میز، چند کرسیاں، ایک آرام کرسی، مینٹل پیس، آتش دان۔ مینٹل پیس پر ایک خانہ نظر آیا جو گہرائی میں تھا۔ اس میں ہاتھ ڈالا تو ایک گول کیسل ابھری نظر آئی۔ اسے دبایا تو ایک سمت کی دیوار میں ایک آواز کے ساتھ دروازہ نمودار ہو گیا۔
ڈی۔ ایس۔ پی نے ٹارچ منگوائی اور ہم لوگوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے اندر داخل ہو گیا۔ ایک راہداری تھی جس کا اختتام ایک اور کمرے پر ہوا تھا۔ یہ کمرہ اصل جگہ سے بہت دور تھا۔ کیونکہ راہداری بھی کافی لمبی تھی۔ اس سارے کمرے میں ایک بڑے صندوق کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ صندوق میں تالا نہیں تھا —!
ڈی۔ ایس۔ پی نے دو کانسٹیبلوں کو یہ صندوق کھولنے کا حکم دیا اور انہوں نے ڈھکن کھول دیا۔ اندر ایک انسانی ڈھانچہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس کا لباس بھی موجود تھا۔ یہ زنانہ لباس تھا۔
شاہ عالم نے یہ لباس پہچان لیا۔ یہ اس عورت کا لباس تھا جسے رانا جبار بیوی بنا کر لائے تھے۔
"اوہ۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ عورت یہاں سے فرار نہیں ہوئی تھی بلکہ اسے قتل کیا گیا تھا۔"
"ہاں۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔" اس کمرے میں ایک اور دروازہ دستیاب ہوا۔ اس کے دوسری سمت تھوڑی سی گہرائیوں میں گزر لائن تھی۔ یہ لائن خشک پڑی ہوئی تھی لیکن اس کا اختتام بلندیوں پر ہوا تھا۔ ان جھاڑیوں کے قریب جہاں سے وہ بھوت نمودار ہوتا تھا۔

تمام صورت حال سامنے تھی۔ رانا جبار ایک لمبا کھیل کھیل رہا تھا۔ اس نے اس عورت کو قتل کر دیا تھا جس نے اس سے تعاون نہیں کیا تھا۔ اور اب اس نے رانا جہانگیر کی اس دولت کو ہڑپ کرنے کے لیے سلیم کے قتل کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔
ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی یہی خیال پیش کیا تھا۔ پولیس کی کارروائی صبح تک جاری رہی۔ سب کے بیانات لیے گئے اور پھر رانا جبار کی لاش پولیس ہسپتال بھجوا دی گئی۔ رانا جبار کی اس پُراسرار رہائش گاہ میں پولیس کو میک اپ کا سامان بھی مل گیا تھا اور میرا ایک مسئلہ حل ہو گیا تھا۔
پولیس چلی گئی۔ صرف دو جوان اس رہائش گاہ پر متعین کر دیے گئے تھے۔ شاہ عالم عجیب سنسنی خیز کیفیت میں تھا۔ اس نے پریشان لہجے میں کہا۔
"اب کیا ہو گا رانا صاحب؟"
"تمام مسئلے حل ہو گئے۔ اب سلیم کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"
"آپ رانا جبار سے ملے تھے؟"
"ہاں۔ اور ان کا چہرہ جھلسا ہوا تھا۔"
"میک اپ —!"
"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟"
"میں اب بھی وہی درخواست کروں گا رانا صاحب! آپ گل رخ سے شادی کر لیں۔ سلیم ابھی بچہ ہے۔ آپ جیسے نیک انسان کے زیر سایہ پرورش پائے گا تو اس کا مستقبل سنور جائے گا۔"
"یہ وقت ایسی باتیں کرنے کا نہیں ہے شاہ عالم۔"
"معافی چاہتا ہوں۔ دل کی بات تھی کہے بغیر نہ رہ سکا۔"
میں خاموش ہو گیا۔
تین دن گزر گئے۔ چوتھے دن واحد مجھ سے ملنے آیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "کیسے مزاج ہیں رانا صاحب؟"
"ٹھیک ہوں۔"
"پولیس نے کوئی مسئلہ تو نہیں پیدا کیا —؟"
"نہیں — لیکن کچھ باتیں میرے ذہن میں اب بھی الجھی ہوئی ہیں واحد —!"
"کیا — ہو سکتا ہے میں ان کا حل پیش کر سکوں۔"
"رانا جبار اس وقت میک اپ میں کیوں تھے؟ کیا میری آمد ان کے لیے متوقع تھی۔"
"ہاں۔" واحد نے جواب دیا۔
"کیا مطلب؟"
"وہ آپ کا انتظار کر رہے تھے۔"
"خدا کی پناہ! انہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ان کے پاس آنے کی کوشش کروں گا؟"
"میں نے انہیں بتایا تھا" واحد نے جواب دیا اور میرے کانوں کے قریب جیسے بم پھٹا۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے واحد کو دیکھتا رہ گیا۔ پھر بمشکل میں نے کہا۔
"تم نے — تم نے واحد۔ کیا تمہارا ربط رانا صاحب سے تھا؟"
"واحد فرد واحد ہے جسے رانا صاحب کی ایک ایک کارروائی معلوم تھی۔" واحد نے دوسرا دھماکہ کیا۔ یہ شخص۔ یہ شخص میرے حواس خراب کیے دے رہا تھا۔
"کیا بکواس کر رہے ہو؟"
"صحیح عرض کر رہا ہوں رانا صاحب — بلکہ بابر داد خان صاحب۔ کیونکہ واحد ہی فرد واحد ہے جسے ایک اور راز معلوم ہے۔" واحد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"کون سا راز؟"
"یہی کہ آپ رانا مسعود نہیں ہیں۔" اس نے سرگوشی کی۔

واحد نے مجھے متحیر کیا تھا۔ یہ شخص سب سے ہی زیادہ پُراسرار تھا۔ چند لمحات کے لیے میری زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ واحد شرارت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
"کیا کہنا چاہتے ہو؟" تھوڑی دیر کے بعد میں نے خود کو سنبھال کر کہا۔
"کچھ نہیں حقیقت حال عرض کر رہا ہوں۔"
"تم نے مجھے بابر داد خان کے نام سے پکارا تھا؟"
"ہاں۔"
"کیوں؟"
"اس لیے کہ یہ آپ کا اصل نام ہے۔"
"تم یہ بات کب سے جانتے تھے؟"
"ہمیشہ سے۔ لیکن آپ کی شکل و صورت رانا مسعود سے اس قدر ملتی تھی کہ کوئی بھی دھوکہ کھا سکتا تھا۔ واحد فرد واحد ہے کہ جو حقیقتوں سے آگاہ تھا۔"
"تم بہت چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو واحد! ایک سازشی ذہن کے مالک۔ مجھے بتاؤ اس سازش سے تمہارا مقصد کیا ہے؟"
"ڈیئر بابر داد خان! تم مجھے کچھ بھی کہو لیکن اعتراف کرو گے کہ میں تمہارے لیے فرشتہ ہی ثابت ہوا۔ اس عظیم

"ہاں۔ آج سے پورے ایک ہفتہ بعد رانا سلیم پورے نو سال کا ہو جائے گا۔"

"رانا سلیم؟" میں نے چونک کر کہا۔ اور اس کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"ہاں، رانا سلیم۔"

"مگر اس سے تمہارا کیا کام ہے؟"

"اچھا آرام کرو۔ ہی وقت سے پہلے تمہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اب چلتی ہوں۔" آواز بند ہو گئی لیکن میرے لیے وہ سینکڑوں الجھنیں چھوڑ گئی تھی۔ بھلا رانا سلیم جیسے بچے سے اس کو کیا کام ہو سکتا ہے؟"

لیکن اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا سوائے الجھنوں کے۔ حالات جوں کے توں رہے۔ واحد دو دن تک ملنے نہیں آیا تھا۔ تیسرے دن بھی اس سے سرسری ملاقات ہوئی۔ کوئی خاص بات نہیں کی اس نے۔ لیکن اسی رات گلرخ سب کے سو جانے کے بعد میرے کمرے میں آ گئی۔ اس کا چہرہ جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

"رانا مسعود!" اس نے جذبات بھری آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کہو گلرخ؟"

"آپ نے سلیم کی زندگی محفوظ کر دی۔ اسے آپ نے ایک نئی زندگی دے دی۔ اس لیے نا کہ وہ آپ کا خون ہے۔"

"یہ میرا فرض بھی تھا گلرخ!"

"میرے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں بھی تو مظلوم ہوں۔ کتنا تڑپی ہوں میں۔ کیا میں بقیہ زندگی ایسے ہی گزار دوں گی؟"

"اس کے جواب میں میں تم سے صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں گلرخ!"

"کیا؟"

"بہت جلد تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ مجھ سے منسلک نہ ہو کر تمہیں فائدہ ملا ہے۔"

"مجھے پرچا رہے ہیں؟"

"نہیں، جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ٹھوس حقیقت ہے۔"

"خیر میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے اب قبول نہیں کریں گے۔ یہ ٹھیک ہے۔ کیونکہ میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔ میں تمہیں مجبور بھی نہیں کروں گی۔ مسعود! آخری بار تم سے اس سلسلے میں گفتگو کرنے آئی تھی۔"

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔" میں نے جواب دیا۔

سلیم کی سالگرہ قریب آ گئی تھی۔ رانا محل میں ایک حادثہ ہو چکا تھا۔ لیکن یہاں کے مکینوں نے اسے حادثہ تسلیم نہیں کیا تھا۔ رانا جبار جو کچھ کر بیٹھے تھے اس کے بعد ان سے ہمدردی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ چنانچہ سالگرہ پہلے سے بھی کچھ زیادہ دھوم دھام سے منانے کا فیصلہ کیا گیا اور تیاریاں شروع ہو گئیں۔ سالگرہ بڑے اعلیٰ پیمانے پر منائی گئی۔ سارا دن اور ساری رات ہنگامہ رہا تھا۔ میں بھی اس میں برابر کا شریک رہا تھا۔ دوسری رات جب سونے کے لیے لیٹا تو مجھے میری محسنہ کی آواز سنائی دی۔

"بابر! کیا کر رہے ہو؟"

"اوہ! کچھ نہیں۔ تم سناؤ اس وقت کیسے؟"

"میرے کام کا وقت اب قریب آ گیا ہے۔"

"خوب! میں تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو سنو! یہاں سے بارہ میل دور دھوراولی کا علاقہ ہے۔ جہاں کھنڈرات بکھرے ہوئے ہیں۔ کل دوپہر ٹھیک تین بجے تم سلیم کو لے کر یہاں پہنچ جاؤ۔ تمہیں اس میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

"س... سلیم کو؟" میں نے ہچکچا کر کہا۔

"میں تمہارے انداز میں کوئی ہچکچاہٹ برداشت نہیں کروں گی۔ میں نے تمہارے لیے عیش و عشرت کے دروازے کھول دیے ہیں، اور تم میرے کام میں الجھن محسوس کر رہے ہو۔ بولو کیا نہیں دیا میں نے تمہیں؟ اور کیا چاہتے ہو مجھ سے تم؟ ایک بار کہو تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔ اس کے باوجود تم۔۔۔"

"لیکن میں تمہارے کام سے انحراف نہیں کر رہا۔ بس سلیم معصوم بچہ ہے۔ اسے نقصان پہنچانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"کل ٹھیک تین بجے تم اپنا کام انجام دو گے۔" اس کے لہجے میں حکم تھا۔ اس کے بعد مجھے اس کی آواز نہ سنائی دی۔ میں سخت پریشان ہو گیا۔ دل کی حالت کچھ عجیب ہو رہی تھی۔ خود اپنی ذات کے لیے اسرار بن گیا تھا۔ کس طرح زندگی بدلی تھی۔ کیا تھا کیا ہو گیا تھا۔ کئی بار دل میں اک ہوک سی اٹھی تھی۔ یہ میری سرزمین تھی۔ میرے اپنے بھی یہاں تھے۔ اب نہ جانے کون زندہ ہو، کون مر چکا ہو۔ اگر انہیں تلاش کروں تو شاید کسی کا پتہ چل جائے۔ لیکن میں ایک انوکھے جنجال میں پھنس گیا تھا۔

اس کے بعد کا وقت سخت پریشانی کے عالم میں گزرا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن سارا دن اور ساری رات کے سوچ بچار کے بعد یہی فیصلہ نکلا کہ اس کی ہدایات پر عمل کیا جائے۔

دوسرے دل میں اپنے اس ارادے میں پختہ تھا۔ البتہ میں نے ایک فیصلہ اور بھی کیا تھا۔ اگر سلیم کی زندگی خطرے میں ہوئی اور اگر اسے کوئی نقصان پہنچا تو میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد میں نے سلیم سے کہا۔ "سلیم! تمہیں وہ باغ یاد ہے جہاں ہم گئے تھے؟"

"ہاں، کیوں نہیں؟"

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں چلیں گے۔"

"سچ؟" سلیم خوش ہو کر بولا۔

"ہاں، تمہیں وہ جگہ پسند تھی نا؟"

"بہت۔"

"تو پھر تیار ہو جاؤ۔ ہم چل رہے ہیں۔"

مجھے سلیم کا محافظ سمجھا جاتا تھا اور میرے ساتھ اس کے جانے پر کوئی غور بھی نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ کسی نے نہ پوچھا کہ میں سلیم کو کہاں لے جا رہا ہوں، میں اسے لے کر جیپ میں چل پڑا۔ دھوراولی کا علاقہ بارہ میل دور تھا۔ چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ اور دور دور تک ویران کھنڈر بکھرے ہوئے تھے۔ جب میں نے جیپ یہاں روکی تو سلیم بولا۔

"یہ کونسی جگہ ہے؟"

"آؤ تھوڑی دیر تک کھنڈر میں رہیں گے۔ دھوپ بہت تیز ہے۔ ذرا کم ہو جائے تو باغ چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے انکل!" اس نے کہا۔ میرا دل لرز رہا تھا۔ کھنڈر ویران پڑے تھے۔ دفعتاً مجھے اس کی آواز سنائی دی۔

"بابر! آ گئے تم۔"

"ہاں، میں آ گیا ہوں۔" میں نے کہا۔

"انکل! یہ کس کی آواز تھی؟" سلیم نے پوچھا۔

"تم نے سنی؟"

"ہاں، کوئی کسی بابر کو پکار رہا تھا۔ مگر آپ نے اس کا جواب کیوں دیا؟"

"آؤ سلیم! آ جاؤ۔" میں نے کہا اور معصوم بچہ میرے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔

"چلے آؤ۔ اس طرف چلے آؤ۔" میری نادیدہ دوست کی آواز ابھری اور میں آگے بڑھ گیا۔

"یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے انکل! کوئی نظر تو نہیں آ رہا۔"

"خاموشی سے چلے آؤ۔" میں نے کسی قدر کرخت لہجے میں کہا اور وہ سہم کر خاموش ہو گیا۔ آواز میری رہنمائی کر رہی تھی اور کھنڈرات کے دروں میں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی سایہ میرے آگے آگے چل رہا ہو۔ مجھے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس سایے کا محکوم ہو گیا ہوں۔ میں اس کی آواز کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہوں، اور اس آواز کی تعمیل کرنا میری سرشت بن گئی ہے۔ میں اگر چاہوں بھی تو یہاں سے بھاگ نہ سکوں۔

لیکن بھاگنا تو ویسے بھی نہیں چاہتا تھا۔ اس آواز نے میری بڑی رہنمائی کی تھی۔ اس آواز نے مجھے اس نئے ماحول میں ایک نئی زندگی بخش دی تھی۔ اور سب سے حیرتناک بات یہ تھی کہ اس نے میری جوانی واپس لوٹا دی تھی۔ ہاں، انسان خواہ کتنا ہی طویل کرے، اپنی ذات پر کیسے ہی تہذیب کے خول چڑھا لے۔ لیکن جوانی بڑی دلکش چیز ہوتی ہے اور اس کے جانے کے بعد یہ آرزو رہتی ہے کہ کاش! یہ لمحات پھر واپس آ سکتے۔ کاش جوانی پھر آ سکتی۔

لیکن مجھے تو ایک طویل زندگی مل گئی تھی۔ مجھے اپنی ذات میں جو تبدیلیاں محسوس ہوئی تھیں انہیں میں خود بھی یقین کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن بہرطور وہ حقیقت تھی۔ میں عمر کی اس منزل پر پہنچنے کے باوجود پھر سے اپنی عمر کے بہت سے سال پیچھے کی طرف لوٹ گیا تھا۔

سلیم میرے ساتھ ساتھ آ رہا تھا۔ اب اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ شاید میرے کرخت لہجے نے اسے اور بھی زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ آخر تب اس کے لیے اجنبی ہی تو تھا۔ بہرطور وہ اب تک مجھ پر اعتبار کرتا آیا تھا۔ اس لیے اس وقت بھی اعتبار کر رہا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میری نادیدہ محسنہ مجھے کہاں لے جا رہی ہے۔ بہت سے دروں اور بہت سی راہداریوں سے گزرتا ہوا میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جسے اس حویلی یا پراسرار کھنڈر کا صحن کہا جا سکتا تھا۔

یہ صحن خاصا وسیع اور عریض تھا۔ چاروں طرف محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ ایک ویران بارہ دری میرے سامنے تھی اور درمیان میں ایک چھوٹے سے چبوترے پر ایک مجسمہ ایستادہ تھا۔ میں نے اس مجسمے کو کوئی توجہ نہیں دی اور وہاں کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ تب ہی اس کی آواز ابھری۔

"بابر! یہ میرا نیا مسکن ہے۔ اس مجسمے کے نزدیک پہنچو۔" اس نے کہا۔

اور میں حیران سی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس مجسمے کے پاس پہنچ گیا۔ مجسمہ کسی عورت کا تھا۔ ایک بدہیئت اور مکروہ عورت، انتہائی گھناؤنا چہرہ۔ خوبصورت

اور سلیم اب بھی میرا دامن پکڑ کر چلا رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ "انکل واپس چلئے۔ پلیز چلئے۔ یہاں سے چلئے۔"

لیکن میرے چہرے میں اب تبدیلیاں ہوتی جا رہی تھیں۔ میرے سر کے بال کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ میری آنکھوں میں خون لہرانے لگا تھا۔

ہاں خون جس کا رنگ سرخ نہ تھا بلکہ ہلکا نارنجی تھا۔

میں نے سلیم کے سر پر ہاتھ رکھا اور اس کے ننھے ریشمی ملائم بال میری مٹھی میں آ گئے۔

"انکل!" اس کی ہولناک چیخ ابھری لیکن اب میرے دل میں اس کے لیے رحم کا شائبہ نہیں تھا۔ میں نے مضبوطی سے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے تھے۔ پھر میں نے اسے جھکایا اور طشت پر اس کی گردن رکھ دی۔

وہ تڑپ رہا تھا۔ چلا رہا تھا۔ میں نے اپنا گھٹنا اس کے پیٹ پر رکھا۔ طشت میں رکھی ہوئی تیز دھار والی چھری اٹھائی اور دوسرے لمحے یہ چھری سلیم کی گردن پر پھیر دی۔

سلیم کی گردن سے خون ابلنے لگا۔ طشت خاصا وسیع تھا۔ ابلتا ہوا خون تھا۔ اور اس ابلتے ہوئے خون کی چند چھینٹیں میرے لباس پر بھی پڑیں۔ لیکن میں اسے دبوچے رہا۔ اس کا نرخرہ کٹ گیا تھا۔ اور خون کی کلیاں بہہ رہی تھیں۔ خون طشت میں گر رہا تھا۔

لیکن میں ایک بے رحم قصائی تھا۔ ایک جانور تھا۔ درندہ تھا۔ پاگل ہو گیا تھا میں۔ میرا دماغ اس کمبخت اپسرا کے زیر اثر تھا اور مجھے اس معصوم بچے کے بہتے ہوئے خون کی ذرہ برابر پرواہ نہیں تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ مسکرا رہی ہے۔ خوش ہو رہی ہے۔

لیکن اب، اب میرے احساسات کچھ بھی نہیں تھے۔ سلیم کا پھڑکتا ہوا بدن آہستہ آہستہ سرد ہو گیا۔ اب اس نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے تھے۔

تب میں نے اسے طشت سے اٹھایا اور ایک طرف دھکیل دیا۔ طشت خون سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں تھکے تھکے سے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ چھری میں نے ایک طرف ڈال دی تھی۔ پھر اس کی منحوس آواز ابھری۔

"شکریہ بابر داد خان! اب ایک کام اور کرو۔"

"کیا؟"

"اس طشت کو اٹھاؤ اور میرے سر پر ڈال دو۔"

"تمہارے سر پر؟"

"ہاں، میرے سر پر۔ تمہارے سامنے میرا مجسمہ موجود ہے۔" اس نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔

میں نے اس طشت کو اٹھایا سر سے بلند کیا اور اپسرا کے مجسمے کو خون سے نہلا دیا۔ سفید مجسمہ خون سے تر ہو گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے اعضاء میں جنبش ہو رہی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔ میں دو قدم پیچھے ہٹ کر اس مجسمے کو دیکھنے لگا۔ خون کے قطرات سر سے پاؤں تک بہہ رہے تھے۔ لیکن ایک بھی قطرہ زمین پر نہیں گرا تھا۔ مجسمے کا پتھر ان قطرات کو جذب کر رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی تازگی دوڑتی جا رہی تھی۔ ہاں، یہ میرا وہم نہیں تھا۔ یہ صرف میرا احساس نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک حقیقت تھا۔ سو فیصدی حقیقت تھی کہ اس کے خدوخال میں تبدیلی سی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بوڑھے اور بھیانک خدوخال جو تھوڑی دیر پہلے نہایت کریہہ نظر آ رہے تھے۔ اب قدرے بہتر ہو گئے تھے۔ لیکن قدرے ان کی نحوست اور کرختگی اور نحوست اب بھی باقی تھی۔ تب مجھے اپسرا کی آواز سنائی دی۔

"تمہیں میرے لیے ایسے بہت سے کام کرنے ہوں گے۔ بابر داد خان! اس کے بعد۔ اس کے بعد میں نئی زندگی نیا حسن حاصل کر لوں گی۔ ہاں۔ مجھے وہ سب کچھ مل جائے گا جو میری ملکیت تھا۔ سمجھے تم! تم نے ہی یہ سب کچھ ضائع کیا تھا۔ اور اب تم ہی مجھے میری جوانی اور حسن واپس دو گے۔ یہ میرا فیصلہ تھا، اور اس فیصلے کے تحت میں نے تمہیں ایک نئی زندگی دی۔ ورنہ تم کیا۔ سمجھتے ہو اس ویرانے میں موجود تمہارے پیٹ کی انتڑیاں نکال کر کھا جاتے۔ تمہاری آنکھیں نکال لیتے۔ تمہارے وجود کا ایک ایک ذرہ ہڑپ کر جاتے۔ لیکن میں نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔ میرے شکر گزار ہو بابر داد خان! میرے شکر گزار ہو۔ میں نے تمہیں نئی زندگی اور نئی جوانی دی ہے۔"

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید میرا ذہن اس کے اثر سے آزاد ہوتا جا رہا تھا۔ وہ درندگی اور وہ وحشت جو تھوڑی دیر پہلے مجھ میں سرایت کر گئی تھی۔ اب ختم ہو چکی تھی۔ میرے بدن کو سردی کا احساس ہو رہا تھا۔ ہاں مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں نے خون کر دیا ہے۔ میں نے وحشیانہ انداز میں ایک معصوم بچے کو قتل کر ڈالا ہے۔ اس معصوم بچے کی لاش میرے سامنے پڑی ہوئی تھی اور اس کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"انکل۔ انکل! آپ نے ایسا کیوں کیا! آپ نے کیوں مار دیا انکل! انکل! میں نے کیا بگاڑا تھا آپ کا! انکل! انکل!"

"نہیں۔" میں وحشت سے چیخ پڑا۔ میرے چاروں طرف انکل انکل کی پکار گونج رہی تھی۔ میں نے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ آنکھیں سختی سے بھینچ لیں اور پھر وحشیانہ انداز میں نہیں نہیں کی گردان کرتا ہوا الٹے پاؤں پلٹ پڑا۔

میرے وجود میں طوفان مچا ہوا تھا۔ کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میرا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ میں نے بہت برا کیا ہے۔ بہت برا کیا ہے۔ آہ! بہت برا کیا ہے میں نے۔ بہت ہی برا کیا ہے۔

میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ باہر نکلا سامنے ہی میری جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے جیپ اسٹارٹ کی اور واپس چل پڑا۔

اب کس منہ سے رانا محل جاتا۔ میں نے رانا محل کا چراغ بجھا دیا تھا۔ ہاں، میں نے وہی چراغ بجھا دیا تھا جس کی حفاظت کے لیے میں نے رانا جبار کو قتل کر دیا تھا۔ اس وقت میں مخلص تھا۔ لیکن۔ لیکن میں تو اب بھی مخلص تھا۔ لیکن کون مانتا میری بات کو۔ اگر میں وہاں جا کر یہ کہتا کہ میں مجبور تھا۔ میں نے کسی سحر کے زیر اثر یہ سب کچھ کیا ہے ہاں، میں نے افریقہ کی خونی ملکہ کے جادو کے شکنجے میں جکڑ کر سلیم کو قتل کیا ہے۔ تو سب میرا مذاق اڑائیں گے۔ سب یہی سمجھتے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ سلیم کو قتل کرنے سے میرے کچھ اور مقاصد بھی ہوں گے۔

ہاں یہ مقاصد تو کھل کر سامنے بھی آ جاتے۔ اگر میں گل رخ سے شادی کر لیتا تو۔ اس کی تمام دولت فی الحال میرے تصرف میں ہوتی۔ لیکن یہ خدشہ ہمیشہ میرے ذہن میں رہتا کہ تھوڑے عرصے کے بعد سلیم اس کا مالک و نگران بن جائے گا۔ یہ اس کے باپ کی جاگیر تھی۔ میرا کچھ نہیں تھا۔

اول تو میں رانا مسعود کی حیثیت سے ان لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اگر ایسا کر دیتا تب بھی یہ سب کچھ میرے قبضے میں نہ آتا۔ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اب میں اس محل کی طرف رخ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

جیپ کا رخ شہر سے باہر جانے والی سڑک کی جانب ہو گیا۔ میں بس جیپ دوڑائے جا رہا تھا۔ کافی دور پہنچنے کے بعد میرے حواس کچھ بحال ہوئے۔ میرا دل اب بھی دکھ رہا تھا۔ میرے پورے اعضاء پر ایسا بوجھ طاری تھا۔ جیسے منوں بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ یا جیسے میں ساری رات اور سارا دن شدید مشقت کرتا رہا ہوں۔

کیا سوچیں گے محل والے۔ کیا سلیم کا انتظار کریں گے۔ گل رخ بے چاری کا کیا ہو گا؟ وہ واقعی بڑی مظلوم عورت تھی۔ بڑا مظلوم بچہ تھا۔ کاش وہ میرے ہاتھوں فنا نہ ہوتا۔ کاش وہ میرے ہاتھوں قتل نہ ہوتا۔ کاش۔

ضمیر کی چبھن چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ معصوم بچہ بار بار نگاہوں کے سامنے آ جاتا تھا۔ لیکن بے بس تھا۔ مجھے اس کی چبھن کو مٹانا تھا۔ میری اپنی کوئی کوشش اس میں شامل نہ تھی۔ میں تو مجبور ہو گیا تھا۔ میرے ہاتھ تو خالی تھے۔

میں سفر کرتا رہا۔ کافی دور چلنے کے بعد پٹرول کے ختم ہونے کا احساس ہوا اور میری نگاہیں پٹرول کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ کافی فاصلے پر ایک پٹرول پمپ نظر آیا تھا۔ میں وہاں پہنچا جیپ کی ٹنکی فل کرائی اور ادائیگی کر کے آگے بڑھ گیا۔

میری کوئی منزل نہیں تھی۔ بس جہاں بھی پہنچ جاتا۔ لیکن اس دیوانگی کے سفر کے بعد میں نے خود کو بمبئی میں پایا۔

میں بائی روڈ بمبئی پہنچ گیا۔ بمبئی پہنچنے کے بعد میں تھکا ماندہ اپنی رہائش گاہ میں آ گیا۔ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو کر میں نے اپنے کمرے میں پناہ لی تھی۔

ذہن کی بڑی بری حالت تھی کہ الامان الحفیظ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ ذہن پر زبردست بوجھ طاری تھا۔ اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے مجھے ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مجھے پھر وہی منحوس آواز سنائی دی۔ جسے اب میں پہچان چکا تھا۔ میں اسے اپنی نادیدہ محسنہ کہا کرتا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ میری دشمن تھی۔ میری بدترین دشمن تھی۔ ہاں اپسرا۔

اپسرا جس نے مجھے زندگی کی شدید اذیت میں گرفتار کر دیا تھا۔

"بابر داد خان! کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟"

"ہاں، میں پاگل ہو گیا ہوں۔ تم نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔ خونی ملکہ تو نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔"

"اگر تم نے یہ فضول باتیں جاری رکھیں تو پھر میں تم پر لعنت بھیج دوں گی۔ اور اس کے بعد تمہارے ساتھ جو کچھ ہو گا۔ اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"ہاں، میں تیار ہوں۔ میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔"

لے کسی چیز سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا۔ میں ذرہ برابر نہیں ہچکچاؤں گا۔ تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے وہ میری ساری زندگی کے لیے کافی ہے۔ میں اپنے ضمیر کی اس خلش کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔ مجھے آخر اس معصوم بچے نے تمہارا کیا بگاڑا تھا، بولو، جواب دو۔ تم نے اس معصوم بچے کو زندگی سے کیوں محروم کر دیا؟" میں ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔

"بابر داود خان! مجھے جو کچھ جیتنا تھا ہے اس کا حصول میرے لیے بہت ضروری ہے۔ اگر میں نے یہی نئی زندگی نہ پائی تو میں بھی تمہاری طرح موت کی آغوش میں جا سوؤں گی۔ اور اذیت کا شکار رہوں گی۔ مجھے حیاتِ ابدی کے حصول کے لیے یہ سب کچھ کرنا ہے۔ اور اس کے ذریعے جو کچھ تم ہو اس لیے تمہیں بھی میری مقصد براری کے لیے عمل کرنا ہے۔" اس نے کہا۔

"خدا کے لیے، خدا کے لیے مجھے معاف کر دے۔ میں تیرے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے جو کچھ کر دیا ہے وہی میری باقی زندگی کے لیے کافی ہے۔"

"بھلا دو ان تمام باتوں کو بھلا دو بے وقوف انسان زندگی کی لطافتوں سے لطف اندوز ہو۔ میں تجھے بھی منتقل کر دوں گی۔ دیکھو تمہیں اتنا باحوصلہ دشمن ملنا ناممکن ہے۔ تم نے مجھ سے میری حکومت کیوں چھینی، کیوں لگتے تھے اس بے وقوف فرعون زادے کے پاس میری سرکوبی کے لیے۔ تم نے میرے قتل کے لیے سلطان کا ساتھ دیا اور جب میں قتل ہو گئی تو میرا ساتھ تم نہیں دے سکے۔ تم نے مجھے کیوں تباہ کیا؟ اس بچے کی موت کے لیے تم اتنے افسردہ ہو اور میری جو صدیوں کی کاوشیں اور صدیوں کی زندگی تم نے چھینی اس کا کوئی احساس تمہارے دل میں باقی نہیں ہے۔"

"تم — تم غلیظ عورت، جادوگرنی ہو، تم خونی ہو، نہایت کریہہ عورت ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے، میں جو کچھ بھی ہوں۔ بہرطور انسان ہو تم میرے دشمن بن کر کیوں آئے؟ تم نے مجھے فنا کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچا کہ تم کسی کو تباہ کر رہے ہو؟"

"میں اپنے لیے نہیں تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"کس کے لیے بھی سہی۔ سلطان تمہارا کون تھا؟ اس سے تمہارا کیا واسطہ تھا؟ ایک غیر آدمی کا بیٹا، ایک غیر شخص کی اولاد صرف کیوں اس کے لیے سربکف ہو گئے کہ میری تباہی کے لیے چل پڑے۔ تم اسی کے مستحق ہو بابر داود خان! اور مجھے اس کی

لو اگر تم نے میرے احکامات کی تعمیل نہ کی تو میں تمہیں اس طرح ناامید کر دوں گی کہ تم موت کو ترس جاؤ گے۔ ہاں، میں تمہیں موت نہیں دوں گی بابر داود خان! میں تمہیں ایسی اذیتیں دے کر ماروں گی کہ تم یاد رکھو گے زندگی بھر۔"

"دیکھو اسپرا! مجھے معاف کر دو۔ میں نے جو کچھ کیا حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کیا تھا۔ سلطان سے مجھے بہت محبت تھی۔ میں نے بچپن سے اسے پروان چڑھایا تھا۔ اس کی خواہش کے سلسلے میں مجبور ہو گیا تھا۔ میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ تم کسی اور کو اس کام کے لیے منتخب کر لو۔ مجھے رہا کر دو۔ جس حالت میں بھی ہوں سکون سے رہوں گا۔ لیکن تمہارے لیے اب میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ تمہیں وہی سب کچھ کرنا ہوگا جو میں چاہتی ہوں۔ اب اٹھو اور کسی بار میں چلے جاؤ۔ تم شراب پی کر کافی سکون محسوس کرو گے۔ شراب ہی تمہارے ذہنی سکون کا حل ہے۔ مجھے! میں تمہیں ایک دوست کی حیثیت سے مشورہ دے رہی ہوں۔ مجھے اس بات پر آمادہ نہ کرو کہ میں تمہاری دشمن بن جاؤں۔"

"شراب —" میرے ذہن میں شراب کی ہلکی سی خواہش بیدار ہو گئی۔ واقعی میں اس وقت خود کو بھول جانا چاہتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں شراب کا سہارا لوں۔ گر انگم اس وقت اس نے یہ بات بہتر کہی تھی۔

دفعتاً میرے ذہن میں ایک خیال گزرا اور میں نے اس سے کہا۔

"مادام اسپرا، تم اپنی یہ نئی زندگی لے کر اب کہاں جاؤ گی؟ کیا کرو گی اس طویل و عریض زندگی کا؟ کیا تمہیں زندگی سے اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی؟"

"فضول باتیں کرتے ہو، جذباتی ہو رہے ہو۔ زندگی کھونے کی چیز نہیں ہے۔ بستر مرگ پر پڑے ہوئے سو سالہ بوڑھے سے سوال کرو کہ اس کی آخری خواہش کیا ہے تو وہ جواب دے گا کہ اسے زندگی دے دی جائے۔ اس زندگی اتنی ہی قیمتی چیز ہے، اتنی ہی حسین شے ہے۔ تم جس چیز سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہو، اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ ختم ہونے والی ہے۔ موت اگر تمہاری شہ رگ کے قریب پہنچ جائے تو تم زندگی مانگو گے۔ اس وقت تم اپنے سارے افکار و خیالات بھول جاؤ گے اور تمہارے دل میں صرف ایک ہی آرزو ہوگی۔ کاش، کاش تم زندہ رہتے۔ انسان تصور کر

دیتا ہے۔ لوگ خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر وہ صرف ایک جذباتی لغزش ہوتی ہے۔ اگر اس لغزش سے ایک لمحہ بھی انہیں سنبھلنے کا مل جائے تو موت کی بجائے زندگی کی آرزو کریں۔ چنانچہ موت کو اتنا آسان نہ سمجھو، موت بہت ہولناک چیز ہے۔ میں بھی زندگی کی خواہاں ہوں۔ رہی سلطان کی بات تو سنو! میں تمہیں یہ بتانا پسند کروں گی کہ سلطان ابھی زندہ ہے۔"

"کیا؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں، وہ زندہ ہے۔"

"بکواس — کہاں ہے وہ؟"

"یہ سوال غیر ضروری ہے۔ بس تمہارے لیے اتنا جاننا کافی ہے کہ وہ زندہ ہے۔ پروفیسر رازی بھی زندہ ہے۔ ریزل بھی زندہ ہے اور وہ شخص جس نے میرے خلاف ایک طویل محاذ بنایا تھا، وہ بھی زندہ ہے۔ وہ سارے کردار بھی موجود ہیں۔ لیکن مجھے ان میں سے کسی سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں اپنے دشمن ملکہ نالا سے انتقام تو لوں گی لیکن مناسب وقت آنے پر۔ میں اس کے لیے ایک ایسا جال بچھاؤں گی کہ وہ ہمیشہ کے لیے کسی مکھی کی طرح اس میں آ پھنسے۔ میں نے کسی کو معاف نہیں کیا ہے۔ اور — بابر سلطان تو سلطان میرے تحفظ میں ہے۔ میں اس کی حفاظت کر رہی ہوں، تم نہیں جانتے، تم نہیں جانتے وہ میرا صدیوں کا پیار ہے۔ ہاں، بابر داود خان! میں ہزاروں سال سے اسے چاہتی ہوں، اب سے بہت پہلے — بہت پہلے — بہت پہلے وہ ایک بار میرے سامنے آیا تھا۔ یہ ہزاروں سال قبل کی بات ہے۔ میں نے اسے دیکھا اور جی جان سے اس پر فریفتہ ہو گئی لیکن وہ میری ملکیت نہیں تھا۔ میں نے اس عورت کو قتل کرا دیا جس نے مجھ سے پہلے اس پر تسلط قائم کر رکھا تھا اور اس کے بعد وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا۔

جب مجبوراً مجھے اسے بھی موت کی نیند سلانا پڑا لیکن میں جانتی تھی کہ وہ آئے گا۔ وہ پھر دنیا میں آئے گا۔ اس کی اولادیں میرے قتل کا منصوبہ بنا کر مجھ تک پہنچتی رہیں لیکن یہ وہ حقیقت مجھے تو اس کا انتظار تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد وہ آیا۔ لیکن میرے اس دشمن کی حیثیت سے۔ بابر داود خان! اب میں اس دشمنی کو دوستی میں بدلنا چاہتی ہوں۔ اس نے، تم نے اسے مجھ سے چھین لیا۔

میری مملکت سے محروم کر دیا، میری حکومت مجھ سے چھین لی جائے گی میں شدید بحران کا شکار ہو گئی، لیکن اس کے باوجود میں ان سب سے پیار کرتی ہوں۔ سلطان میرا مرکز ہے۔ میں نے اس کے اجداد میں سے ایک کو چاہا تھا۔ لیکن اب وہ — اب وہ میرے سامنے پھر آگیا ہے۔ میں اسے بے پناہ پیار کرتی ہوں۔ میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔ تم دیکھو گے بابر داود، وہ میری ملکیت ہوگا۔ وہ اپنا انتقام بھی بھول جائے گا۔ مجھے اس سے زیادہ کچھ تم سے نہیں کہنا ہے۔ میں جا رہی ہوں۔ جاؤ تم بھی شراب سے دل بہلاؤ۔ یہی تمہارے غم کا مداوا ہے۔" آواز بند ہو گئی۔

میں گم سم بیٹھا تھا۔ کافی دیر تک اس کی آواز میرے کانوں میں سائیں سائیں کرتی رہی۔

سلطان زندہ ہے۔ لیکن وہ کہاں ہے، آہ وہ کہاں ہے؟ کاش وہ مجھے مل جائے۔ مجھے اس سے بے پناہ محبت تھی۔ میں اسے بہت چاہتا تھا۔ اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اسے لے کر مصر چلا جاؤں۔ سیدھا مصر پہنچ کر اپنے اس پرسکون ماحول میں چلا جاؤں ورنہ مجھے آخری سانس تک اس کا انتظار کروں۔

مجھے نہیں چاہیے تھی یہ جوانی، ایسی جوانی جو دوسروں کو قتل کر کے حاصل ہو۔ مجھے نہیں چاہیے تھی یہ زندگی۔ جب کچھ نہ بن سکا تو میں اٹھا، باہر نکلا اور ٹیکسی میں بیٹھ کر بار کی جانب چل پڑا۔

بار پہنچ کر میں نے شراب طلب کی اور پھر خود کو شراب میں غرق کر دیا۔ درحقیقت شراب نے میرے ذہن کو سکون بخشا تھا۔ اس کا مشورہ بھی غلط نہیں تھا۔

جب ذہن ہلکا پڑا تو بہت دیر کے بعد میرے ذہن کا تسلط کچھ کم ہوا تو میں نے اس قتل کے بارے میں دوسرے انداز سے سوچا۔

سلیم میرے ساتھ کافی دور تک گیا تھا۔ یہ بات سب کو معلوم تھی۔ رہا مسعود کی حیثیت سے میں وہاں جانا پہچانا جاتا تھا۔ اگرچہ میں یہاں سے جانے کے بعد خود کو اپنے ہی ماحول میں ضم کر لوں اور بابر داود خان کہلاؤں تو وہ لوگ مجھے تلاش نہیں کر سکیں گے لیکن ہمارے درمیان ایک ایسا شخص موجود تھا جیسی واحد — وہ واحد شخصیت تھی جو مجھے بحیثیت مسعود کے جانتی تھی۔ جسے علم ہو جائے گا کہ میں نے سلیم کو قتل کر دیا اور اس کے بعد وہ مجھے باآسانی پہچان سکتی ہے

"یہ تو تمہاری اچھائی ہے ایبسلوٹ خان تمہاری شرافت ہے یہ تمہارے لئے ہو۔" "نہیں تم ان کے لئے مجبور نہیں۔" کوشل نے کہا۔

"مگر میں تو ان میں سے کسی کو بھی اپنے لئے مجبور نہیں سمجھتا تم مجھے بتاؤ کون سی ایسی خواتین ہیں جو ضرورت سے زیادہ میرے ساتھ دیکھی جاتی ہوں یا جنہیں میں نے خاص اہمیت دی ہو۔"

میں نے جواب دیا۔

"یار سچی بات تو یہ ہے کہ تم خود ہی ان کے لئے پُرکشش ہو تم ان تمام باتوں کا کوئی خاص مقصد نہ اخذ کرنا بابر بس میں تمہارے بارے میں سب کچھ جاننے کے لئے یہ سوالات کر رہا ہوں۔"

"ہاں، ہاں کوئی حرج نہیں ہے میں اس بات کو برا نہیں محسوس کرتا۔" میں نے جواب دیا۔

"تم شادی شدہ ہو؟" کوشل نے سوال کیا۔

"نہیں۔"

"اور اہل خاندان میں کون کون ہے تمہارے ساتھ؟"

"کوئی نہیں ہے تنہا ہوں۔"

"کمال ہے ہر چیز انوکھی اور نئی ہے بابر مجھے یہ بتاؤ کہ کوئی عورت تمہیں صحیح معنوں میں متاثر کیوں نہیں کر پائی ہے؟"

"بس اس پر توجہ نہیں دی ہے۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی کوئی گھاؤ ہوگا سینے میں، کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جو تمہارے وجود میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا کئے ہوئے ہے تم اس دنیا سے بیزار سے نظر آتے ہو تمہیں دلچسپی نہیں لیتے ان سارے معاملات میں گھوڑے کھیلتے ہو اس میں کوئی شک نہیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے گھوڑے تمہارے اشارے پر چلتے ہوں ایسے ایسے پل گھوڑے جنہوں نے کبھی کوئی ریس جیت کر نہیں دی جب تم ان پر داؤ لگا دیتے ہو تو اس میں ایسی زندگی دوڑ جاتی ہے جیسے وہ نئے سرے سے پیدا ہوا ہو یہ ساری باتیں ہیں لیکن تمہارے اندر وہ زندگی اور وہ جولانی کیوں نہیں ہے جو نوجوانی کا خاصا ہوتی ہے؟"

"کوشل تم میرے بارے میں خواہ مخواہ جذباتی ہو رہے ہو ایک عام سا آدمی ہوں کوئی اہمیت کوئی خاصیت نہیں ہے مجھ میں اب اس اتفاق کو میں کیا کروں کہ وہ گھوڑے جیت جاتے ہیں جن کو میں بھی ناکارہ سمجھ کر لگاتا ہوں اچھا یوں کرو آج تم جس گھوڑے کو کہو میں لگا دوں۔"

"ہوں وعدہ۔" کوشل نے کہا۔

"ہاں۔"

"تو پھر فلائنگ کنگ پر آج داؤ لگاؤ یہ گھوڑا لوگوں کی توقع کے مطابق جیت جاتا ہے لیکن مقابلہ ریس میں فلائنگ کنگ کے ساتھ جو گھوڑے دوڑ رہے ہیں وہ سب ہی نامی گرامی گھوڑے ہیں اور فلائنگ کنگ کی حیثیت بہت مشکوک ہو گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے یہ رقم لو میری طرف سے جاؤ اور فلائنگ کنگ پر لگا دو۔"

میں نے نوٹوں کی چند گڈیاں نکال کر اسے دے دیں کوشل ہنسنے لگا تھا۔

"میں جانتا ہوں وہ جیت جائے گا۔" اس نے کہا۔

"لگا دو۔ لگا دو میں خود بھی نہیں لگا رہا۔" میں نے کہا اور کوشل خاموش ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد ہم اٹھ گئے پہلی ریس شروع ہونے میں چند منٹ باقی تھے۔ گھوڑے ٹریک پر پہنچ چکے تھے اور جوائنٹ پر چلے گئے تھے میں نے اس ریس میں کوئی گھوڑا نہیں لگایا میں جس طرف سے بھی گزرتا تھا لوگوں کا جم غفیر میرے پیچھے ہوتا تھا ہر شخص یہ جاننے کی کوشش کرتا تھا کہ کون سا گھوڑا میں نے لگایا ہے۔

اس وقت بھی لوگ اسی توقع میں میرے پیچھے پیچھے چل رہے تھے لیکن میں آرام سے جا کر انکلوژر میں اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا کوشل میرے ساتھ تھا کوشل نے بھی میری تقلید میں ریس نہیں کھیلی تھی دوسری ریس میں اس نے پوچھا۔

"بابر کوئی گھوڑا کھیلنا ہے۔"

"آج کا کھیل تمہارے ذمے ہے کوشل جیسا تم پسند کرو۔" میں نے کہا۔

"تو پھر کیا خیال ہے اس ریس میں ہم بٹر فلائی کو لگا دیں؟"

"لگا دو۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہاری طرف سے بھی کچھ لگانا ہے؟"

"ہاں۔ ہاں میری طرف سے بھی لگا دو۔" میں نے جیب سے ایک نوٹوں کی گڈی نکال کر کوشل کو دے دی کوشل جا کر گھوڑا لگا آیا۔ میری دیکھا دیکھی بہت سے لوگوں نے بٹر فلائی پر رقم لگائی اور نتیجہ وہی ہوا کہ بٹر فلائی جیت گیا تھا۔

جیکی میرے سلسلے میں ہمیشہ پریشان رہتے تھے اور کتراتے تھے کیونکہ میں نے کھلوا دیے تھے ریس کورس میں کم از کم جیکی کو بھی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے کوشل گھوڑا لگا کر آ گیا ہوا

تھا دفعتاً ایک حسین و جمیل خاتون میری جانب بڑھیں اور بڑی بے تکلفی سے بولیں۔

"ہیلو بابر!"

"ہیلو۔" میں نے اجنبی نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اجازت ہو تو بیٹھ جاؤں تمہارے پاس۔؟"

"تشریف رکھئے۔ یہ میری عزت افزائی ہے۔"

"بابر کوشل؟"

"ہاں۔"

"کون سا گھوڑا کھیل رہے ہو؟"

"یہ تو یہی جانے۔"

"تم نے اسے ٹپ نہیں دی؟"

"نہیں میں کسی کو کوئی ٹپ نہیں دیتا۔"

"مجھے تم سے صرف اتنی شکایت ہے کہ کئی ہفتوں سے کھیل رہی ہوں لیکن ایک ریس بھی نہیں جیتی۔"

"تم اچھی طرح سے کھیلو میں تم سے ناواقف ہوں۔"

"میرا نام میری ہے۔ جان میری۔"

"شکریہ میری۔ میرا نام تو تم پکار چکی ہو اس لئے اپنا تعارف کرانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

"تم ریس کے شہنشاہ ہو۔"

"شاید ایسی بات ہو۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"پلیز مجھے بتاؤ اس ریس میں تم کون سا گھوڑا کھیل رہے ہو؟"

"کوشل سے پوچھ لینا۔"

"او بہر حال جانے دو۔ میں کوشل کا تعاقب کروں۔"

"جیسا تم پسند کرو۔" میں نے جواب دیا۔ اور وہ اٹھ کر واپس چلی گئی۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی کیسے بے وقوف ہیں یہ لوگ معاملہ کی بات پہ بھی کرتے ہیں وہ اپنے طور پر کوئی کوشش نہیں کرتے تھے میں جانتا تھا کہ ایشور مجھ پر مہربان ہے اور وہ میرے لئے بہت کچھ کر رہا ہے درحقیقت خاصی دولت جمع ہو چکی تھی ریس کھیل کھیل کر میرے پاس اور میرے تحفظ، عیش و آسائش کی آسائشیں بکھر گئی تھیں لیکن سلیمہ کے قتل کے بعد مجھے کچھ سا ہو گیا تھا میں اس معصوم بچے کی چیخوں کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔

میرے سامنے ہی ہم بیٹھے ایک بوجھ سا ستا رہا تھا شراب پی لیتا تو یہ بوجھ تھوڑی دیر کے لئے رفع ہو جاتا تھا لیکن اس کے بعد پھر وہی احساس پھر وہی عجیب سا کرب میری ذات پر مسلط رہتا ابھی تک میرے سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی پتہ نہیں اس محل کے مکینوں پر کیا گزری۔ پتہ نہیں میرے بارے میں کس نے کس انداز سے سوچا لیکن ابھی تک مجھ پر کوئی ضرب نہیں آئی تھی۔

میں وہاں بیٹھا سوچ رہا تھا دفعتاً میری نگاہ ایک بوڑھے آدمی پر پڑی وہ اس خیال میں تھا کہ ریس کھیلتا۔ داڑھی سفید تھی بھنوؤں کے بال تک سفید تھے عمر اسی بیاسی سال کے درمیان ہوگی لیکن پتہ نہیں کیوں ریس کھیلنے آ جاتا تھا اس سے پہلے بھی ایک دو بار میری نگاہ اس پر پڑ چکی تھی بڑا بجھا بجھا سا لگتا تھا معمولی قسم کے کپڑے پہنے ہوتا تھا اور جب اس کا گھوڑا ہار جاتا تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی غم کی کیفیت نظر آتی۔

ایک دو بار میں نے اس پر غور کیا تھا لیکن ظاہر ہے اس قابل نہیں تھا کہ اس پر توجہ دی جاتی آج وہ میرے سامنے کے حصے میں خاموشی سے کھڑا ہوا حسرت بھری نگاہوں سے گھوڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً کوشل کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"بابر لوگ وزی کنگ پر لگا رہے ہیں بٹر فلائی پر کسی نے توجہ نہیں دی حالانکہ اچھا گھوڑا ہے۔"

"جو جس پر لگا رہا ہے لگانے دو کوشل تم بٹر فلائی پر لگا آئے؟"

"ہاں۔" کوشل نے جواب دیا وہ میرے نزدیک آ کر بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد ریس شروع ہو گئی ریس شروع ہونے سے چند ساعت قبل میری پھر میرے پاس آ گئی تھی کوشل نے اسے دیکھ کر مسکراتی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس نے کہا۔

"مس جان میری بھی بٹر فلائی پر لگا کر آئی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسا انہوں نے مناسب سمجھا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تم نے بھی بٹر فلائی پر لگایا ہے نا کوشل؟"

"بعض باتیں صیغہ راز میں ہی رہنی چاہئیں۔" کوشل نے جواب دیا اور میری مسکرانے لگی اس نے کچھ نہیں کہا تھا تھوڑی دیر کے بعد ریس ختم ہو گئی لیکن حیرت انگیز طور پر اس ریس میں ایک اور گھوڑا جیت گیا تھا جس کا نام بلیک شرٹ تھا میں نے اس بارے میں کوئی توجہ نہیں دی۔ جان میری کا چہرہ بجھ گیا لیکن کوشل مسکراتے ہوئے میرے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" مرزا تصور بیگ نے مسرت آمیز انداز میں کہا۔ کورشل پھر میرے پاس آ گیا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار معاف کرنا تمہارے سلسلے میں رقابت کا شکار ہو جاتا ہوں۔ جان میری میرے پاس بیٹھی تھی تو مجھے غصہ آ رہا تھا اور یہ بڑے میاں لیکن مجھے یہ احساس ہو گیا کہ میں غلطی پر تھا۔"

"شکریہ۔ کورشل تمہیں یہ احساس ہو گیا اچھی بات ہے۔"

"کوئی اور گھوڑا بتا رہے تھیں۔"

"ابھی نہیں لیکن اگلی ریس میں، میں اسے گھوڑا ضرور بتاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"اور اس غلام کو بھی۔" کورشل نے کہا۔

"ٹھیک ہے" میں نے کہا۔ "لیکن اتنی رقم لگا کر کورشل کو آئندہ بھی ریس کورس میں داخل ہونے دیا جائے۔"

"ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں اس بات کو ویسے لوگ میری اور تمہاری قربت کو پسند نہیں کرتے۔"

"لوگوں کی باتیں جانے دو۔" میں نے جواب دیا اور کورشل خاموش ہو گیا۔ دوسری ریس شروع ہوئی میں نے گھوڑوں کو دیکھا اور پھر ایک گھوڑے پر میری توجہ مرکوز ہو گئی۔ خاصا اچھا گھوڑا تھا اور اسے جیتنا چاہیے تھا۔ میں نے مرزا تصور بیگ کو اس گھوڑے کا نام بتا دیا اور مرزا تصور تقریباً سات ہزار روپے جیت گئے۔

آخری اور لوکل ریس میں بھی میں نے مرزا تصور کو گھوڑا بتایا اور مرزا تصور کی حالت خراب ہونے لگی۔ اب ان کے پاس کچھ ہزار روپے موجود تھے۔ پھر گیارہویں اور آخری ریس میں میں نے اپنا پسندیدہ گھوڑا کھیلا۔ اس گھوڑے پر مرزا تصور بیگ نے تقریباً پچاس ہزار روپے لگائے تھے اور جب وہ جیت کر آئے تو ان کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔

تقریباً نوے ہزار روپے ان کے پاس موجود تھے۔

"کہیے مرزا صاحب آپ کا کام ہو گیا۔"

"ہاں۔ ہاں۔" انہوں نے بھرائے ہوئے سے لہجے کے ساتھ کہا اور پھر کہنے لگے۔

"ایک اور احسان کرو گے مجھ پر؟"

"جی فرمائیے۔"

"مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ میں اپنے قدموں سے چل کر نہ جا سکوں گا۔" بے بسی آ گئی لیکن میں اس بوڑھے کی کیفیت سمجھتا تھا۔ کورشل بھی میرا ساتھ چاہتا تھا لیکن میں نے اس سے معذرت کر لی اور مرزا تصور بیگ کو ان کے گھر لے چلا۔ میری گاڑی مرزا تصور بیگ کے بتائے ہوئے راستوں پر جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ایک چھوٹے سے بوسیدہ مکان کے سامنے پہنچ گیا۔

"یہ مکان بہت معمولی ہے بیٹے لیکن اگر پسند کرو تو میرے ساتھ ایک کپ چائے پی لو۔"

"ضرور۔" میں نے جواب دیا۔ گھر کے ماحول کو میری آنکھیں ترس گئی تھیں۔ میرا اپنا گھر بھی تھا لیکن وہاں صرف ملازم تھے۔ یہاں ایک محبت کرنے والا گھرانہ منتظر تھا۔ مرزا تصور بیگ اندر پہنچ گئے تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور مجھے اس کمرے میں بٹھا دیا۔ معمولی سا فرنیچر تھا لیکن سلیقے سے آراستہ پھر میرے پاس ایک بزرگ خاتون آئیں اور میں نے انہیں سلام کیا۔

"جیتے رہو بیٹے کیسے ہو خیریت سے تو ہو بیٹا۔"

"جی آپ کی دعا ہے۔" بزرگ عورت عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"بیٹے مرزا صاحب ابھی مجھے بتا چکے ہیں کہ آج وہ کیا کر کے آئے ہیں، ہمیں نے کبھی ان کے ان مشاغل کو پسندیدگی کی نگاہوں سے نہیں دیکھا اور پھر اس عمر میں تو آدمی اللہ اللہ کرتا ہے لیکن جوانی کے بگڑے ہوئے ہیں کہاں سدھرتے تمہیں دیکھ کر مجھے عجیب سا احساس ہوا ہے ایک عجیب سا احساس۔"

"کیا۔ میں نہیں سمجھا۔؟"

"تمہاری شکل کا ایک اور آدمی بھی دیکھ چکی ہوں لیکن یہ میرے بچپن کی بات ہے۔ بس اس کی تصویر میری نگاہوں میں رہ گئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔ کون تھا وہ۔؟"

اس کا نام بابر داد خان تھا۔ بزرگ خاتون نے بتایا اور میرے بدن میں جھنجھناہٹ سی پیدا ہو گئی۔ میں تحیر آمیز نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا پھر میں نے کہا۔

"کون بابر داد خان تھا، کہاں کا رہنے والا تھا!" اور جواب میں انہوں نے جو کچھ بتایا اس نے میرے ہوش و حواس چھین لیے۔ یہ میرے ہی گھر میرے ہی خاندان کا تذکرہ تھا۔ میں چند لمحات سوچتا رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے، یہ خاتون میرے لیے بالکل اجنبی تھیں میں انہیں نہیں پہچانتا تھا لیکن یہ میرے باپ کا تذکرہ کر رہی تھیں۔

"پورا نام کیا تھا۔ اس شخص کا۔ جو مجھ سے مشابہ تھا؟"

"ملک بابر داد خان۔"

"آپ کا اس سوال سے کیا تعلق تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"میں رشتے میں اس کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ میرا نام رابعہ

خاتون نے جواب دیا اور ماضی کے دریچے میرے سامنے کھلتے چلے گئے۔ رابعہ مجھے یاد تھی میری پھوپھی زاد بہن تھی۔ بچپن میں ہم لوگ کافی ساتھ رہے تھے لیکن رابعہ سے مجھے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔

میں تو اپنے ددھیال کے تمام افراد سے نفرت کرتا تھا۔ ملک خداداد خان نے یہ نفرت میرے دماغ میں بٹھا دی تھی میری ماں کے ساتھ اس حویلی میں جو سلوک ہوا تھا اور میرے ننھیال کے ساتھ ملک صاحب نے جو جو کارروائیاں کی تھیں۔ انہوں نے مجھے ملک خاندان سے بالکل بد دل کر دیا تھا۔

میرے بہت سے بہن بھائی تھے۔ پتہ نہیں کہاں، اب اس وقت کہاں ہو۔ کیا کر رہا ہو، یہ مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ دل میں بارہا یہ آرزو جاگی تھی کہ ان لوگوں سے ملوں ان کا اندازہ لگاؤں ان کا جائزہ لوں لیکن پھر دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ میں اب ان کے درمیان جا کر کیا کرتا اور آج میرے خاندان کی ایک خاتون میرے سامنے آ گئی تھیں تو مجھے مسرت ہو رہی تھی لیکن دوسرے لمحے میں نے خود کو سنبھال لیا اگر میں اظہار کر دیتا کہ میں ہی ملک بابر داد خان ہوں تو کیا وہ یقین کر سکتی تھیں، وہ مجھے بیٹا بیٹا کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں جبکہ عمر میں وہ مجھ سے کئی سال چھوٹی تھی۔

ہاں رابعہ مجھ سے کئی سال چھوٹی تھی۔ بچپن میں وہ دو چار بار۔۔۔ میرے ساتھ کھیلی بھی تھی لیکن یہ بالکل بچپن کی بات تھی۔ میرے ذہن میں اس کے لیے کوئی خاص بات نہیں تھی اور آج وہ مرزا تصور بیگ کی بیوی تھی۔ ایک بوڑھی اور کسمپرسی کا شکار خاتون۔ ملک کے لیے تو میرے ذہن میں بہت سی لہریں ابھری تھیں۔ بے اختیار یہ سوالات ذہن میں سر ابھارنے لگے تھے کہ پوچھوں تو سہی کہ ملک خداداد خان کی حویلی کا کیا حال ہے لیکن میں نے خود کو قابو میں رکھا اور فوری طور پر یہ تمام باتیں بتانا مناسب نہ سمجھیں۔

اس کے لیے مجھے بہت کچھ سوچنا تھا۔ اپنی عمر کا تعین بھی کرنا تھا۔ کون یقین کر سکتا تھا کہ میں بابر داد خان ہوں۔ ایک نوجوان کچھ عرصہ پہلے۔ بابر داد خان کو تو بوڑھا ہونا چاہیے تھا۔ میری کہانی خواہ مخواہ مشکوک ہو جاتی چنانچہ میں نے خود کو سنبھال لیا تھا لیکن گہری سانس لے کر کہا۔

"خوشی کی بات ہے۔ بہر طور ایسے اتفاقات ہوتے رہتے ہیں۔ شاید تمہاری بات کو خواہ مخواہ ہی مجھ سے جوڑ کر میں اپنے ہی میرا بچھڑا ہوا کوئی رشتہ نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں کچھ تصویریں دکھا دوں۔"

"ضرور ضرور۔ مجھے خوشی ہو گی۔" میں نے کہا۔

"بعض کہاں کی بات لے کر بیٹھ گئی ہو بیگم تمہیں تو ہر وقت اپنے خاندان ہی کی سوجھتی ہے ممکن ہے بابر داد خان۔" دفعتاً مرزا تصور بیگ چونک پڑے۔ ان کی آنکھیں متحیرانہ انداز میں پھیل پڑی تھیں۔

"رابعہ کیا نام بتایا تھا تم نے اپنے خاندان کے نوجوان کا۔"

"بابر داد خان۔" بزرگ خاتون نے جواب دیا اور مرزا تصور بیگ پھر حیرت سے مجھے دیکھنے لگے پھر انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا یہ صرف اتفاق ہے بابر صاحب۔"

"ہاں۔ مجھے بھی سن کر ہنسی آ رہی ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔؟" رابعہ بیگم نے پوچھا۔

"اتفاق سے ہمارے اس محسن، ہمارے اس دوست کا نام بھی بابر داد خان ہی ہے۔"

"کیا واقعی۔" رابعہ بیگم چونک کر بولی تھیں۔

"ہاں خاتون یہ صرف اتفاق ہے کہ میری شکل آپ کے خاندان کے ایک فرد سے ملتی جلتی ہے اور میرا نام بھی

"واقعی یہ تو تعجب کی بات ہے۔ بابر داد خان بیٹے تم کہاں کے رہنے والے ہو۔؟"

"بس خدا کی زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ ویسے میں ابھی میں رہتا ہوں۔"

"اس سے پہلے کہاں رہتے تھے؟"

"بمبئی میں۔" میں نے جواب دیا۔

"گویا بھلا بھی بمبئی میں ہی رہتے ہو؟"

"جی ہاں بس یہی سمجھ لیجئے۔"

"پھر تو واقعی میں تو یہی سمجھی تھی کہ ممکن ہے تم میرے بزرگ خاندان کے کوئی فرد ہو۔ شکل ملتی ہے تو ممکن ہے نام پیچھے ملک بابر اور پھر داد خان۔"

"ہوں۔ آپ کے پاس تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔" میں نے کہا۔

"ضرور۔ میں تمہیں تصویریں دکھاتی ہوں۔" رابعہ بیگم نے کہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا ایک البم لے آئی تھیں۔ سنبھالے ہوئے تھا۔ بیگم آتی... رابعہ خاصی قدیم زمانے کی تھی۔ میرے ان خاندان کی تھی۔ آنکھیں جھلکی ہوئی تھیں۔ چہرہ و نقش خاصا کشش تھا سے جاری ذہنیت کی ماری تھی۔ اور ان کے چہرے سے ٹپک رہا تھا۔ وہ بھی بہت معمولی سا تھا۔

اعلیٰ طور پر پہلے پریشان کن حالات سے گزر رہی ہو

پر بھی بس اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہوں گی۔"

آواز بند ہو گئی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ واقعی اس سے گفتگو کرنے سے ذہنی تکدر دور ہو گیا تھا بہت ہی بڑا بوجھ میرے ذہن سے ہٹ گیا تھا۔ پھر میں نے گہری سانس لے کر سوچا کہ آئندہ اب اس سلسلے میں پریشان نہیں کروں گا۔ ہاں جب کبھی میرے احساسات جاگے تو خود کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ اور اس کے تعاون سے زندگی کی تمام تر دلچسپیاں حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔

دوسرے دن حسب وعدہ گیلارڈ میں پہنچ گیا۔ ابھی چند ہی لمحات ہوئے تھے گیلارڈ میں داخل ہوئے کہ میں نے دروازے سے کوتیا کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہلکے بلیو کلر کی ساڑی میں وہ قیامت لگ رہی تھی میں نے بے شمار نگاہیں اس کی جانب اٹھتی ہوئی دیکھی تھیں۔

میک اپ سے بے نیاز چہرہ لمبے گھنے بال، در حقیقت وہ دیکھنے کے قابل لڑکی تھی نگاہیں اسی کا تعاقب کر رہی تھیں، اس نے بھی مجھے دیکھ لیا ہم دونوں ایک کیبن میں داخل ہوئے تو بہت سی ٹھنڈی آہیں ہمارے کانوں میں گونج اٹھیں، کوتیا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی کیبن کا پردہ کھینچ کر ہم دونوں اطمینان سے بیٹھ گئے۔

"بڑی مشکل ہے بابر صاحب انسان کا گھر سے نکلنا دوبھر ہو گیا ہے۔"

"یہ بات نہیں یہ مشکل تو آپ نے ان لوگوں کے لئے پیدا کی ہے کوتیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نے کیوں؟"

"اتنی خوبصورت رنگ کی ساڑھی اور ایسے خوبصورت کھلتے ہوئے رنگ پر لوگ پریشان نہ ہوں گے تو کیا ہوگا۔" وہ آہستہ سے ہنس پڑی تھی۔ پھر ہم دونوں دنیا جہان کی باتیں کرنے لگے اور اپنا مسئلہ بھی زیر غور آیا کوتیا نے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کہی تھی بس گردن جھکائے بیٹھی رہی پھر جب میری بات ختم ہو گئی تو وہ آہستہ سے بولی۔

"کچھ بھی ہو بابر جی سب سے پہلا کام تو آپ یہ کیجئے کہ کوشل کو میرے راستے سے ہٹا دیجئے۔ آپ یہ بات کان کھول کر سن لیں کہ اگر میں آپ کی نہ ہوئی تو پھر اس جیون میں کسی کی نہ ہوں گی۔"

"لیکن کوتیا کیا تم میرے لئے اپنا دھرم بدلنے کو تیار ہو۔"

"...ہاں کیا؟" اور وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"کیوں۔ کیا اس دھرم میں رہ کر میں تمہاری نہیں بن سکتی؟" اس نے سوال کیا۔

"دیکھو کوتیا میں ہر چند کہ زیادہ مذہبی انسان نہیں ہوں لیکن زمانہ تمہاری نگاہوں کے سامنے ہے میرے لئے سخت مشکل ہوگا کہ میں اپنا دین تبدیل کرنے کے بارے میں سوچوں، یہ میں ہرگز بھی نہیں سوچ سکتا کوتیا۔"

"میں تو سوچ سکتی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اگر دھرم بدلنے ہی کی بات ہے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

"اوہ۔" میں نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور جذبات سے مغلوب ہو کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا کوتیا تو واقعی بڑی ہی وفاداریوں کا ثبوت دے رہی تھی۔ وہ میرے اس قدر قریب ہو جائے گی اس کے بارے میں تو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میں نے اس سے اس سلسلے میں ایک سوال کر ڈالا۔

"کوتیا برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"کہو نا کون برا مان رہا ہے تمہاری باتوں کا بابر" وہ آپ سے تم پر اتر آئی۔ آہستہ آہستہ وہ بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔

"کوتیا۔ کوشل بھی خاصی شکل و صورت کا مالک ہے اور پھر تمہارا منگیتر بھی ہے مجھ میں کیا رکھا ہے جو تم اسے چھوڑ کر میری طرف راغب ہو رہی ہو؟"

"بابر جی یہ پتہ نہیں کس انسان میں کیا رکھا ہوتا ہے۔ آپ مجھے ایک بات بتائیے کہ مجھ جیسی دوسری آپ کو نہ ملی ہوں گی۔ لیکن آپ یہاں میرے پاس موجود ہیں باہر ہال میں بہت سی لڑکیاں ہیں کیا ان میں سے کوئی آپ کی دوست نہیں بن سکتی آپ یہ بتائیے کہ آپ نے میری بات کیوں مان لی؟"

"ہاں۔ کوتیا اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان خاص حالات میں کسی نہ کسی کی جانب راغب ہو ہی جاتا ہے تمہارے جانے کے بعد میں تمہارے بارے میں بہت دیر تک سوچتا رہا۔"

"اور پھر گہری نیند سو گئے۔" کوتیا مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں رات کو ایک پل بھی نہیں سو سکی میری آنکھوں میں ہلکی سی سرخی دیکھ رہے ہوں گے آپ، میں جاگتی رہی ہوں۔ نیند ہی نہیں آئی۔"

"اوہ کوتیا اتنی پریشان نہ ہو میرے لئے۔"

"ہوں، اس لئے کہ ہمارے راستوں میں رکاوٹیں ہیں اور کوشل ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔"

"حالانکہ وہ میرا دوست ہے۔"

"میں بھی تو آپ کی دشمن نہیں ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا کوتیا سوچیں گے اس بارے میں ایسی جلدی کیا ہے کہیں یہ کوئی ہنگامہ ہی نہ کھڑا ہو۔"

"کچھ بھی ہو جائے بس میں نے آپ سے کہہ دیا میں آپ کو نہیں چھوڑ سکتی بابر جی چاہے مجھے یہ سارا سنسار چھوڑنا پڑے۔" اس نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا میرے ذہن میں بہت سے خیالات بن رہے تھے بگڑ رہے تھے حالانکہ ایسرا نے مجھے یقین دلایا تھا کہ میری راہ کی مشکلات دور کرنے میں وہ میری معاون ہوگی۔ اس میں یہ خوبی تھی کہ وہ ایک عورت کی حیثیت سے میری راہ میں مزاحم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس نے اس سے پہلے بھی مجھے بہت کچھ کہا تھا۔ اس معصوم عورت کے سلسلے میں جو اپنا بچہ میرے ہاتھوں کھو بیٹھی تھی جس نے اپنا سب کچھ میرے حوالے کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایسرا نے کہا تھا کہ میں اسے حاصل کر لوں لیکن میں اتنا غلیظ انسان نہیں تھا۔ اب یہ کوتیا میرے راستے میں آئی تھی ہر چند کہ تمام تر شمائل کی ہمشکل ہونے کی حیثیت سے میرا دل اس کی جانب کھنچتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں جانتا تھا کہ کتنی مشکلات پیدا ہو جائیں گی اگر وہ اپنا گھر چھوڑ دے۔ اگر میں اسے یہاں سے لے کر نکل جاؤں تب بھی جتنے ہنگامے کھڑے ہوں گے اور مجھے جن جن نگاہوں سے دیکھا جائے گا ان تمام باتوں کا مجھے احساس تھا لیکن دل سرکشی پر آمادہ تھا۔ میں نے سوچا کہ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

بہرطور خاصی دیر تک میں کوتیا کے ساتھ رہا اور پھر ہم دوسرے دن اپنے مکان پر ہی ملنے کا وعدہ کر کے اٹھ گئے۔ باہر کوتیا کی کار موجود تھی وہ اپنی کار میں بیٹھ کر چل پڑی اور میں اپنی کار میں بیٹھ کر گھر آ گیا۔

دوسرے دن صبح تقریباً گیارہ بجے ہوں گے کہ ایک کار میرے گھر کے دروازے پر آ کر رکی اور میں نے فوراً پہچان لیا۔ کوشل کی کار تھی۔ کوشل پونا سے آیا ہوا تھا۔ میں نے عجیب سے انداز میں اس کا استقبال کیا۔ آج میرے استقبال میں وہ گرمجوشی نہیں تھی جو کوشل کے لئے ہوتی تھی لیکن وہ مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

"سیدھا پونا سے آ رہا ہوں بس ایک ہفتہ تم سے دوری بھی برداشت نہیں ہو سکی۔" اس نے کہا۔

"ارے کوشل ڈیئر تم واقعی اچانک ہی آ گئے میرے ذہن میں کچھ گھبراہٹ سی پیدا ہو گئی تھی کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد کوتیا آنے والی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اگر وہ یہاں آ گئی تو کوشل پر اس کی آمد کا کیا اثر پڑے گا۔" میں نے اس سے سوال کیا۔

"کوتیا سے ملے؟"

"نہیں ابھی کہاں سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں اب تو یوں لگتا ہے جیسے کوتیا سے زیادہ مجھے تم سے پریم ہے۔"

"کوشل ایک بات بتاؤ کیا کوتیا کا اور تمہارا سلسلہ بہت عرصے سے چل رہا ہے؟"

"بہت عرصے سے تو نہیں جب سے وہ میری منگیتر بنی ہے میں اس کے ساتھ رہتا ہوں یہاں جب میں آتا ہوں ہم دونوں کی شامیں بلکہ دن ساتھ ساتھ ہی گزرتے ہیں۔"

"ہوں۔ کوتیا تم سے متاثر ہے؟"

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن میری منگیتر ہے آج نہیں تو کل متاثر تو ہونا پڑے گا اسے۔" کوشل نے بڑے اعتماد سے جواب دیا اور یہ بھی بری بات تھی جس کا مجھے خطرہ تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد ایک اور کار آ کر رکی اور اس سے کوتیا برآمد ہوئی۔ کوشل کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہو گئے لیکن پھر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھال لیا۔ کوتیا ہنستی مسکراتی آ رہی تھی۔ آج بھی وہ ایک ہلکے گلابی رنگ کی ساڑی میں ملبوس تھی اور اتنی ہی پیاری لگ رہی تھی جتنے پہلے دوسری کلر کی ساڑھی میں۔ وہ جس بے تکلفی سے یہاں آئی تھی کوشل کو اس سے کچھ احساس سا ہو گیا اور ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ کوتیا نے کوشل کو دیکھا اور ٹھٹک گئی۔

"ارے ہائے تم کب آئے کوشل جی؟"

"بس ابھی تھوڑی دیر ہوئی۔" کوشل نے جواب دیا۔

"اچھا بغیر اطلاع کے آ گئے اور اب میرے پاس آنے کے بجائے تم بابر جی کے پاس آئے ہو۔"

"نہیں نہیں بس اب ہم تمہارے ہی پاس آنے والے تھے۔"

"اچھا۔" کوتیا نے بیچ میں بیزاری کے سے انداز میں کہا لیکن شکایتی نگاہوں سے مجھے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ اس "جنت کو کیسے گلے لگا لیا ہمارا تو کچھ اور ہی پروگرام تھا بابر جی" وہ کیا کہ کوشل اسی کی اسی طرح بے تکلفی سے یہاں آمد کو بڑی حیرت سے محسوس کر رہا ہے۔ چند لمحات تو کوتیا کچھ سٹپٹائی سی رہی لیکن اس کے بعد اس نے مجھ سے بے تکلفی کا اظہار کر دیا۔

"کل شام کو ہمارا کیا پروگرام طے ہوا تھا بابر جی؟" اس نے کہا۔

"ارے... کیسا پروگرام؟"

میں آیا، لیکن میں نے ذہن جھٹک دیا وہ خود ہی آئے گا تو دیکھا جائے گا۔

ایک شام کوریتا آئی تو اس کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ اس نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہنگامہ شروع ہو چکا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پولیس نے آپ کا نام لے دیا ہے میرے گھر میں اس نے تفتیش کر کے کہہ دیا ہے کہ میں ایک مسلمان آدمی کے جال میں پھنس گئی ہوں، اس نے آپ کا پتہ وغیرہ سب بتا دیا ہے، بابجی اور میرے ماتا پتا اس سلسلے میں تم سے برافروختہ ہیں۔ انھوں نے مجھ سے بڑی سختی سے آپ کے بارے میں پوچھا اور میں نے گول مول کر کے ٹال دیا، اس وقت میں بڑی مشکل سے آئی ہوں بہتر ہے کہ ہم یہ جگہ چھوڑ دیں اور کوئی ایسی جگہ اپنا لیں جہاں ہم اور آپ رہ سکیں۔"

"مگر کوریتا فوری طور پر اتنی جلدی یہ سب کیسے ممکن ہے"

"سب کچھ ممکن ہے باندرا میں میری ایک سہیلی کا فلیٹ ہے وہ ان دنوں یورپ گئی ہوئی ہے۔ فلیٹ کی چابی میرے پاس ہے کسی کو اس بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے کہ اس فلیٹ سے میرا کچھ تعلق ہو سکتا ہے ہم وہیں چل کر رہیں گے۔"

میں بے بسی سے اس کی صورت دیکھتا رہا تب کوریتا نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دیکھو بابر دلو خان میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس آگئی ہوں اگر تم نے اس میں حیل و حجت کی تو اچھا نہیں ہوگا۔ جانتے ہو اس کے بعد میں تمہاری دوست نہیں دشمن بن جاؤں گی۔ میں نے نئی زندگی داؤ پر لگا دی ہے اور تم مجھے اپنانے میں حیل و حجت سے کام لے رہے ہو۔"

"یہ بات نہیں کوریتا بس میں..."

"بس کچھ نہیں یہاں سے چلو فوراً چلو جو ضروری ہو زیادہ بہت سامان سمیٹو اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی چارہ..."

دلی کا واقعہ

محمد اعظم نے ٹی وی خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی جب بھی ٹی وی بگڑا محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، مکینک آیا اور درست کر گیا۔ ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکینک سے رجوع کرنا پڑا۔ مکینک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا ٹی وی دیکھا، اینٹینا گھمایا اور چلا گیا۔ ٹی وی کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دکان پر "ٹی وی گائیڈ" نامی کتاب لگی دیکھی ۱۲۵ روپے میں خرید لی۔ پڑھی تو معلوم ہوا کہ ٹی وی کی خرابی صرف اینٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھپا ہوا کلر ٹی وی گائیڈ کا بھی اشتہار دیکھا، محمد اعظم نے کلر ٹی وی گائیڈ بھی ۲۰۰ روپے میں خرید لی اور اسے پہلی توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں تو محمد اعظم نے مرمت کا سامان جو ٹی وی کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے ٹی وی پر پہلا کام کیا اور کامیاب رہے۔ ہمت بڑھی — پڑوس کے لوگوں کے ٹی وی بھی درست کئے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگے۔ ایک دن دیکھا —— محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

"کلر اور بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی ریپیئر ہاؤس" ملنے کا وقت: صبح ۸ سے ۹ بجے تک، شام چھ بجے کے بعد

اس طرح محمد اعظم نے اپنے لئے پارٹ ٹائم دھندہ حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے ٹی وی کی مرمت فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ شخص جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور ٹی وی سے دلچسپی رکھتا ہو "ٹی وی گائیڈ اور کلر ٹی وی گائیڈ" پڑھ کر اچھا مکینک بن سکتا ہے —— رام کرشن اگروال

نہیں تھا کہ میں کوریتا کے کہنے پر عمل کروں۔ مجبوری تو دونوں ہی طرف سے دباؤ تھا۔ چنانچہ میں نے چند جوڑی کپڑے ایک سوٹ کیس میں رکھے، ملازم کو ہدایت دی اور کہا کہ میں باہر جا رہا ہوں اور اس کے بعد میں کوریتا کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔

ہم دونوں باندرا کے اس فلیٹ میں پہنچ گئے جس کی چابی کوریتا کے پاس تھی۔ بڑا خوبصورت اور سجا سجایا فلیٹ تھا۔

کوریتا نے کہا تھا کہ یہ اس کی سہیلی کا فلیٹ ہے اور سہیلی اس وقت ملک سے باہر ہے اس لئے یہاں کوئی دقت نہیں تھی لیکن پھر بھی در و دیوار اور ماحول تنگ تھا لوگ ہمیں تلاش کرتے ہوئے یہاں نہیں پہنچ سکتے۔ فلیٹ میں آنے کے بعد کوریتا بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"ہم تھوڑی سی کوشش کر کے ایک ملازم رکھ لیں گے جو ہمارے کھانا وغیرہ بنائے گا باہر سے سودا سلف لائے گا اور ہم یہاں مزے کی زندگی گزاریں گے۔ کچھ دن ہنگامہ ہوگا اس کے بعد جب حالات پرسکون ہو جائیں گے تو ہم یہاں سے دہلی یا پھر لکھنؤ نکل چلیں گے وہاں ہم اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے تم اپنا کاروبار جمیت لو۔"

"اوہ کوریتا اتنا طویل پروگرام۔"

"محبت کے لئے تو لوگوں نے بادشاہت چھوڑ دی ہے تم اپنا چھوٹا سا کاروبار نہیں چھوڑ سکتے۔ اور پھر میں جو ہوں تمہارے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بابر جی سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا اپنے ذہن کو میں نے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ الجھنیں پالنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں کوریتا کی ہدایت پر عمل کرنے لگا۔ وہ بڑی جذباتی لڑکی تھی بہت زیادہ دیوانی ہو رہی تھی اور میں بھی اس کی دیوانگی کا شکار ہو گیا ہمیں فلیٹ میں رہتے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ اور یہ ایک ہفتہ بڑی ذہنیوں کا باعث تھا میں نہیں جانتا تھا کہ کوریتا مجھ سے خوش ہو لیکن حالات کے ہاتھوں میں جکڑا گیا تھا۔

آخر یا تو دن گزر گئے تھے ایک دن کوریتا باتھ روم میں غسل کر رہی تھی اور میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کے مناظر دیکھ رہا تھا اور دفعتاً مجھے اپنے کانوں میں اپسرا کی آواز سنائی دی۔

"بابر دلو خان اس لڑکی سے دل بھر گیا تمہارا؟"

"کک... کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے اب تو یہ تمہارے لئے باعث کشش نہیں رہی ہوگی۔"

"نہ جانے تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"جو کچھ میں کہنا چاہتی ہوں اسے غور سے سن لو میں نے تمہاری ہر خواہش کی تکمیل کر دی ہے اب وہ لڑکی تمہارے لئے ایک عام سی لڑکی ہو کر رہ گئی ہے اس لئے اب اس کا تمہاری زندگی میں دخل ضروری نہیں ہے۔"

"کک... کیا مطلب؟"

"میں نے تمہارا کام کیا اب تم میرا بھی تو کام کرو۔ اندازہ ہے کتنے دن ہو گئے مجھے۔"

"میں کچھ نہیں سمجھا اپسرا براہ کرم مجھے مکمل کر کے بتاؤ۔"

"کوریتا کو قتل کر دو۔" اپسرا کی آواز میرے کانوں میں گونجی اور میرا پورا بدن پسینے میں تبدیل ہو گیا۔ درحقیقت میں اپنی مرضی سے ہاتھ پاؤں بھی نہیں ہلا سکتا تھا۔

"کیوں چپ کیوں ہو گئے؟"

"کک... کیا کہہ رہی ہو اپسرا؟"

"ہاں۔ مجھے اس کے خون سے غسل کی ضرورت ہے کیونکہ بابر دلو خان اسی لئے میں نے تمہارے نزدیک آنے کی کوشش کی تھی مجھے اس کا خون درکار ہے اور تمہیں وہی کرنا ہے جو میں کہہ رہی ہوں۔"

"خدا کے لئے۔ خدا کے لئے اپسرا ... مجھ سے اتنا بڑا امتحان نہ لو۔"

"تم حکم عدولی کرنے کی کوشش کر رہے ہو بابر دلو خان مجھے تمہاری اس بات سے سخت نفرت ہے۔ میں تمہارے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر قدم اٹھانے کو تیار ہوں اور تم سے جب بھی کسی چھوٹے موٹے کام کے لئے کہتی ہوں تم اسی طرح حیل و حجت کرتے ہو یہ تم میرے فن سے کھلواڑ کر رہے ہو جانتے ہو اگر تم نے میری ہدایت پر عمل نہ کیا تو کیا ہوگا؟"

"اپسرا اپسرا کوریتا میرے ہاتھوں قتل ہو جائے گی میں یہ نہیں کر سکوں گا۔"

"اچھی بات ہے اگر تم یہ نہ کر سکے تو پھر میں ہی کر لیتی ہوں۔" اس نے کہا اور میں لرز گیا۔

"سنو تو ... سنو میری بات تو سنو اپسرا۔"

"کل شام کو اسے سمندر کے کنارے لے جاؤ اور وہی سب کچھ کرو جو تم کر چکے ہو مجھے یہ میرا آخری فیصلہ ہے جس میں ترمیم ممکن نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اس کی آواز معدوم ہو گئی میں چند لمحات کے لئے ہوش و حواس سے عاری ہو گیا تھا۔

ہاتھ دہشت زدہ انداز میں پھیل گئے۔ میں نے مجسمے کے پیروں کے نزدیک رکھا ہوا طشت اٹھایا اور اس کی گردن اس پر جھکا دی کوبتا کے حسین بدن کا سارا خون گردن سے نکل کر اس طشت میں جمع ہو رہا تھا۔ اس کا بدن ہولے ہولے پھڑک رہا تھا۔ نرخرہ کٹ جانے کی وجہ سے اب اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی وہ کوئی ہلکی سی چیخ بھی نہیں نکال سکتی تھی اس کے بجائے ہال نرخرے کی خرخراہٹ طشت میں سے بلند ہو رہی تھی۔

میں وحشیانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے اس ابلتے ہوئے خون کو دیکھتا رہا اور چند لمحات کے بعد طشت میں اچھا خاصا خون جمع ہو گیا تب میں نے اپنا دوسرا فرض پورا کیا خون کا طشت اٹھایا اور مجسمے کے سر پر انڈیل دیا مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے مجسمے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ہو' پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"شکریہ بابر داد خان تمہارا بہت بہت شکریہ بس اب واپس چلے جاؤ ہاں اگر کچھ خوف محسوس کر رہے ہو تو اس لاش کو اٹھا کر پانی میں پھینک دو۔ میں نے اس کے اس حکم پر بھی عمل کیا اور پھر وہاں سے واپس چل پڑا۔ ٹیکسی جا چکی تھی میں دنیا و مافیہا سے بے خبر پاگلوں کی طرح سمندر سے دور بھاگا چلا جا رہا تھا۔!

میرا سانس پھول رہا تھا حالت عجیب ہو گئی تھی میں نے کوشش کی تھی کہ کوبتا کے خون کے چھینٹے مجھ پر نہ پڑنے پائیں اور میں اس میں کامیاب رہا تھا تاہم میرے لباس پر خون کا کوئی دھبہ نہیں تھا معصوم کوبتا زندگی چھوڑ کر موت کی آغوش میں جا سوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے مجھے ٹیکسی مل سکتی تھی لیکن مجھے خطرہ تھا کہیں ٹیکسی والا میری اس حالت کو دیکھ کر مشکوک نہ ہو جائے۔ چنانچہ اس کے باوجود میں کافی دور تک پیدل چلتا رہا پھر جب میری سانس اعتدال پر آ گئی اور حواس کسی قدر بحال ہو گئے تو ایک سینما ہاؤس کے سامنے سے میں نے ایک ٹیکسی لی اور اپنے اس فلیٹ کی جانب چل پڑا جو کوبتا نے میرے لئے مخصوص کیا تھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں کوئی بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ کوبتا کے فلیٹ میں داخل ہوا تو دہشت نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دل کی حالت ایسی عجیب تھی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہاں ایک لمحہ رکنے کو دل نہ چاہا ہر گوشے سے کوبتا کی آواز ابھر رہی تھی۔

چنانچہ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ اپنے ہی مکان پر پہنچ جاؤں ایک بار پھر میں ٹیکسی کر کے اپنے مکان کی جانب جا رہا تھا۔

گھر پر موجود تھے۔ گھر کے سارے معاملات حسب معمول تھے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو بالکل درست کر لیا تھا۔ پھر میں نے ملازم سے پوچھا۔

"اس دوران کوئی آیا تو نہیں [illegible] آپ اتنے عرصے کے لئے کہاں چلے گئے تھے۔"

"پونا گیا تھا۔" میں نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گیا ظاہر ہے وہ ملازم تھا اس سے زیادہ گفت و شنید نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے کمرے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا میری آنکھوں سے آنسوؤں کے دھارے پھوٹ رہے تھے۔ کوبتا یاد آ رہی تھی جس کے ساتھ حسین لمحات گزارے تھے میں نے اس کے ساتھ لیکن اب وہ میرے ہی بے رحم ہاتھوں موت کا شکار ہو چکی تھی کیا کروں؟ کیا کرنا چاہئے کیسے اس بلا سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہئے کس طرح اپنی زندگی بچاؤں اس سے۔ لعنت ہے اس کمبخت پر کس عذاب میں گرفتار ہو گیا بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ ماما زونگا سلطان ستارہ شمائیل۔ آہ میں نے ستارہ شمائیل کی ہم شکل کو ایک بار پھر خود سے جدا کر دیا تھا۔ کالی ویران سی طرح گزر گئی نیند کا کوئی پتہ نہیں تھا میں نے غراتے ہوئے بچے میں اسے پکارا!

"ایسپرا..." میرے حلق سے وحشت زدہ سی آواز ابھری اور اس کی کھنکتی ہوئی سی ہنسی میرے کانوں میں ابھر آئی۔

"دیکھ رہی ہوں اتنی دیر سے تمہیں دیکھ رہی ہوں اسی

خلیفہ کی قیمت

ایک دن ہارون رشید بہلول کے ساتھ حمام میں گیا۔ خلیفہ نے بہلول سے مذاق میں پوچھا۔ "اگر میں غلام ہوتا تو اس حالت میں میری قیمت کیا لگتی.....؟"

بہلول نے جواب دیا۔ "پچاس دینار۔"

خلیفہ غصے ہو کر بولا۔ "پگلے! صرف یہ تہمد جو میں نے باندھ رکھا ہے، پچاس دینار کا ہے۔"

بہلول نے جواب دیا۔ "میں نے صرف تہمد ہی کی قیمت لگائی ہے ورنہ خلیفہ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

محمد ابراہیم جمالی۔ نیو کراچی

طرح دیکھ رہی ہوں بڑے عجیب ہو تم بابر داد خان دنیا کی ساری آسائشیں میں نے تمہارے قدموں میں ڈال دی ہیں اور تم میرے اس چھوٹے سے کام سے اس طرح گھبراتے ہو۔"

"چھوٹا سا کام؟ تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا ایسپرا۔ میں تجھ سے نفرت کرتا ہوں۔ بے پناہ نفرت۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا بعض اوقات کچھ دوست ایسے بھی ہوتے ہیں جو نفرتوں کے درمیان دوستی کو پروان چڑھاتے ہیں۔"

"میں ایسی دوستی پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

"بھیجتے رہو مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"میرا پیچھا چھوڑ دے ایسپرا میرا پیچھا چھوڑ دے۔ میں اب تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں یہ گھناؤنا کام انجام نہیں دے سکتا تو نے وہ ایسی ہستیوں کو مجھ سے قتل کرایا جو میرے لئے بڑی محترم تھیں جن سے مجھے دلی لگاؤ ہو گیا تھا۔"

"یہ تو تمہاری بھول ہے بابر جی میرا کیا قصور تم نے دل لگایا ان سے حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں نے انہیں اپنے کام کے لئے مخصوص کر رکھا ہے اور ابھی کہا ہے مجھے اکیس انسانوں کے خون سے نہانا ہے جو کچھ تم مجھ سے چھین چکے ہو وہ مجھے دوبارہ حاصل کرنا ہے سمجھے تم بابر جی' تم اکیس زندہ انسان میری بھینٹ چڑھاؤ گے ابھی تو ان میں سے دو ہوئے ہیں انیس باقی ہیں۔"

"میں اب تیرے لئے کچھ نہیں کروں گا۔ مجھے یہ سب کچھ نہیں چاہئے میں فقیری کی زندگی بھی بسر کر لوں گا کسی مزار پر جا پڑوں گا کسی مسجد میں موذن بن کر اپنی زندگی گزار دوں گا لیکن ایسا گھناؤنا کام اب نہیں کروں گا۔"

"میں تمہیں چھوڑ دوں گی جب نا۔" ایسپرا نے جواب دیا۔

"مجھے چھوڑنا ہوگا مجھے۔ میں اب تیرے احکامات کی پیروی نہیں کر سکتا۔"

"دیکھو بابر داد خان مجھے غصہ مت دلاؤ۔ میں نے تمہارا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا تم ہی وہ ہو جو سلمان کو تیار کر کے مجھ تک لائے تھے' تم ہی وہ ہو جس نے مجھے دھوکا دے کر مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا' تم نے مجھ سے میری ہزاروں سال کی زندگی چھین لی مجھے بتاؤ کیا اس کے جواب میں' میں تمہیں محبت دوں گی' پیار دوں گی' لیکن اس کے باوجود میں نے تمہیں وہ زندگی دی جو اچھے اچھوں کو حاصل نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ میں نے تمہیں ایک طویل زندگی مہیا کر دی ہے اس میں خطا بھی ہو سکتا ہے لیکن اس وقت جب میں اپنی پوری عمر پا لوں

ہاں۔ بابر داد خان تم سن لو مجھے اکیس انسانوں کے خون کے غسل کی ضرورت ہے' یہ خون میرے مسامات سے گزر کر میرے بدن میں اتر جائے گا اور میرا بدن جب بے پناہ قوت حاصل کرے گا تو میں ایک آتش کدہ بناؤں گی۔ اس آتش کدہ میں مجھے اکیس دن تک آگ کا غسل کرنا ہوگا اور جب میں آگ کے اس غسل سے نکلوں گی تو میں پھر وہی ایسپرا بن چکی ہوں گی ہاں میری قوتیں میرے پاس موجود ہیں لیکن میں اپنا بدن حاصل نہیں کر سکتی۔ میں وہ قوت حاصل نہیں کر سکتی جو مجھے حاصل تھی۔"

"اس کے حصول کے لئے مجھے اس عمل سے گزرنا ہوگا' یہی میرا گیان ہے یہی میری قوت ہے اور تمہیں میرا آلۂ کار بننا ہوگا جس طرح بھی ہو سکے گا تم میرے لئے کام کرتے رہو گے۔"

"میں نہیں کروں گا تو جہنم میں جا' مجھے اب تجھ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے' تم میرے غصے کو آواز دے رہے ہو تو اس کا نتیجہ بھی بھگت لینا۔"

"ہاں ہاں بھگت لوں گا اب کچھ بھی ہو جائے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔" میں نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ ایسپرا کی آواز بھی معدوم ہو گئی تھی۔

رات بھر میں جاگتا رہا میرے ذہن میں لاتعداد منصوبے جنم لے رہے تھے پھر میں نے یہی سوچا کہ بمبئی سے بھاگ جاؤں کہیں اور چلا جاؤں کسی ایسی جگہ جہاں ایسپرا کا وجود مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے تیاریاں شروع کر دیں تھوڑا سا سامان ایک بیگ میں رکھا اور کچھ رقم جو نقدی کی شکل میں میرے پاس موجود تھی لے کر چل پڑا۔

میرا رخ ریلوے اسٹیشن کی طرف تھا۔ رات کے تقریباً چار بجے تھے جب میں ریلوے اسٹیشن پہنچ گیا۔ ریلوے ٹائم ٹیبل دیکھا تو کوئی ٹرین اس وقت کہیں نہیں جاتی تھی۔ صبح سات بجے پہلی ٹرین ملنی تھی۔

یہ وقت میں نے ویٹنگ روم میں ہی گزارنے کا [illegible] کیا۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے آ رہے تھے طرح طرح کے خیالات ذہن میں گونج رہے تھے۔ پھر صبح کا اجالا پھوٹنے لگا [illegible] اپنی جگہ [illegible] بہت زیادہ [illegible] بہتر طور جب ساڑھے چھ بجے تو میں ریلوے [illegible] سات بجے والی ٹرین کے بارے میں مجھے [illegible] جاتی ہے۔

چنانچہ میں نے ٹکٹ خریدا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں ریلوے کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گیا۔ کمپارٹمنٹ میں بہت سے لوگ تھے۔ ٹرین کہیں اوپر سے آ رہی تھی اس لئے مسافر سوئے ہوئے تھے۔ اِکّا دُکّا افراد ہی جاگ رہے تھے۔ میں اپنے لئے جگہ ڈھونڈ کر بیٹھ گیا۔ میں نے جان بوجھ کر ریلوے کے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا تھا تاکہ کہیں کسی قسم کی کوئی اُلجھن نہ پیش آئے اور انسانوں کے درمیان رہ کر میں اپنے آپ کو پُرسکون کر سکوں۔ یہاں ٹرین تقریباً آدھے گھنٹے رُکی تھی، آدھے گھنٹے بعد جب ٹرین چلی تو ایک آدمی کمپارٹمنٹ میں چڑھ آیا۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن اتفاق سے اس کی سیٹ میرے برابر کی تھی چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر اسی طرح خاموشی سے گزر گئی۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ایک نیا مسافر بھی میرے پاس آکر بیٹھا ہے لیکن میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ پھر جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو میرے ہوش و حواس ہی رخصت ہو گئے۔

یہ واحد تھا، ہاں، یہ واحد ہی تھا جو مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو بابر داد خان بڑی گہری سوچ میں گم ہو، کیا سوچ رہے تھے؟"

"تم۔ تم۔۔۔؟"

"ہاں۔ میں۔ میں دہلی جا رہا ہوں، تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟" واحد نے کہا۔

"کہیں بھی۔ بس میرا دل اب یہاں نہیں لگ رہا۔"

"او ہو، اپنا کاروبار، اپنی جائیداد سب کچھ چھوڑ رہے ہو تم۔"

"ہاں واحد تم اگر چاہو تو اسے حاصل کر سکتے ہو۔ میں تمہیں اس کا مالک بنا دوں گا۔"

"نہیں بابر داد خان مجھے تمہاری جائیداد کی ضرورت نہیں تھی جو کچھ مجھے درکار تھا وہ تو تم نے مجھے دیا ہی نہیں، اور جو کچھ تم کر کے نکلے ہو وہ بھی میرے لئے حیرت انگیز ہے، لاکھ یقین کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن دل نہیں مانتا، یہ ایسا کیا ہو گیا تھا تمہیں۔"

"کیا مطلب؟" میں نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"تم نے رانا جہانگیر کی ساری دولت ٹھکرا دی، رانا مسعود کا سب کچھ چھوڑ دیا، ایک حسین عورت ٹھکرا دی، ایک معصوم بچے کو قتل کر کے فرار ہو گئے آخر اس نے کیا بگاڑا تھا تمہارا۔"

"بکواس۔۔۔ کیا بکواس کر رہے ہو، میں نے کسی کو قتل نہیں کیا، میں نے کوئی خون نہیں کیا۔"

"بابر داد خان تمہارے کچھ ہمدرد وہاں موجود ہیں خاص طور سے بیگم جہانگیر، اگر وہ عورت تمہارا بچاؤ نہ کرتی تو اب تک تمہارا نہ جانے کیا ہو گیا ہوتا اور اگر میں تم سے مایوس ہو گیا ہوتا تو بھی تم مصیبتوں کا شکار ہو گئے ہوتے، مجھے بابر داد خان۔ میں نے یہی سوچا کہ جلد بازی کرنے کے بجائے ذرا صبر کروں، اطمینان سے تمہارے پاس آؤں اور تم سے حالات معلوم کروں، لیکن تم تو یہاں سے فرار ہو رہے تھے۔ کیا بیٹا ہے کیا دل کے چور نے چین نہیں لینے دیا۔" واحد مسکراتا ہوا بولا۔

"تم فضول بکواس مت کرو، ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔" میں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم سے بُرا تو واقعی کوئی نہیں ہے جو شخص اس درندگی سے ایک معصوم بچے کو موت کے گھاٹ اُتار دے وہ واقعی بُرا انسان ہو سکتا ہے۔" واحد نے کہا۔

"میں کہتا ہوں، میں نے اسے نہیں مارا۔"

"ارے ارے یہ ٹرین ہے چیخنے کی کوشش نہ کرو لوگ جاگ جائیں گے اور پھر نہیں ابھی تمہارا کریا کرم ہو جائے گا سمجھے۔" واحد نے کہا اور میں سہم کر خاموش ہو گیا۔

"آرام سے بیٹھو اس وقت بھی تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں ٹھنڈا کر کے کھانے کا عادی ہوں تم سے گفتگو کروں گا حالات معلوم کروں گا بات چیت کروں گا اور اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کریں گے ایسی کون سی مشکل بات ہے بلکہ میں تمہیں ایک مشورہ دوں بابر داد خان۔"

"کیسا مشورہ۔۔۔؟"

"اگلے اسٹیشن پر اُتر جائیں واپس بمبئی چلتے ہیں۔ تمہارے بارے میں کسی کو بھی یہ پتہ نہیں ہے کہ دراصل تم کون تھے۔ رانا مسعود کا مسئلہ بے شک وہاں اُلجھا ہوا ہے بلکہ پولیس بھی کافی حد تک دوڑ دھوپ کر رہی ہے لیکن ان میں سے کسی کو یہ نہیں معلوم کہ رانا مسعود اصل میں کون تھا اور کوئی نقلی یعنی بابر داد خان نامی آدمی تھا یہ بات صرف واحد فرد واحد کو معلوم ہے اور واحد بھلا تمہارے خلاف عمل کیوں کرے گا کوئی ایسی ترکیب کریں گے جس سے تمہارا راز بھی نہ کھلے اور ہمارا کام بھی بن جائے میں ایک بار پھر تمہیں سنجیدگی سے سوچنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

میں واقعی سنجیدگی سے سوچنے لگا۔

واحد بلائے بے درماں کی طرح میرے گلے آ پڑا تھا اور ایسے نازک وقت میں آ پڑا تھا جبکہ میں دوہرے قتل کا مجرم بن گیا تھا۔ درحقیقت یہ شخص اگر میرے خلاف گواہی دے دے تو میرے بارے میں ثبوت مہیا ہونے میں پولیس کو کوئی دقت نہ ہوگی۔

میں بہرطور رانا مسعود کا جانشین تھا اور بابر داد خان کے نام سے یہاں کے حلقوں میں جانا پہچانا جاتا تھا۔ اگر میری شناخت کرائی جاتی تو کوٹھی کے تمام افراد یہ کہہ دیتے کہ وہ میں ہی تھا جس نے اس بچے کو اپنے ساتھ کہیں لے جا کر قتل کر دیا لیکن یہ بات کہاں تک درست تھی۔ رانا محل میں تو بچا وہ بھی لوگ جانتے تھے۔ سارے کے سارے میرے واقف کار تھے اس طرح اب مجھے کیا کرنا چاہئے چنانچہ میں نے صبر و سکون سے سوچنا ضروری سمجھا اور پھر میں واحد سے بولا۔

"تم دہلی کیوں جا رہے تھے؟"

"بس کچھ کام تھا تھوڑے دن میں واپس آ جاؤں گا یہاں بمبئی۔"

"تو پھر یوں کرتے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ دہلی ہی چلتا ہوں، وہاں تم اپنے کام کرنا میں سکون کے کچھ لمحات گزاروں گا وہیں بیٹھ کر ہم آئندہ کے لئے معاملات طے کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے اور پھر اگر ضرورت پیش آئی تو واپس بمبئی آ جاؤں گا۔" میں نے کہا۔

"دہلی میں تم بھاگنے کی کوشش تو نہیں کرو گے؟ بابر داد خان۔۔۔؟"

"تم جس طرح چاہو اطمینان کر لینا۔"

"میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں واحد کو تم نے غلط سمجھا تھا وہ اتنا مختصر نہیں ہے۔" واحد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے اب فضول باتوں سے گریز کرو میرا ذہن پریشان ہے۔"

"مگر اتنا عرصہ بمبئی میں رہنے کے بعد تم دہلی کیوں جا رہے تھے؟"

"بس دلی اضطراب چھپائے نہ چھپ رہا تھا لیکن تم نے اس بچے کے قتل کی کیا بات کر دی؟"

"دیکھو بھئی اب مجھ سے نبٹنے کی کوشش مت کرو حیران تو میں بھی اتنا ہی ہوں جب کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر اس معصوم کو قتل کر کے تمہیں کیا مل گیا لیکن اتنا میں جانتا ہوں کہ یہ قتل تم نے ہی کیا ہے۔"

"اگر تم نے یہ بکواس جاری رکھی واحد تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا، اس بات کو ذہن میں رکھو۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا، میں تو وہاں سے صرف خوفزدہ ہو کر بھاگ آیا۔ اس خوف سے کہ کہیں حالات میرے خلاف نہ ہو جائیں۔ وہ لوگ مجھے پہچان نہ جائیں۔ میں بھلا تمہیں تمہاری مطلوبہ ترین کیسے دے سکتا تھا، میری اپنی حقیقت ہی کیا تھی، اس خاندان کو دھوکا دیتے ہوئے مجھے دُکھ ہو رہا تھا۔"

"ہرگز نہیں، ساری معلومات میں حاصل کر چکا ہوں پولیس بھی تمہاری لائنوں پر سوچ رہی تھی بلکہ بات یہ ہے کہ پولیس کو تمہاری تلاش بھی ہے۔ وہ رانا مسعود کو تلاش کر رہی ہے۔ ہاں اگر اسے یہ شبہ ہو جاتا کہ بابر داد خان نامی ایک شخص ایک جگہ چھپا بیٹھا ہے تو پھر یقیناً وہ تم تک پہنچ جاتی۔ بچے کو تم اپنے ساتھ لے گئے تھے اور پھر بہت دور کھنڈرات میں اس کی لاش پائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور کے ساتھ باہر نہیں جا سکتا تھا۔ چنانچہ سارے حالات تمہارے ہی خلاف ہیں البتہ پولیس یہ سوچ رہی ہے کہ رانا مسعود رانا جبار کی طرح بچے کو راستے سے ہٹانے کا خواہشمند تھا تاکہ دولت پر اس کا قبضہ ہو سکے۔ وہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ رانا مسعود کسی ذریعے سے اس دولت کے حصول کی کوشش کرے تو وہ رانا مسعود کو جا پکڑیں اس سلسلے میں انہوں نے جگہ جگہ فون بھی کئے ہیں میں ساری معلومات حاصل کرتا رہا ہوں۔"

"ہاں ہے اس بچے کو کس نے قتل کر دیا۔ وہ میرے ساتھ گیا ضرور تھا، لیکن پھر میں نے واپس کوٹھی پہنچا دیا تھا۔ اور اس کے بعد اس رات میں خاموشی سے نکل آیا۔"

"ہرگز نہیں تم بچے کو لے کر گئے تھے اور پھر واپس کوٹھی نہیں پہنچے۔" واحد نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

میں نے اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ دل و دماغ کا وہ عالم تھا کہ بیان سے باہر ہے واقعی واحد سب کچھ سمجھ چکا تھا اور سب کچھ جانتا تھا، اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ میں واحد کو بھی قتل کر دوں۔ ہاں جب دو قتل کر چکا ہوں تو اس تیسرے قتل سے مجھے کیا باز رکھ سکتا ہے۔ میں قاتل بن گیا تھا۔

زندگی میں ایسی اُلجھنیں پیدا ہو گئی تھیں کہ بعض اوقات تو زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ کیا کروں گا، اسی طرح زندگی گزار چکا ہوں لوگ تو اس عمر میں بوڑھے ہو جاتے ہیں ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ مجھ پر پھر سے جوانی آئی تھی اور اس جوانی کے

قدرت نے بھی کچھ ہولناک فیصلے ہی کر رکھے تھے اگر نہ ہوتے تو میں کسی قیمت پر یہ جائیداد کو اس طرح حاصل کر کے تباہ و برباد نہ کر دیتا۔ میں شیطانی چکر میں پھنس گیا تھا۔

یہ شیطانی چکر تو اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب سلمان نے اپنے باپ کا صندوق کھولا تھا۔ آہ میں تنہا رہ گیا وہ سب تو موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اپسرا کا کیا ہوا، سلمان کے بارے میں سچ کہہ رہی تھی یا جھوٹ میرے سامنے ہی سب کچھ ہوا تھا لیکن میں۔ میں زندہ بچ گیا تھا۔ اور ایک شیطانی چکر میں پھنس گیا تھا۔ اس شیطانی چکر نے مجھے کہاں کہاں پریشان کیا یہاں میرے خاندان کے کچھ نہ کچھ افراد تو موجود ہوں گے ممکن ہے میرے بھائی بھی زندہ ہوں۔ اگر میں کوشش کر کے ان تک ہی جا پہنچتا تو ممکن تھا کہ حالات بدل جاتے۔ اور میری بقیہ زندگی سکون سے گزر جاتی۔ لیکن یہ سوچتا کیسے مجھے تو یہاں لانے والی بھی کوئی اور تھی۔ کچھ بھی ہو جائے اپسرا کے لئے میں اب کچھ نہیں کروں گا۔

"اس بچے کی موت ہی کیا کم تھی میرے لئے کہ اب کونیا بھی میرے ہاتھوں ماری گئی اور اب نہ جانے کیا کیا ہو گا، نہیں واحد میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تو میرا واحد راز دار ہے، اگر تجھ سے نجات مل گئی تو ممکن ہے میری باقی زندگی سکون سے گزر جائے۔ میں یہی سوچتا رہا۔ اور واحد بار بار مسکرائی نگاہوں سے مجھے دیکھ لیتا تھا۔ وہ میری ذہنی واردات سے بے خبر شاید کسی سوچ میں غرق تھا کہ میں کس کشمکش کا شکار ہوں بالآخر اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

"ڈیئر بابر داد خان بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔ بھائی اگر تمہارے دل میں رانا جہانگیر کی دولت حاصل کرنے کا خیال تھا تو تم وہاں سے بھاگ کیوں آئے، تمہیں تو بڑی آسانیاں حاصل تھیں۔ آرام سے رانا جہانگیر کی بیوی کے ساتھ شادی کر لیتے کوئی ایسی ناجائز بات بھی نہ ہوتی اس کے بچے کی پرورش کرتے اور تمام جائیداد و دولت تمہارے ہاتھ لگ جاتی۔ اس کے بعد میرا حصہ مجھے دے دیتے اور خود عیش سے زندگی گزارتے رہتے۔ ساری زندگی کسی کو پتہ نہ چل پاتا کہ تم رانا مسعود نہیں ہو لیکن پتہ نہیں تمہارے دماغ میں کیا سمائی کہ تم نے اس بچے کو قتل کر دیا۔ اگر اسے راستے ہی سے ہٹانا تھا تو پھر وہاں سے بھاگ کیوں آئے۔ ادھر میں سمجھتا ہوں تمہارے ذہن میں خوف نے گھر کر لیا ہو گا۔ بزدلی تو انسان کو پتہ نہیں کہاں کہاں پر ٹھوکریں کھلاتی ہے۔ لیکن میرے دوست واحد کا دماغ بہت کچھ سوچتا ہے۔ میں اب بھی حالات سنبھالنے کی حیثیت رکھتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"پولیس کو تمہاری تلاش ہے نا اور وہ یہ بھی سوچ رہی ہے کہ رانا مسعود نے اس بچے کو قتل کیا تھا۔"

"جب تم تیار ہے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔"

"لیکن بڑی آسانیاں ہو سکتی ہیں، رانا جبار راستے سے ہٹ گئے ہیں، میں تمہیں ایک ترکیب بتا سکتا ہوں، واپس چلو۔ بس تمہیں اپنے جسم پر ذرا سے زخم لگانے پڑیں گے پھر اسی حالت میں پولیس اسٹیشن پہنچو جیسے تم بہت ہی اذیتوں کا شکار رہے ہو اور پھر پولیس کو ایک کہانی سنا دو، ان سے کہو کہ کچھ لوگوں نے تمہیں اغوا کر لیا تھا اور کہیں لے گئے تھے۔ وہ تم سے رانا جبار کا انتقام لینا چاہتے تھے، یقیناً وہ رانا جبار کے آدمی تھے پھر انہوں نے تمہارے سامنے ہی بچے کو قتل کر دیا اور تمہیں کہیں قید کر دیا۔ کسی بھی جگہ کا انتخاب کر لیں گے۔ بلکہ وہ جگہ میں تمہیں منتخب کر کے دے دوں گا اور وہاں ایسے نشانات بھی بنا دوں گا جن کے بارے میں پولیس اگر تحقیقات کرے تو اسے صاف پتہ چل جائے کہ تم نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے، اس طرح تمہیں تمہاری حیثیت واپس مل سکتی ہے۔ ظاہر ہے پولیس تمہارے اوپر ترس کھائے گی۔ اور اس کے بعد تم آرام سے زندگی گزار سکتے ہو، ایک خوبصورت و حسین عورت تمہاری تحویل میں ہو گی اور کروڑوں کی جائیداد پھر تو کوئی مسئلہ تمہارے سامنے نہیں رہے گا جو کچھ تم کرنا چاہتے تھے وہ بھی ہو جائے گا۔ اور تم بھی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔"

کمبخت واحد کی ترکیب بڑی ہی خوفناک تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس پر عمل کر کے میں دوبارہ رانا مسعود کی حیثیت حاصل کر سکتا تھا۔ بلاشبہ چند پریشانیوں سے گزرنا پڑتا لیکن کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میں رانا مسعود نہیں ہوں۔ اس سلسلے میں واحد راز دار واحد تھا اسے اگر اس کی مطلوبہ دولت دے دی جائے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں رہتا۔ وہ اپنی زبان بند رکھے گا۔ اور اگر اس کے بعد بھی اس کی طرف سے کوئی مطالبہ ہوا تو اسے موت کے گھاٹ اتارا جا سکتا ہے۔ میں یہ سب کچھ حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن۔

اب واپس رانا محل جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ واحد کو اپنے راستے سے ہٹانے کے بعد زندگی گزارنے کا کوئی نیا ڈھنگ سوچوں گا۔ کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں خاموشی سے زندگی کا بقیہ وقت گزار دوں۔ یہ اپسرا کمبخت جہاں جہاں میرا پیچھا

کرے گی ذلیل جادوگرنی کہیں کی۔ میں نے دل ہی دل میں اسے کوستے ہوئے کہا۔ واحد میری آنکھوں میں دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"سوچ لو سوچ لو ابھی تو بہت وقت ہے دہلی میں بھی ہم دو چار دن گزاریں گے تمہیں وہاں بھی سوچنے کا موقع دیا جائے گا اس سے بہتر تجویز کوئی اور نہیں ہو سکتی تم آسانی سے اپنی جان بچا سکتے ہو۔" میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دفعتاً کونیا میرے ذہن میں آ گئی تھی۔

اگر کبھی کسی وقت میرے بارے میں کسی کو شبہ ہو گیا تو کیا مجھے کونیا کے قتل کے الزام میں گرفتار نہیں کیا جا سکتا اور مصیبتیں ہی مصیبتیں تھیں زندگی میں بہر طور اب تو ان سے نمٹنا ہی تھا چنانچہ میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"واحد مجھے واقعی سوچنے کی ضرورت ہے میں سوچنا چاہتا ہوں، میرا ذہن منتشر ہے ویسے تمہاری تجویز مجھے پسند آئی ہے ممکن ہے میں اس سلسلے میں تم سے تعاون کرنے پر تیار ہو جاؤں۔"

"تیار ہو جانا چاہیے تمہیں اسی میں تمہاری بقا ہے۔" واحد نے کہا۔ اور خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ہم نے راستے بھر کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ ٹرین دہلی پہنچ گئی، ہم لوگ اسٹیشن پر اتر گئے واحد نے ایک ہوٹل کا رخ کیا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا واحد مجھے نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا ویسے چالاک آدمی تھا اور مجھ پر پوری پوری نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس سے نمٹنا آسان کام نہیں ہو گا۔ ہوٹل میں بھی ہم نے دو کمرے حاصل کئے تھے۔ کمرے برابر برابر کے تھے۔ میں اپنے کمرے میں منتقل ہوا تو واحد نے مجھ سے کہا۔

"دیکھو بابر داد خان میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں یہاں دہلی میں بھی بہت کچھ کر سکتا ہوں یہاں سے غائب ہونے کی کوشش مت کرنا مجھے دھوکا دینا تمہارے حق میں بہر طور سود مند ثابت نہیں ہو گا۔ پورا ہندوستان میری دسترس میں ہے جہاں جاؤ گے میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔"

"تم بار بار مجھے دھمکیاں دینے کی کوشش نہ کرو اور میں اتنا بزدل بھی نہیں ہوں کہ تمہاری دھمکیوں سے خوفزدہ ہو جاؤں، ہاں باقی رہی تمہاری تجویز تو وہ میرے لئے دلچسپی کا باعث ہے بس ذرا اس کے اہم پہلوؤں پر سوچنے دو اس کے بعد میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔"

"بہت مناسب بات ہے آرام کرو۔" واحد نے کہا اور اپنے کمرے میں چلا گیا میں اپنے کمرے میں آ گیا خاصا کشادہ کمرہ تھا۔ دہلی کے اچھے ہوٹلوں میں اس ہوٹل کا شمار ہوتا تھا۔ کمرے میں پہنچ کر میں نے سب سے پہلے غسل کیا۔ اور پھر ایک آرام کرسی پر دراز ہو کر کھڑکی کے باہر کے ماحول کو دیکھنے لگا تاحد نگاہ مکانات بکھرے ہوئے تھے۔

لیکن میرے دل میں ایک عجیب سی ویرانی تھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ کس طرح زندگی کے نئے راستے منتخب کروں، اب جتنی زندگی مل گئی ہے اسے تو گزارنا ہی ہے جو صورتحال ہے اسی میں گزارنا ہے دیکھوں حالات مجھے کہاں لے جاتے ہیں تقدیر کیا چاہتی ہے مجھ سے۔ بہت دیر تک اسی طرح بیٹھا سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ویٹر نے دروازے پر دستک دی۔

"کوئی چیز چاہیے صاحب۔" اس نے اندر آ کر پوچھا۔

"گرم کافی مل جائے تو لے آؤ۔"

"بہت اچھا۔" ویٹر باہر چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد میں کافی کی چسکیاں لے رہا تھا اسی دوران میرا ذہن مختلف فیصلے کر رہا تھا۔ واحد کو راستے سے ہٹانے کی کیا ترکیب ہو سکتی ہے آہستہ آہستہ میں نے خود کو پرسکون کیا اور اس سلسلے میں ایک تجویز میرے ذہن میں آ ہی گئی چنانچہ میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو ہی گیا۔ شام ہو چکی تھی تقریباً ساڑھے چھ بجے میں اپنے کمرے سے نکلا اور واحد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ واحد اپنے کمرے میں موجود تھا مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"میں نے سوچا کہ شاید تم سو گئے ہو گے ایک آدھ بار تمہارے کمرے کے دروازے کو میں نے دیکھا جب نہیں کھلا تو پھر میں نے سوچا کہ تمہیں آرام کرنے دیا جائے تھک گئے ہو گے اور خاص طور سے ذہنی تھکن کا شکار ہو گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تھا کہ تم فیصلے کر رہے ہو میں تمہیں فیصلہ کرنے کا پورا پورا موقع بھی دینا چاہتا تھا۔"

"شام کی چائے پی تم نے؟"

"ہاں پی چکا ہوں اور تم نے؟"

"میں نے بھی کافی وغیرہ پی لی تھی اب کسی چیز کی حاجت نہیں محسوس ہو رہی۔"

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"یار واحد ذہن بڑا تھکا ہوا ہے یہاں کوئی تفریح نہیں ہو سکتی؟"

"کیوں نہیں ہو سکتی جس طرح کا پتہ ہو۔" واحد نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر ایسا کرتے ہیں کھانا نہیں کھائیں گے کہیں۔"

"واہ۔ دل کی بات کہہ دی یار واحد بھی اس کا شوقین ہے۔"

اور پھر یہاں دہلی میں تو بڑی گنجائش ہے۔ یہاں بمبئی کی طرح کچرا نہیں بھرا بلکہ بعض جگہیں تو آج بھی مغلیہ دور کی یادگار لگتی ہیں۔"

"تو بس کسی ایسی ہی جگہ کا انتخاب کرو۔" میں نے کہا۔ اور واحد مسکرانے لگا۔

"یہ تم واحد پہ چھوڑ دو۔" اس نے کہا اور میں نے بھی مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔

شام کو تقریباً سات بجے ہم لوگ تیار ہو کر چل پڑے۔ میں نے بھی ایک عمدہ لباس پہنا ہوا تھا۔ واحد بھی ایک اچھے لباس میں ملبوس تھا۔ جس جگہ ہم جا رہے تھے وہاں کے لئے مکمل تیاریاں کر کے چلے تھے پیسے وغیرہ میرے پاس بھی اچھے خاصے موجود تھے اور شاید واحد بھی قلاش نہیں تھا۔

ہم اس بازار میں پہنچ گئے۔ چاروں طرف سے طبلے کی تھاپ گھنگروؤں کی جھنکار اور ہارمونیم کی آوازیں ابھر رہی تھیں ایک عجیب ماحول ایک عجیب سماں تھا جو اس سے قبل میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف قصے کہانیوں میں اس بازار کی داستانیں پڑھی تھیں۔ واحد کو یہاں لانے میں میرے ذہن کے ان ارادوں کا دخل تھا جو میں نے ترتیب دے رکھے تھے۔ میں ایک ایسا ماحول پیدا کرنا چاہتا تھا جو میرے لئے کارآمد ہو۔ واحد ایک پان کی دکان پر رک گیا اور اس سے اس بازار کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ غالباً اسے خود بھی یہاں کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں۔ پنواڑی نے ہمیں دو پان بنا کر دیئے اور واحد نے پانوں کی خریداری کے ساتھ ساتھ ہی پنواڑی سے اپنے کام کی بات بھی معلوم کر لی۔ چنانچہ وہ گردن ہلاتا ہوا میرا ہاتھ پکڑ کر دوستانہ انداز میں ایک طرف بڑھا اور پھر ہم ایک بالاخانے کی سیڑھیاں طے کرنے لگے۔ بالاخانے کے دروازے سے اندر داخل ہو کر میں نے زندگی میں پہلی بار اس ماحول کو دیکھا۔

ایک بڑا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر [illegible] بچھے ہوئے تھے۔ محفل شباب پر تھی۔ تماش بین دیواروں سے ٹیک لگائے گاؤ تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے [illegible] جس کی ایک خوبصورت لڑکی تماش بینوں کے درمیان گا رہی تھی۔ اس کی عمر بہت کم معلوم ہوتی تھی۔ ہم دروازے میں ٹھٹک گئے۔ دروازے کے قریب ہی کھڑی ایک عورت نے ہمیں راستہ دیا اور ایک سمت بتا دی۔ جب ہم گاؤ تکیے کا سہارا لے کر بیٹھے تو ناچنے والی لڑکی نے پلکیں اٹھا کر ایک نظر ہم دونوں کو دیکھا اور پھر اس پستہ قامت شخص کی جانب متوجہ ہو گئی جو وہاں سب لوگوں سے نمایاں تھا۔ اس نے ہماری آمد پر برا سا منہ بنایا اور کسمسا کر اپنے ساتھیوں سے ناگواری کا اظہار کیا۔

دروازے پر کھڑی عورت نے جلدی سے اس کی طرف رخ کیا تھا اس شخص کے اشارے پر جلدی سے وہ اس کے پاس جا بیٹھی اور اس کی بات سننے لگی۔ پھر اس نے احترام سے گردن ہلائی اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ میں سرسری نگاہوں سے محفل کا رنگ دیکھ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک درمیانی عمر کی عورت پاندان کھولے گلوریاں بنانے میں مصروف تھی۔

گانے والی گانا گا رہی تھی۔ پستہ قامت جیب سے نوٹ نکال نکال کر گانے والی کو دے رہا تھا اور وہ اس کے سامنے ہی بیٹھی غزل کے بول پر بول سنائے جا رہی تھی واحد کی کھوپڑی گھوم گئی اس نے اپنی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال کر اپنے سامنے رکھ لی اور پھر ایک نوٹ میرے شانے پر رکھ کر گانے والی کو دکھایا۔

پستہ قامت نے برا سا منہ بنا کر نوٹوں کی دو تین گڈیاں اور نکال لی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" میں نے واحد سے پوچھا۔

"تماشا ہے۔ بچو دیکھتا ہے۔"

"اوہ۔ واحد کیا تماشا۔ سنو یہاں کچھ دیر گزار کر اس کے بعد نکل چلو میں کسی قسم کے جھگڑے میں دلچسپی نہیں لوں گا۔" میں نے کہا۔

"کمال ہے یار کہاں تم ایک انوکھی شخصیت کے مالک نظر آتے ہو جو کسی چھوٹے بچے کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتے بلکہ یہاں اب اس قسم کی باتیں کر رہے ہو۔"

"اور یہ جگہ تمہاری اس بکواس کے لئے موزوں ہے۔"

میں نے دانت پیس کر کہا۔

"ارے نہیں نہیں ہماری باتیں کون سن رہا ہے۔"

واحد نے جواب دیا اور پھر گانے والی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"غضب کی لڑکی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مجھے اس جگہ سے الجھن ہونے لگی تھی۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ پستہ قامت اور اس کے ساتھی مسخرانہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ رہے ہیں۔ ممکن ہے دوسرے تماش بین بھی موجود تھے لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ سب پستہ قامت کے چمچے ہوں اور صرف اس کے لئے یہاں بیٹھے ہوں یا ممکن ہے اس کے چہیتے ہی آدمی ہوں۔

تھوڑی دیر تک ہم اپنی گڈیاں لئے بیٹھے رہے۔ پان بنانے والی ادھیڑ عورت کی نگاہیں بھی ہماری طرف اٹھ رہی تھیں۔

اس نے ایک طرف مڑ کے دیکھا اور کسی کو کچھ اشارہ کیا چند ہی لمحات کے بعد ایک دوسری لڑکی ناز سے اٹھلاتی ہوئی اندر سے برآمد ہوئی اور ہمارے نزدیک آکر بیٹھ گئی۔ اس نے مشرقی انداز میں ہمیں سلام کیا تھا۔

"حضور! آپ کوٹھے پر پہلی بار تشریف لائے ہیں شاید؟"

وہ آہستہ سے بولی۔

"ہاں۔ لیکن یہاں کے آداب دیکھ کر طبیعت مکدر ہو گئی۔"

واحد نے جواب دیا۔

"حضور تھوڑا سا توقف کریں بس ہم لوگوں کو ہر طرح کے آدمیوں سے نمٹنا ہوتا ہے۔ یہ ایک معمولی غلط فہمی ہے آپس سے بھڑنا اچھی بات نہ ہوگی۔ ورنہ ہم ابھی نازنین سے کہتے کہ وہ وہاں سے اٹھ کر آپ کے سامنے آ بیٹھے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ کوٹھا غنڈوں کا اکھاڑہ ہے۔ ہم جا رہے ہیں۔"

"بیٹھئے نا حضور! میں کچھ اور خدمت کر سکتی ہوں۔"

"نہیں۔ بس گانا سننے آئے تھے۔ گانا سن کر چلے جاتے لیکن یہ جگہ پسند نہیں آئی۔"

"مجبوری ہے سرکار! پھر کبھی تشریف لائیے گا۔" لڑکی نے مہذب لہجے میں کہا۔ میں تعجب سے اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ ایک دو بار اس کی نگاہیں مجھ سے بھی ملیں جن میں نے ان میں ایک عجیب سی چمک محسوس کی۔ دیکھنے میں خاصی اچھی تھی لیکن وہ جو گا رہی تھی اس سے خاصی حسین تھی۔ وہ ماسین پرکشش اور موہ لینے والی شخصیت کہ دل اس کی جانب کھنچتا چلا جائے۔

لیکن اس بازار میں ایسی ہی ساحرائیں ہوا کرتی ہیں مجھے ان کے بارے میں تجربہ تو نہیں تھا لیکن سن بہت کچھ رکھا تھا اس لئے میں نے زیادہ توجہ نہیں دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ نوٹوں کی گڈیاں ہم نے واپس جیب میں رکھ لی تھیں۔ پان بنانے والی عورت کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات تھے۔ اس نے دانت پیستے ہوئے پستہ قامت کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بول سکی۔ اور ہم وہاں سے اتر آئے۔

"یہ جگہ ہوتی ہی جھگڑوں کی ہے۔ بس ایسے ہی طبیعت گھبرائی تھی تو میں نے سوچا یہاں چلا آؤں۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ سارے بازار تو بند نہیں ہو گئے۔ یہاں اس جیسے کمینے نہیں بیٹھے ہوں گے۔ آؤ کسی دوسری جگہ دیکھتے ہیں۔" پھر ایک اور بالاخانے پر پہنچ گئے۔

یہاں بھی رقص و موسیقی جاری تھی اور اچھی بات یہ تھی کہ یہاں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آئی جو تکرار کا باعث ہوتی ان جو رقاصائیں یہاں رقص کر رہی تھیں وہ اس قدر حسین نہ تھیں اور نہ ہی یہاں اتنی نفاست و تہذیب تھی جو پہلے کوٹھے پر دیکھی تھی۔ واحد میرے کان کی طرف جھک کر بولا۔

"دراصل وہ مانا ہوا کوٹھا ہے وہاں جو طوائفیں ہیں ان کا تعلق لکھنؤ سے ہے اور لکھنؤ کی طوائفوں کی تہذیب کے بارے میں یقیناً تم نے کچھ نہ کچھ ضرور سنا ہوگا۔"

"بھائی بمبئی میں رہنے والا لکھنؤ کی تہذیب کے بارے میں زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔" میں نے کہا۔

"خیر ایسی بات بھی نہیں ہے ویسے بابر داد خان میں نے یہ بات تم سے کبھی نہیں پوچھی تمہارا تعلق خالصتاً بمبئی سے ہے۔"

"تم نا سنو یار کیوں فضول باتوں میں الجھے ہوئے ہو۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور واحد خاموش ہو گیا۔ خاصی رات گئے تک ہم اس کوٹھے پر ناچ گانا سنتے رہے پھر اس کے بعد جب وقت ہی ختم ہوا تو ہم اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

واحد بہت مسرور تھا۔ میری طرف سے خاصا مطمئن ہو چکا تھا اس دوران وہ یقیناً میری کیفیات پڑھنے کی کوشش کرتا رہا ہوگا اور میں نے اس سلسلے میں خاصی ذہانت سے کام لیا تھا کہ اپنی فطرت سے اسے آگاہ نہیں ہونے دیا تھا۔ ہم کوٹھے سے اتر کر پیدل چل پڑے۔

دوسرے کوٹھے بھی خالی ہو چکے تھے۔ پولیس والوں کی سیٹیاں سنائی دے رہی تھیں ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

"اب کیا خیال ہے چلیں۔" میں نے پوچھا۔

"یار بابر داد خان ایک بات بتاؤ صرف اسی حد تک دلچسپی رکھتے ہو یا کوئی اور بھی۔"

"کچھ اور سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میرا مطلب ہے کچھ پینے پلانے کی بات یہاں کا ماحول تو اتنا سازگار نہیں تھا کہ ہم یہاں شغل کر لیتے۔ اس کے علاوہ بھی یہاں تو بہت کچھ ہوتا ہے۔"

"نہیں، اس بہت کچھ سے مجھے دلچسپی نہیں ہے ویسے اگر تم پینا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اور تم؟"

"میں نہیں پیتا۔" میں نے جواب دیا۔

"پھر کیا مزہ آئے گا۔ ایک آدمی بیکار بیٹھا رہے گا۔" [illegible]

وہ کرنل تھا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے رونے کے سوا کچھ نہ کیا ہو۔ تمام نفرت بھری نگاہوں کا مرکز میری ذات تھی۔ اور کرنل مجھے غیظ آلود نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہی ہے وہ؟"

"ہاں انسپکٹر صاحب! یہی وہ پاپی راکشش ہے جس نے میری کویتا کو مجھ سے چھین لیا۔ یہی ہے وہ جانور۔ بھگوان اس کا ناش کرے۔" کرنل پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

"آپ اس کے خلاف کوئی ثبوت پیش کر سکیں گے؟"

"درجنوں ثبوت۔ میں اسے سزا دلوانے کے لیے ہر وہ قدم اٹھاؤں گا جس سے اس کی اصلیت کھل جائے۔"

"ٹھیک ہے اسے حوالات میں بند کر دو۔" انسپکٹر نے کہا۔ اور وہ لوگ مجھے لے گئے۔ لاک اپ کی کوٹھری میں داخل ہو کر میں صورت حال پر غور کرنے لگا۔ حالات بگڑ گئے تھے میں نے چالاکی سے کئی بار انہیں سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو رہی تھی۔ مجھ میں ضعف آ رہا تھا۔ کر کیا رہا تھا۔ کرنل آ گیا تھا کویتا اس کی بھتیجی تھی۔ کرنل اسے بے پناہ چاہتا تھا۔ اور کویتا کو میں نے قتل کیا تھا۔ دوسری طرف دلاور تھا۔ انسپکٹر میری طرف سے پہلے ہی مشکوک ہو گیا تھا اس لیے اب چاروں طرف تاریکی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اب تو صرف انجام کا انتظار تھا۔

کئی گھنٹے تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی پھر رات کو مجھے ایک بڑے پولیس افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"باردادخان!"

"کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"کیا کریں گے پوچھ کر ایس پی صاحب؟"

"اداکاری مت کرو۔ جو پوچھا جا رہا ہے اس کا جواب دو۔" ایس پی غرا کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ میرا تعلق مصر سے ہے۔"

"مصر؟" ایس پی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں پوچھا۔ میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں، میرا تعلق مصر سے ہے۔"

"لیکن شکل و صورت سے تو مقامی معلوم ہوتے ہو۔"

"کبھی تھا۔ لیکن زندگی کا طویل عرصہ مصر میں گزارا ہے۔"

"پاسپورٹ وغیرہ ہے تمہارے پاس؟"

"اب تو کچھ نہیں ہے۔"

"بہت چالاک معلوم ہوتا ہے یہ شخص۔ اس کا دماغ درست کرنا پڑے گا۔"

"جو دل چاہے کرو ایس پی۔ اگر دل چاہے تو مصری سفارت خانے سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرا لو۔ میں قاہرہ کی ایک متمول شخصیت ہوں۔ اگر یہ بات جھوٹ نکلے تو بے دریغ گولی مار دینا۔"

ایس پی پریشان نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "کویتا کو آپ نے قتل کیا ہے؟"

"نہیں ایس پی صاحب!"

"لیکن سارے ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ تم پر رانا مسعود کے بچے کے قتل کا الزام بھی ہے۔ یہاں تم نے واحد نامی ایک شخص کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ یہ کیا راز ہے؟"

"اگر اس راز سے پردہ اٹھاؤں تب بھی تمہیں یقین نہیں آئے گا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ سب کچھ میں نے ایک ایسی پُراسرار قوت کے زیر اثر کیا ہے جس کی کہانی تم لوگ نہ سمجھ سکو گے۔"

"کون ہے وہ قوت؟"

"سرزمین افریقہ کی ایک ساحرہ اپسرا۔ جو ہزاروں سال سے زندہ ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ سیدھی طرح اقرار جرم کر لو۔ ورنہ پھر دوسرے طریقے شروع ہو جائیں گے اور تم سب کچھ اگل دو گے۔"

"ایک ایک بات سچ ہے ایس پی! ایک ایک بات سچ ہے۔ لیکن افسوس تم اس پر یقین نہیں کرو گے۔"

"انسپکٹر! اسے تھرڈ ڈگری کی ضرورت ہے۔ ایسے یہ زبان نہیں کھولے گا۔" ایس پی نے سرد لہجے میں کہا۔ اور انسپکٹر مجھے دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ پھر اس نے دو آدمیوں کو اشارہ کیا اور کہا۔

"لے جاؤ اسے تھرڈ ڈگری سیکشن میں پہنچا دو۔" اور پھر دو آدمی مجھے وہاں سے پکڑ کر لے گئے۔ ایس پی نے میری اصل والی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے توجہ دے بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ بھی سمجھ رہا ہے کہ یہ سب بکواس ہے۔ جب میں تھرڈ ڈگری والے کمرے میں پہنچا تو وہاں ایک آدمی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بڑی خونخوار سی شکل کا آدمی تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے؟"

"ابھی انسپکٹر صاحب آتے ہیں وہ تمہیں ہدایات دیں گے اس بارے میں۔" مجھے لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"ٹھیک ہے کس دوں؟"

"ہاں۔"

اور میں نے اس کس دینے کا مطلب سمجھ لیا تھا۔ وہاں ایک چرخی بندھی ہوئی تھی۔ تینوں نے مل کر مجھے اس چرخی سے باندھ دیا۔ یہ چرخی گھومنے والی تھی اور یہ ایک بڑے سے فریم سے لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر وہاں پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر سختی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"دیکھو باردادخان! حقیقت بتا دو مجھے کیا فائدہ۔ صورت و شکل سے تم اچھے خاصے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ لیکن بہر طور قتل کا الزام ہے تم پر۔ تمہارے بارے میں جو شواہد ملے ہیں۔ وہ عجیب و غریب ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم آخر ہو کیا چیز۔ لیکن اگر تم نے زبان نہ کھولی تو پھر تمہارے ساتھ غیر انسانی سلوک کرنا پڑے گا۔"

"انسپکٹر! تم جو سلوک میرے ساتھ کرو۔ یقین کرو صورت حال کچھ ایسی ہے کہ میں اپنے آپ میں الجھ گیا ہوں۔"

"میں تمہیں اچھی طرح سلجھا دوں گا۔ فکر مت کرو۔" انسپکٹر نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اور پھر اس جلاد نما آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے اپنی کمر سے ایک چوڑی بیلٹ کھولی۔ چمڑے کی یہ بیلٹ بہت خطرناک نظر آ رہی تھی۔ اس میں کئی زبانیں تھیں۔ اس نے بیلٹ کو فضا میں جھٹکا اور ایک زوردار تڑاک کی آواز آئی۔ مجھے اپنے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"تمہارے اوپر الزام ہے باردادخان کہ بمبئی سے کچھ فاصلے پر تم نے ایک کوٹھی میں رانا مسعود کے گھر داخل ہونے کی کوشش کی اور پھر وہاں ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد تم بمبئی آ گئے۔ پونا ریس کورس میں تم نے عجیب و غریب طریقے سے بڑی بڑی رقمیں جیتیں۔ اور کرنل کو اپنا دوست بنا لیا۔ پھر کرنل کی بھتیجی کویتا پر تم نے جال ڈالا اور بالآخر اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد تم نے واحد نامی آدمی کو یہاں دہلی میں قتل کرنے کی کوشش کی۔ بمبئی سے تم جہاں آئے تھے۔

"مجھے بتاؤ کیا تم نے رعنا مسعود بن کر اس عمارت میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا پونا ریس کورس میں تم ریس کھیلتے تھے؟"

"ہاں کھیلتا تھا۔"

"بمبئی میں تمہاری قیام گاہ تھی؟"

"ہاں تھی۔"

"پھر تم دہلی کیوں آ گئے؟"

"بس ایسے ہی سیر و سیاحت کی غرض سے۔"

"تمہارے خاندان میں اور کوئی نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"معرکے بارے میں جو تم نے ذکر کیا ہے اس میں کہاں تک صداقت ہے؟"

"یہ حقیقت اگر تم معلوم کرنے کی کوشش کرو تو تمہارا جسم حیرت سے پھیل جائیں۔ میں نے جو کچھ کہا غلط نہیں کہا ہے۔ بشرطیکہ تم اسے معلوم کرنے کی کوشش کرو۔"

"ہم فضول جھگڑوں میں نہیں پڑیں گے۔ تم اس طرح کچھ وقت لینا چاہتے ہو۔ واحد نے زبان تو نہیں کھولی کیونکہ اس کی زبان تو تم کھول چکے ہو۔ لیکن اس نے اپنے جرائم کا اعتراف کر لیا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ تم رعنا مسعود بن کر وہاں گئے اور وہاں تم نے اس بچے کو قتل کیا۔ اس کے بعد تم بمبئی میں آ گئے۔ بمبئی میں تم نے ایک جرم کیا اور پھر تم یہاں دہلی پہنچ گئے۔ واحد سے تمہارے کیا تعلقات ہیں۔ یہ میں نہیں جانتا۔ کاغذ کی وہ گولی تم نے نگل لی تھی۔ یقیناً کوئی اہمیت رکھتی تھی۔ بہرطور واحد کو اس سلسلے میں چھوڑا نہیں جائے گا۔ ہم اس کے صحت یاب ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن اس دوران تم نے اگر زبان نہ کھولی تو مارے جاؤ گے۔"

"بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ میں نے خود نہیں کیا۔ ایک پُراسرار قوت کے زیرِ اثر میں کام کرتا رہا ہوں اور وہ پُراسرار قوت افریقہ سے میرے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ وہ جو کچھ ہے اگر تم اس کے بارے میں جان لو گے تو تمہیں کبھی یقین نہیں آئے گا۔ اس لیے میں کچھ بتانے کی زحمت نہیں گوارہ کرتا۔"

"مگر تمہیں زبان کھولنا پڑے گی دوست! اقرارِ جرم کرلو۔"

"نہیں! میں نے کوئی قتل وتل نہیں کیا۔ یہ سب فضول

بکواس ہے۔" میں نے کہا۔ اور انسپکٹر نے جلاد کو اشارہ کیا اور جلاد میرے بدن پر کوڑے برسانے لگا۔ پورے بدن میں ایک آگ سی بھرتی جا رہی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔ شدید تکلیف کے احساس نے میری جان نکال دی تھی۔ لیکن میں نے ہونٹ بھینچ لیے۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ کوڑے میرے بدن پر پڑ ہی نہیں رہے بلکہ ان کا مرکز کوئی اور ہے اور نہ جانے کیوں اس احساس سے مجھے کسی قدر سکون کا احساس ہوا۔ میں نے واقعی یہ محسوس کیا کہ کوڑے میرے بدن پر نہیں پڑ رہے۔ حالانکہ جب بھی اپنے آپ پر غور کرتا تو پورے بدن میں آگ کی لکیریں دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ لیکن میری دوسری کیفیت مجھے سنبھالا دے رہی تھی۔ پھر نہ جانے کب میں بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو ذہن اپنے آپ ہی میں تھا۔ اذیت سے میری چیخیں نکل گئی تھیں۔ میں ایک فرش پر پڑا ہوا تھا۔ میرے نیچے چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ میرے زخموں میں سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"آہ!" میں کربناک چیخیں نہ روک سکا۔ برابر لیٹے ہوئے ایک قیدی نے ہمدردی سے میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تمہیں تو شدید بخار ہے۔ کس جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ کیا کھلوانا چاہتے ہیں وہ؟"

"سو جاؤ آرام سے سو جاؤ۔ کچھ نہیں کھلوانا چاہتے۔ بس تم سو جاؤ۔" میں نے درد و کرب سے کہا اور قیدی خاموش ہو گیا۔ یہاں کسی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ پتہ نہیں کس طرح انہوں نے عدالت سے میرا ریمانڈ حاصل کر لیا تھا۔ مجھے عدالت میں لے جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ اس سلسلے میں یقیناً انہوں نے کوئی خاص ہی کارروائی کی تھی۔ یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کوشش اور اس کے ہمراہ آنے جانے والے کریتا کے رشتہ داروں نے عدالت میں اپنا کوئی تعلق رکھا ہو۔

بہرطور مجھے پانچ دن تک تھانے میں رکھا گیا۔ میں نے اپنے بیان میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تھی۔ میں نے ان لوگوں سے یہی کہا کہ قتل میں نے نہیں کیا۔

پانچویں دن مجھے تھانے سے جیل میں منتقل کر دیا گیا اور میرا جیل ریمانڈ لے لیا گیا۔ جیل میں ایک کوٹھڑی میں مجھے قید کر دیا گیا۔ میرے اوپر شبہ بہت بڑا تھا۔ یہاں اس کوٹھڑی میں میرے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ بس تاریکی اور تنہائی تھی یا پھر ان زخموں کی اذیت جن پر اب مرہم لگا دیا گیا تھا۔ لیکن میرے زخم

برابر تکلیف دے رہے تھے۔ چھٹی اور ساتویں رات میں مجھے قدرے سکون محسوس ہونے لگا۔ اس رات میں نے اپنے آپ پر غور کیا۔ اور ایک بار پھر میرا ذہن ڈانواڈول ہونے لگا۔ اسپرا میرے ذریعے جو جرائم کرا رہی ہے اس میں مجھے کیا عار ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کی مرضی کے مطابق کام کرتے رہنا چاہیے۔ اس میں کیا حرج ہے۔ ویسے بھی تو زندگی جا رہی ہے اور اب میں اپنی دنیا میں کبھی واپس نہیں لوٹ سکتا۔ سلطان اور دوسرے لوگ نہ جانے کہاں رہ گئے تھے۔ کوئی میری مدد کو نہیں آ سکتا۔ بس مجھے اب ان تمام مسئلوں سے ہی نمٹنا ہے کہ اسپرا ہے۔

اسپرا کی بات جب تک مان رہا تھا۔ واقعی مجھے کوئی تکلیف نہیں تھی۔ لیکن میری اپنی ضد نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا تھا۔ اور میں جانتا تھا کہ مجھے بالآخر ایک نہ ایک دن پھانسی پر چڑھنا ہو گا۔ "ذلیل عورت! کہاں مر گئی تو۔ خدا تجھے غارت کرے۔" میں نے کراہتے ہوئے کہا۔ اور دفعتاً میرے کانوں میں اسپرا کی ہنسی ابھری۔ یہ ہنسی مجھے اپنے پنجرے کی کوٹھڑی کے ایک کونے میں سنائی دی تھی۔

"اوہ! تو تم یہاں موجود ہو۔"

"میں کہاں جاؤں گی جانِ من! تم سے دور کہاں جاؤں گی۔ تمہارے بارے میں تو مجھے مکمل معلومات رکھنا ہوتی ہیں۔ میں موجود ہوں۔ کہو کیا بات ہے؟"

"مجھے اس کرب سے نجات دلادے۔ مجھے اس اذیت سے نجات دلادے۔ میں تیری ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔ میں تیرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آہ مجھے اس عذاب سے نجات دلا دے۔"

"کیا واقعی سچ کہہ رہے ہو تم؟"

"ہاں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ میں اب تیرے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"سوچ لو بابر داد خان!"

"سوچ لیا میں نے اسپرا! میں نے سوچ لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں تیرے چنگل سے کبھی نہیں نکل سکتا۔"

"تمہیں نے تو میری دنیا برباد کی تھی بابر داد خان! اب تم ہی میری دنیا آباد کرو گے۔ بہرحال ٹھیک ہے آزاد ہو جاؤ گے۔ فکر مت کرو اور سنو اب تمہاری اس زندگی میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ تم ایک مفرور مجرم ہو گے۔ تمہیں زمانے کی نگاہوں سے چھپنا ہو گا لیکن اس سلسلے میں میں تمہیں ایک ترکیب بتا سکتی ہوں۔ میں تمہیں ایسے لوگوں کے پاس پہنچا

دوں گی جو تمہیں ایک نئے نام سے یاد کریں گے اور تمہاری زندگی میں کچھ دوسرے مسائل بھی شامل ہو جائیں گے لیکن ان کے ساتھ تم عیش کرو گے مجھے: عیش کرو گے تم۔"

"مگر کون لوگ ہیں وہ اور میں یہاں سے کیسے نکل سکوں گا؟"

"یہ تمہیں کل معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون لوگ ہیں اور تم کیسے نکلو گے لیکن میری ایک بات سنو۔ تمہارا نام اب بابر دادخان نہیں بلکہ تم شیرو ہو۔ شیرو کی حیثیت سے تمہیں نئے نئے کردار ملیں گے۔ میں تمہیں ان کے بارے میں اطلاع دیتی رہوں گی کہ کرنا کیا ہے۔ تم کسی سلسلے میں پریشان مت ہونا۔ جو کچھ وقت کی ضرورت ہوگی۔ میں تمہارے کانوں میں انڈیلتی رہوں گی۔ تم وہی سب کچھ بن جانا جو وہ لوگ چاہتے ہیں۔ اور وہ جو کچھ کہتے رہیں۔ تمہیں بہت سی جگہوں پر اداکاری بھی کرنا ہوگی۔ اس اداکاری کے بغیر تمہاری زندگی ممکن نہیں ہے۔ اگر تم نے اپنے آپ کو شیرو نہ ثابت کیا تو پھر تم شاید مصیبتوں میں گرفتار ہو جاؤ۔ اس بار تم قتل کے جرم کے ساتھ ساتھ جیل سے فرار کے مجرم بھی بن جاؤ گے۔ سمجھے۔"

"ٹھیک ہے تو میرا نیا نام شیرو ہوگا۔"

"ہاں، شیرو۔ اور شیرو کی حیثیت سے تمہیں بہت سے نئے کردار ملیں گے۔ اپنے آپ کو الجھانے کی کوشش مت کرنا۔ بس جس طرح حالات کہتے رہیں۔ ویسے ہی بن جانا۔ تمہارے دل و دماغ میں سب کچھ آتا رہے گا۔ جو تمہاری ضرورت ہوگی۔ میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"تو بس آج کی رات گزار لو کل دن میں کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔" اپسرا نے کہا اور اس کے بعد آواز بند ہو گئی۔ میرے دل میں خوشی کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ یہ سب کچھ تو میں نے بحالت مجبوری کیا تھا۔ میں اس کم بخت کے لیے قتل و غارت گری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اپنے بچاؤ کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی۔ لوگ تو اذیت دے دے کر مجھے مار ڈالیں گے۔ اور بالآخر مجھے اس زندگی سے محروم ہونا پڑے گا۔ زندگی بڑی حسین شے ہوتی ہے۔ کوئی بھی مرنا نہیں چاہتا۔ میں بھی مرنا نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ میری زندگی میں اب رہ کیا گیا تھا۔ لیکن بار بار میں جذباتی ہو جاتا تھا۔ اور جذباتی ہو جانے کے بعد میں اپنا سب کچھ کھو بیٹھتا تھا۔ اگر اپسرا کی بات سے انکار کرتا تو شاید بمبئی ہی میں زندگی گزار رہا ہوتا۔ اور بمبئی کوئی بری جگہ نہیں تھی۔

بہرطور رات کسی نہ کسی طرح گزاری۔ دوسرے دن صبح کے ناشتے کے بعد بیٹھا ہی ہوا تھا کہ دفعتاً جیلر کا ایک آدمی میرے پاس پہنچا اور مجھے کوٹھڑی سے نکال لیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے جیلر کے دفتر میں پہنچا دیا گیا۔ جیلر ایک ہنس مکھ اور ملنسار قسم کا آدمی تھا۔ قد آور تھا۔ اور شکل و صورت سے سیدھا سادا شریف آدمی نظر آتا تھا۔ اس کے سامنے ایک مونچھوں والا شخص بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جس کا بدن بھاری تھا۔ بائیں کنپٹی سے لے کر ٹھوڑی تک زخم کا ایک گہرا نشان بنا ہوا تھا۔ گال بُری طرح پچکے ہوئے تھے۔ تن و توش میں خاصا زبردست تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"یہی ہے میرا شیرو یہی ہے۔"

"مگر جناب! یہ تو بابر داد خان کے نام سے یہاں آیا ہوا ہے۔"

"بکتے ہیں۔ سب بکتے ہیں۔ جیلر جی! تم مجھے جانتے ہو کہ میں کون ہوں۔ کیا میں غلط کہوں گا؟"

"نہیں خان! تم غلط نہیں کہہ سکتے۔ لیکن میں کیا جواب دوں گا۔"

"جیلر! میرے سلسلے میں کوئی جواب دینے کی ضرورت رہ جاتی ہے جو اس بارے میں پوچھے اس کے سامنے تم میرا نام لے دینا۔"

"ٹھیک ہے خان بابا! تم اسے لے جا سکتے ہو۔"

میں حیران رہ گیا۔ یہ جو کچھ جتنی آسانی سے ہوا تھا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے لیے تو بڑے بڑے منصوبے بنائے گئے تھے۔ پولیس آفیسرز اور دوسرے لوگ میرے لیے بچانے کیا کیا کچھ کر رہے تھے۔ بہرطور یہ شخص جو خان بابا کی حیثیت سے آیا تھا اور جس نے مجھے شیرو کہہ کر مخاطب کیا تھا یقیناً کوئی ایسا ہی آدمی تھا جس کی اطلاع مجھے دے دی گئی تھی۔ چنانچہ میں نے بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔

اس شخص نے مجھے گلے سے لگایا میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور مجھ سے کہنے لگا۔

"جان کیسے پہنچ گئے تھے یہاں۔ شیرو تو اپنا کسی کے قابو میں آنے والا نہیں تھا۔ چلو چلو بہت سے لوگ تمہارے منتظر ہیں۔ ہم آج ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ بڑی مشکل سے پتہ چلا تھا کہ تم یہاں جیل میں موجود ہو۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپسرا میرے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھی۔ اور مجھے تمام تر صورت حال بتا رہی تھی۔ اور اس صورت حال کو سن کر میں

دنگ رہ گیا تھا۔

میری تو واقعی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ مجھے ایسے ایسے کردار ادا کرنے تھے کہ خود میرے لیے ممکن نہیں تھے۔ لیکن اپسرا کے زیر ہدایت مجھے وہی کچھ کرنا تھا جو وہ چاہتی تھی اگر وہ نہ کرتا تو پھر جیل کے سلاخوں کے علاوہ میرے لیے کوئی اور جگہ موجود نہ تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ نئی زندگی میرے لیے کیسی ہوگی۔ خان بابا مجھے جیل سے باہر نکال لایا تھا۔

باہر نکل آنے کے بعد وہ بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔ باہر کی دنیا بدلی بدلی محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں نہ جیل کے سپاہی تھے نہ بیرکیں تھیں نہ پتھریلی دیواریں نہ لوہے کی سلاخیں۔ چوڑی سیاہ سڑکیں بلند و بالا عمارتیں۔ بھاگتے دوڑتے لوگ۔ دکانیں، ٹھیلے، گاڑیاں یہ تمام منظر چند ہی دنوں میں مجھے عجیب سا لگنے لگا تھا۔

میرے قدم گویا زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں میں ایک لرزش سی تھی۔ پتہ نہیں یہ خواب تھا یا حقیقت جو کچھ پیچھے رہ گیا تھا وہ خواب تھا جو کچھ سامنے موجود ہے وہ خواب ہے۔ اپسرا نے میری ساری ذہنی صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ مجھے خوف سا محسوس ہوا کہ کوئی مجھے نیند سے بیدار نہ کر دے اور میں دوبارہ سلاخوں کے پیچھے نہ پہنچ جاؤں۔

خان میرے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی سنجیدگی مجھے حیرت انگیز لگ رہی تھی۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ ایک ریسٹوران کے سامنے پہنچ گیا۔ چند لمحات کے بعد ہم دونوں ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کھانوں کی مست خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ چائے کی پیالیاں کھنک رہی تھیں۔ خان نے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"کیا پیو گے؟"

"چائے۔" میں نے تھکے تھکے لہجے میں جواب دیا۔

اور اس نے چائے منگوائی۔ پھر بھاری بھاری لہجے میں بولا۔

"دیکھو۔ جیل میں۔ میں نے وہ کیا جو کچھ کہنا ضروری تھا۔ تمہیں بمبئی روانہ ہونا ہے۔ وہاں پہنچ کر [illegible] اس جگہ جانا ہے۔ جہاں سے تمہارے لیے دشمنی کا آغاز ہوا تھا۔ وہاں تمہیں بہت سے لوگ ملیں گے۔ شیرو! تم جانتے ہو تمہیں کیا کرنا ہے۔ میں زیادہ دیر تک تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ اس کے بعد حالات تمہیں خود سنبھالنے ہیں۔ چائے پیو اور یہاں سے اٹھ چلو۔ اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ اور ہاں رقم کی ضرورت ہو تو جتنی چاہو لے لو لیکن کام وہی سب کچھ کرنا ہے جو تمہیں معلوم ہے۔"

"ٹھیک ہے خان!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

ان جملوں کی ادائیگی میں میری اپنی کوششوں کو دخل نہیں تھا۔ میں تو ایک سحر کے زیر اثر کام کر رہا تھا۔ اور یہ سحر مجھے نجانے کہاں کہاں بھٹکانے لے جا رہا تھا۔ چائے پینے کے بعد ہم وہاں سے اٹھ گئے۔ خان تھوڑی دور چلنے کے بعد مجھ سے جدا ہو گیا۔ یہ کردار میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی ہو جو اپسرا کی طرف سے صرف میری رہائی کے لیے بھیجی گئی۔ لیکن جیلر اس کے سامنے اتنا نرم کس طرح ہو گیا تھا۔ یہ بات اس دن بھی نہیں بلکہ اس دن سے آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔

بہرطور میں تنہا رہ گیا تھا۔ چلتے وقت خان نے میری جیب میں چھوٹے اور بڑے نوٹوں کی ایک دو گڈیاں ڈال دی تھیں۔ جن کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں تھی۔ لیکن کم از کم اتنی ضرور تھی کہ میں کام چلا سکتا تھا۔

خان نے مجھ سے کہا تھا کہ میں دوبارہ بمبئی واپس چلا جاؤں۔ بمبئی میں تو میں ایک شاندار زندگی گزار چکا تھا اور اس کے بعد وہاں سے جس انداز میں بھاگا تھا۔ اسے میرا دل ہی جانتا تھا۔ بڑی پریشانی کے عالم میں تھا۔ اس وقت اندر سے میرا حال بڑا خراب تھا۔ وہی بے بسی مایوسی خوف ایسا لگتا تھا۔ جیسے اس پوری دنیا میں کوئی میرا شناسا نہ ہو۔ میں بالکل تنہا تھا۔ خان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانے کے بعد میں آگے بڑھتا رہا اور فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بالآخر ایک کھمبے کے قریب پہنچ گیا۔ مجھ سے اب ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھایا جا رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اس کھمبے سے سر ٹکرا کر جان دے دوں۔

پتہ نہیں کس مصیبت سے یہ وقت گزارا پھر میں نے سوچا کہ اپسرا سے وعدہ تو کر ہی چکا ہوں جو اس نے کہا ہے۔ چنانچہ رخ اسٹیشن کی طرف کر دیا۔ سامنے شہر میں روشنیاں ہی روشنیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ روشنیوں کا کوئی صحرا نظر آ رہا تھا۔ میرا بس چلتا تو میں اس شہر کو آگ لگا دیتا۔ ان شہروں میں اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے۔

اسٹیشن پر مسافروں کی بھیڑ زیادہ نہیں تھی۔ میں نے ایک جگہ منتخب کی اور اپنا بازو سر کے نیچے رکھ کر نڈھال سا زمین پر لیٹ گیا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

اسٹیشن پر ہونے والے شور سے مجھے وحشت ہو رہی

تھی۔ بمبئی جانے والی گاڑی کے بارے میں معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اور ٹکٹ بھی خرید لیا تھا۔ مجھے اس نیم بے ہوشی کی کیفیت میں پڑے ہوئے کوئی آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ میں نے اپنے قریب کسی کی سرسراہٹ محسوس کی۔ شاید کوئی مسافر ہوگا۔ یہ خیال کر کے میں کروٹ بدلے بغیر ایسے ہی پڑا رہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک شخص کا ہاتھ میرے گریبان پر تھا۔ دوسرے کا جیب میں۔ میرے اچانک بیدار ہو جانے سے وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے اور دوسرے ہی لمحے میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بجائے اس کے کہ میرے جاگ جانے سے بھاگ جاتے مجھ پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک نے ناک کے پاس ٹکر لگایا۔ دوسرے نے پیٹ میں گھونسا مارا اور میں دوہرا ہو گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈالنے والے شخص نے فوراً میری جیب میں دوبارہ ہاتھ ڈالا اور دوسرے نے میرا گریبان پھاڑ دیا۔ میں نے اسی تکلیف کے عالم میں اپنا سر اس کے سینے پر مارا اور وہ دھڑام سے پلیٹ فارم کی سخت زمین پر جا پڑا۔ اس اثنا میں جو شخص جیب سے روپے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے ہاتھ میں روپے نہیں آسکے تھے۔ یا اس نے اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اس نے جیب سے ہاتھ نکال کر مجھ پر وار کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں پکڑ لیا۔ اور پھر اس کے پیٹ میں اتنی زور سے ٹکا مارا جتنی زور سے اس کے ساتھی نے مجھے مارا تھا۔ وہ کراہتا ہوا اپنے ساتھی کے قریب ڈھیر ہو گیا۔ میں نے وہاں سے فوراً بھاگ نکلنے کا ارادہ کیا لیکن چند قدم آگے مجھے دو اور غنڈوں نے گھیر لیا۔ اس دوران پہلے والے غنڈے بھی آ گئے۔ اور اب میں بری طرح ان کی گرفت میں تھا۔ انہوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔

پھر وہ میری تلاشی لینے لگے۔ میں اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیتا لیکن میرے پاس جو روپے تھے وہ میرا آخری سہارا تھے۔ میں نے ان کی منت کی کہ مجھے چھوڑ دیں۔ میں ایک غریب اور بے گھر آدمی ہوں لیکن ان میں سے ایک نے میری جیب سے روپے نکال لیے۔ اس کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔

"ابے باپ رے! یہ دیکھو بھائی! اس کی جیب میں تو بڑا مال ہے۔" اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"اور دیکھو۔ اور دیکھو اور بھی کچھ ہوگا جلدی کرو!" دوسرے غنڈے نے کہا۔

"میرے روپے واپس کر دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" میں نے سوچے بغیر کہا۔

"مزدور مزدور۔ ہم تجھے سویرے ناشتے کے کھانے کے پیسے ضرور دیں گے۔ بتا اور مال کدھر ہے؟"

"روپے واپس کر دو۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"اسے چیختا ہے بدمعاش۔" اس نے ایک الٹا ہاتھ میرے منہ پر مارا اور دوسرے لمحے میرا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر جا پڑا۔ میرا ہاتھ اتنا زوردار تھا کہ ایک لمحے کے لیے وہ سن کھڑا رہ گیا۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے چاقو نکال لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آتا جا رہا تھا۔ میں یونہی کھڑا ان دونوں کو گھورتا رہا۔

"یہ چاقو ابھی تیرے پیٹ میں اتر جائے گا۔ جان پیاری ہے تو باقی مال بھی میرے حوالے کر دو۔" میں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور دوسرے لمحے میں نے چاقو والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر میرے ہاتھ میں منتقل ہو گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اس شخص کی گردن پکڑ لی۔ جس نے میرے روپے نکالے تھے۔

"نکالو روپے۔ ورنہ یہ چاقو تمہارے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔" میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر دونوں گڈیاں نکال لیں۔ اور اپنی جیب میں منتقل کر لیا۔ اسی وقت دو سپاہیوں کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ گشت سے آتے نظر آ رہے تھے۔ سپاہیوں کو دیکھ کر ان کے حلیے خراب ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے ان لوگوں نے دوڑ لگا دی تھی۔ اور میں اپنے پیسے سنبھال ہی رہا تھا کہ سپاہی میرے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے میرا حلیہ اور چاقو دیکھ کر ——— سنسنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ اور اپنے ڈنڈے سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔

"کون ہو تم؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"ایک مسافر ہوں۔" میں نے تھکی تھکی آواز میں جواب دیا۔ پولیس والا بولا۔

"یہاں کون تھا؟ ابھی یہ شور کیسا ہو رہا تھا؟"

"وہ تین بدمعاش تھے۔ مجھے لوٹنا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ روپے میری جیب سے نکال لیے تھے۔ اور پھر چاقو میرے سینے پر رکھ کر مجھ سے مزید رقم کا مطالبہ کر رہے تھے کہ میں نے چاقو چھین لیا۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر وہ لوگ بھاگ گئے۔"

"چاقو دیکھ کر بھاگ گئے یا ہمیں دیکھ کر؟" ان میں سے ایک

نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی کہہ لیجیے۔ قسمت نے آپ کو بھی وقت پر بھیج دیا ہے۔"

"جھوٹ بڑی کامیابی سے بول لیتے ہو استاد! یہ سچ بتا دو کیا ماجرا تھا؟"

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ وہ حقیقت ہے۔ ان کا چاقو میرے پاس ہے۔ آپ نے انہیں بھاگتے ہوئے دیکھا ہوگا۔"

"یہ چاقو تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ کہاں رہتے ہو؟ اور کیا نام ہے تمہارا؟"

"میرا نام بابر داد خان ہے اور میں جیل سے رہا ہوا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اوہ! تازہ تازہ رہا ہوئے ہو اور اس کے فوراً بعد ہی کارروائی شروع کر دی۔"

"دیکھیے صاحب! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس میں ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے۔"

"بکواس کرتے ہو۔ مجھے تم کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اس شہر میں تمہیں کوئی جانتا ہے؟"

"کوئی نہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ ہر شہر میں کوئی نہ کوئی جاننے والا موجود ہو۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"یہ چاقو ادھر لاؤ۔" ان میں سے ایک بولا۔ اور میں نے چاقو اس کے حوالے کر دیا۔

"معاملہ کچھ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔ شاید تمہارا ڈاکہ ڈالنے کا پروگرام تھا۔ تم نے اپنے ساتھیوں کو بھگا دیا۔"

"حوالدار صاحب! آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ دیکھیے میں زخمی ہوں۔ مجھے بچانا ہے۔ اور اگر مجھے ڈاکہ ہی ڈالنا ہوتا تو میں بھی ان لوگوں کے ساتھ فرار ہو جاتا۔"

"تمہیں تھانے چلنا ہوگا۔"

"مگر میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"جرم؟" وہ چاقو لہراتے ہوئے بولا۔ "کیا یہ جرم نہیں ہے۔ رات کے وقت یہاں بیٹھنا، شور شرابہ کرنا کیا جرم نہیں ہے؟ باقی جرم تھانے دار صاحب عائد کریں گے اور وہ صبح سے پہلے تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ جب تک کہ انہیں اس معاملے میں آج رات صحیح سلامت گزرنے کا یقین نہیں ہوگا۔ چلو!"

"دیکھو تھانیدار صاحب! میں بمبئی جا رہا ہوں۔ میں نے بمبئی جانے کا ٹکٹ بھی لے رکھا ہے۔ اگر تم نے مجھے بمبئی نہ جانے دیا۔ تو یہ ٹکٹ بے کار ہو جائے گا۔" میں نے ٹکٹ ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ اور حوالدار نے ٹکٹ میرے ہاتھ سے چھین لیا۔

"یہ ساری باتیں میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس نے فیصلے لہجے میں جواب دیا۔ "چور ڈاکو اسی قسم کے بہانے کرتے ہی رہتے ہیں۔ چلو، تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

میں نے بہت منت سماجت کی ان لوگوں کی۔ شہر میں کوئی ایسا نہیں تھا جس سے میں تعلق کا حوالہ دیتا۔ اس وقت مجھے اندازہ ہوا کہ آدمی دنیا میں تنہا نہیں رہ سکتا۔ اس کی بنیاد ضرور ہونی چاہیے۔ کسی محلے، کسی گروہ اور کسی گھرانے سے اس کی وابستگی ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں پولیس والے بھی رہتے ہیں۔ انہیں سب سے زیادہ ضرورت شناخت کی پڑتی ہے۔ اگر میں ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتا۔ تو وہ لمحے میں سیٹی بجاتے اور پھر اسی طرح اور بھی بہت سے پولیس والے بھی آ جاتے اور اس کے بعد مجھے دوبارہ پھر جیل میں منتقل کر دیا جاتا۔ خان تو مجھے رہا کرانے کے بعد جا چکا تھا۔

وہ کون تھا! کیا تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ اس بارے میں مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ دفعتاً مجھے اسپلر کا خیال آیا۔ جب اس نے مجھے جیل سے رہا کرایا ہے تو وہ باقی معاملات بھی سنبھالے گی۔ یہ سب کچھ میرا اپنا مسئلہ تو نہیں تھا۔ میں تو اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے لیے اب جیل سے نکلا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا۔

"سنو حوالدار جی! میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ آپ مجھے وہاں لے جا کر اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"سب مجرم ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔"

"آپ مجھے مجرم کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"چلو ملزم کہہ لو۔" حوالدار جی نے قانون جھاڑا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" میں نے برہم ہو کر کہا۔

"کیا؟" اس نے میرا چہرہ دیکھ کر ڈنڈا سنبھالا لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرے لمحے اس کو جھٹکا دیا۔ ڈنڈا دور جا گرا۔ حوالدار ایک دم مجھ پر حملہ آور ہو گیا۔ دوسرے حوالداروں نے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اب ان کی پٹائی شروع کر دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے بدن میں کون سی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ لیکن میرے مکے ان لوگوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا رہے تھے۔ میں نے ان لوگوں کی خوب مرمت کی اور پھر دوسرے لمحے ایک حوالدار اپنی سیٹی بجانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ

کواب اس کے بعد بہت سارے سپاہی آجائیں گے اور شاید ان سب سے بچنا میرے لیے ممکن نہ ہو۔ سیٹیوں کی آوازیں چاروں طرف ابھر رہی تھیں۔ ہیبت ناک آوازیں جو تیر کی طرح دل میں اترجاتی تھیں۔

میں بھوک اور بخار کی ناتوانی میں اس گلی سے اس گلی بھاگتا رہا۔ سپاہیوں نے مجھے معاف نہیں کیا تھا۔ ایک طرف سیٹی بجتی تو ہر طرف سیٹیاں بجنے لگتیں۔ تب مجھے خود کو ایک شکستہ دیوار کی اوٹ میں چھپانا پڑا۔

وہاں مرغیاں بند تھیں۔ میری آہٹ پر مرغیوں میں افراتفری پھیل گئی۔ وہ شور کرنے لگیں۔ میں چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ یہ کسی گھر کا ٹوٹا ہوا حصہ تھا جو کبھی مکان کے اندر شامل ہوگا۔ آدھی چھت سلامت تھی اور آدھی کی گنی چنی اینٹیں ادھر ادھر بکھری پڑی ہوئی تھیں جو حصہ محفوظ رہ گیا تھا اب اس میں مکان تھا۔

مکان کے ایک چھوٹے سے حصے میں سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"کون ہے؟" میں دم سادھے پڑا رہا۔ مرغیاں اب بھی کڑکڑا رہی تھیں۔ ایک عورت نے لرزتے ہوئے ہاتھ میں جلتی لالٹین باہر نکالی اور پھر لرزتی آواز میں بولی۔

"کون ہے؟" وہ چند قدم آگے بڑھی اور دوسرے ہی لمحے کوئی چیز میری پشت پر آ کر لگی۔ میری کراہ نکل گئی۔ اگر میں اسی طرح پڑا رہتا تو وہ پتھر مار مار کر میرا حلیہ خراب کر دیتی۔ چنانچہ میں لڑکھڑا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

باہر سیٹیاں گونج رہی تھیں۔ میں کسی دوسری جگہ پناہ بھی نہیں لے سکتا تھا۔ یہ بھی خوف تھا کہ عورت کے گھر والے جاگ کر شور نہ مچا دیں۔ میں نے آہستگی سے جواب دیا۔

"میں — میں ایک مظلوم انسان ہوں۔ یقین کرو میں چور نہیں ہوں بس ایک بے گناہ آدمی ہوں جس کے پیچھے پولیس خواہ مخواہ لگ گئی ہے۔"

"بے گناہ!" عورت خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"ہاں بہن! میں چور نہیں ہوں۔ تم یقین کرو میں چور نہیں ہوں۔" میں نے کہا۔

"بہن!" وہ عجیب سی آواز میں بولی۔ اس آواز میں محبت کا رس گھلا ہوا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا: "یہاں کیوں چھپے بیٹھے ہو؟"

"کچھ دیر میں چلا جاؤں گا۔ یقین کیجئے آپ کی کسی چیز پر ہاتھ نہیں ڈالوں گا۔ آپ اطمینان سے سو جائیں۔"

"تم۔ مگر یہ پولیس آخر تمہارے پیچھے کیوں لگی ہوئی ہے؟"

"براہ کرم ابھی یہ سوالات نہ کریں۔ پولیس والے قریب آ رہے ہیں کچھ دیر کے لیے روشنی بند کر دیجئے اور خاموش ہو جائیے۔" عورت نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ پھر اس نے میری بات مان لی۔ اس نے لالٹین کی بتی مدھم کر دی تھی۔ اور اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔

مرغیاں بھی شاید اپنی مالکن کی آواز پہچان کر اب خاموش ہو گئی تھیں۔ دیوار کے قریب وہ سیٹیوں اور لاٹھیوں کی آوازیں آئیں۔ پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ اس عورت نے لالٹین پھر تیز کر لی تھی۔

"آپ کا شکریہ۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔" یہ کہہ کر میں شکستہ دیوار سے ٹیک لگا کر باہر جانے لگا۔

"سنو!" اس نے مجھے جاتے دیکھ کر روکا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ چند قدم آگے بڑھ آئی تھی پھر اس نے دروازہ کھولا اور باہر برآمد ہو گئی۔ تیس بتیس سال کی ایک عورت تھی۔ سفید لباس میں ملبوس۔

"تم نے مجھے بہن کہا ہے۔ بہن کا مان جانتے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں، کچھ نہیں جانتا کچھ بھی نہیں جانتا۔" میں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہن ایک مقدس ہستی ہوتی ہے اور بھائی خواہ ماں جائے نہ ہوں جب بہن کے گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کے تقدس کا خیال رکھتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟"

"اگر تمہارے پاس رات بسر کرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے تو تم یہاں ٹھہر سکتے ہو۔ مگر صبح ہونے سے پہلے چلے جانا۔"

"شکریہ، میں ٹرین میں سفر کرنے والا تھا۔ بمبئی جانے کا ارادہ ہے۔ کچھ غنڈوں نے مجھے لوٹنے کی کوشش کی۔ غنڈے تو بھاگ گئے لیکن پولیس والوں نے مجھے ہی چور سمجھ لیا اور مجھے تھانے لے جانے لگے۔ لیکن میں تھانے نہیں جانا چاہتا۔"

"اندر آجاؤ۔ میں جانتی ہوں کہ بے گناہ ہی مصیبتوں کا شکار ہوتے ہیں۔"

"نہیں، نہیں، نہیں۔" میں نے نرم لہجے میں کہا: "تمہیں میری وجہ سے پریشانی ہوگی۔"

"کوئی حرج نہیں ہے آجاؤ۔" اس نے مخلصانہ لہجے میں کہا۔ اور میں مجبور ہو گیا پھر میں اس کے پیچھے پیچھے جھجکتا سا مکان میں داخل ہو گیا۔ کسی زمانے میں یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت مکان ہوگا۔ لیکن اب کھنڈر نظر آ رہا تھا۔ رات کو یہاں کی ویرانی کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ اس نے مجھے برآمدے کی چوکی پر بٹھا دیا۔ پھر خود اندر جا کر شاید بستر کا انتظام کرنے لگی۔ پھر وہ مجھے شکستہ کمرے میں لے گئی۔ جہاں ایک چارپائی پر صاف ستھرا بستر بچھا دیا گیا تھا۔ اس گھر میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ایک اجنبی کے لیے یہ ایثار بڑی حیرت کی بات تھی۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"یہاں آرام کرو۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو۔"

"نہیں، میری وجہ سے تمہیں بہت تکلیف ہوئی ہے۔ بہن! اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔"

"کیا تم یہاں تنہا رہتی ہو؟"

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔ میرا شوہر مر چکا ہے اور میں بیوہ ہوں۔ دو بچیاں ہیں میری۔ ایک میرے پاس ہے۔ دوسری کو میرے عزیز ازراہ کرم لے گئے ہیں۔ اس لیے کہ میں ان کی کفالت نہیں کر سکتی۔"

"اوہ!" میں نے آہستہ سے کہا اور پھر نجانے کیوں میرے دل میں ایک خیال آیا۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوے سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔ اور اس میں سے کچھ نوٹ کھینچ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"بھائی کہا ہے آپ نے مجھے۔ بہن کے مان کا حوالہ دیا ہے۔ میں ایک بدنصیب بھائی ہوں۔ بہن کے لیے اور تو کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ حقیر سی رقم رکھ لیجئے ایک بھائی کی طرف سے۔" میں نے رقم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! مجھے ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ اپنے اس رات کے ٹھہرنے کی قیمت ادا کرنے جا رہے ہو۔ بھائی بہن کے گھر میں قیمتیں ادا کر کے نہیں ٹھہرتے۔"

"دیکھو، جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ میرے ضمیر کی آواز ہے۔ اگر تم نے مجھے ٹال دیا تو شاید میں یہاں نہ رک سکوں۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ یہ ساری باتیں فضول ہیں۔ دولت انسان کی ضرورت ضرور ہوتی ہے لیکن ہر جگہ نہیں۔"

"اس کے باوجود اسے رکھ لو ورنہ مجھے دکھ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی اگر تم اس ایک رات کی کہانی میرے دل پر نقش کرنا چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے لاؤ دے دو۔ بتاؤ تمہارے لیے کھانے کو کچھ لاؤں؟"

"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔ صرف ایک گلاس پانی پلا دو۔ شاید مجھے بخار ہے۔"

"توبہ۔ آج تو تم بچ گئے۔ مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ ایک شریف انسان میرا مہمان ہے۔ مگر تمہیں تو بخار ہے۔ لاؤ مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ۔" اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر میری کلائی پکڑ لی۔ بڑا نرم تھا۔ بڑا مغرور تھا اور بڑا اعتماد تھا۔ اس ہاتھ کی گرفت میں۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"ارے واقعی تمہیں تو سخت بخار ہے۔ بہرطور خدا کا شکر ہے کہ میں تمہارے کسی کام آسکی۔ میں تمہارے لیے چائے بنالاتی ہوں۔ چائے پی کر لیٹ جاؤ اور سونے کی کوشش کرو۔"

میں نے گردن ہلا دی۔ وہ باہر چلی گئی تھی تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک پیالی میں چائے لے آئی۔

میں نے خاموشی سے چائے پی۔ اس دوران وہ میرے سامنے ہی کھڑی رہی تھی۔ پھر میں بستر پر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی جسم جیسے کسی نے بھٹی میں جھونک دیا ہو۔ کئی دن کی مسلسل تھکن سے حالت پہلے ہی خراب تھی۔ اب بستر کے احساس نے تمام طاقت چھین لی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہوش و حواس چلے گئے ہوں۔ نجانے کب تک وہ بے چاری وہاں رکی رہی اور نجانے — میں عالم بخار میں کیا کیا بکتا رہا۔ جب میں ہوش میں آیا تو میں نے محسوس کیا کہ میرے بدن پر کئی لحاف پڑے ہوئے ہیں۔ وہ میرے ماتھے پر بھیگا ہوا کپڑا رکھ رہی تھی۔ اور قریب ہی اس کی بچی ایک تسلے میں کپڑا بھگو بھگو کر اسے دے رہی تھی۔ میں نے بے چینی سے اٹھنے کی کوشش کی تو اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"لیٹے رہو بھیا لیٹے رہو۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہیں پسینہ آگیا۔ ورنہ تمہاری حالت تو کافی خراب تھی۔"

"کیا وقت ہوا ہے؟" میں نے کمزور لہجے میں پوچھا۔

"صبح قریب ہے۔"

"تو مجھے چلنا چاہیے۔" میں نے اٹھنے کا ارادہ کیا تو میری آنکھوں تلے اندھیرا سا چھا گیا۔ سارا کمرہ گھومنے لگا۔

"تم اس حالت میں کہیں نہیں جا سکتے۔"

"مگر میں یہاں رہ بھی تو نہیں سکتا۔"

"مگر تم جاؤ گے کیسے؟" وہ فکرمندی سے بولی۔

"کسی نہ کسی طرح اسٹیشن تک پہنچ ہی جاؤں گا۔" وہ

ٹرین تو نکل گئی جس سے مجھے سفر کرنا تھا۔ اب کسی دوسری ٹرین سے سفر کروں گا۔"

"ہوں، بہر طور اس وقت تک یہاں قیام کرو جب تک کہ تمہاری حالت بہتر نہ ہو جائے۔ اس حالت میں میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔" اس کے لہجے میں ایک حکم سا تھا۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ اس وقت جب کہ مجھے شناساؤں کی ضرورت تھی، مجھے شناسا نہ ملا تھا اور اب یہ اجنبی شناسا کتنی یگانگت کا اظہار کر رہی تھی۔ زمانہ بھی کیا چیز ہے۔ انسان کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کر سکتا۔ ہر سلسلے میں وہ حالات اور وقت کا تابع ہے۔ میں خاموش ہو گیا۔

اس بے چاری نے دن بھر میری خدمت کی تھی۔ اس کی چھوٹی سی معصوم سی بچی مجھے ماما ماما کہہ کر پکار رہی تھی۔ اور نجانے کیوں میرے دل میں ان کے لیے گداز پیدا ہو گیا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ دنیا کے جھگڑے چھوڑ کر یہیں رہ پڑوں۔ اس کی خدمت کر کے اپنا وقت گزاروں۔ بچی کو سچ مچ ماما کا پیار دوں اور ایک اچھے انسان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں۔

اس وقت نجانے کیوں مجھے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔ اپنے عزیز و اقارب یاد آ رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ انہیں تلاش کروں۔ کوئی نہ کوئی تو مل ہی جائے گا۔ جس طرح پونا میں مجھے اپنے ایک رشتہ دار مل گئے تھے۔ ممکن ہے میرے اہل خاندان اور بھی قرب و جوار میں موجود ہوں۔ ان میں سے کچھ نہ کچھ منتشر ضرور ہو گئے ہوں گے۔ حویلی میں تبدیلیاں ضرور ہوئی ہوں گی لیکن کہیں نہ کہیں سے ان کا پتہ مل جائے گا۔ آج تک میں نے کبھی ان کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن آج نجانے کیوں مجھے بار بار ان کی یاد آ رہی تھی۔

دوپہر کو عورت نے میرے لیے مرغی کا شوربہ بنایا۔ مرغی تو اس کے گھر میں موجود تھی۔ اس نے ذبح کر لی ہو گی۔ شوربہ پینے کے بعد بدن میں توانائی سی آ گئی تھی۔ بخار بھی اب اتر گیا تھا۔ شاید یہ کسی معمولی تھکاوٹ کی موجودگی کی وجہ سے وہ رک نہ سکا تھا۔ شام کو میری حالت بالکل بہتر ہو گئی اور میں مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"بہن! میں تمہارے اس احسان کا زندگی بھر بدلہ نہ لوٹا سکوں گا۔ مجھے اب جانے کی اجازت دو۔"

"اگر مناسب سمجھو تو ایک آدھ دن اور رک جاؤ۔ تم سے کچھ ایسی محبت ہو گئی ہے کہ جی نہیں چاہتا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"بہن! مجھے جانے دو۔ میری زندگی تمہارے لیے بھی پریشانیوں کا باعث بنے گی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو گا۔ بچی کا ساتھ ہے۔ میں اپنا منحوس سایہ تمہاری بچی پر نہیں پڑنے دینا چاہتا۔"

"نہیں بھیا! وہ تمہیں ماما کہہ رہی ہے۔ ماموں کبھی منحوس نہیں ہوتے۔"

"اس کے باوجود مجھے جانا ہے۔ تم مجھے روکنے کی کوشش نہ کرو۔ میرے حالات کچھ ایسے ہیں کہ میں تمہیں کچھ بتا بھی نہیں سکتا۔"

"میں پوچھوں گی بھی نہیں، لیکن زیادہ عرصے نہ سہی کچھ دن ہی رک جاؤ۔"

"نہیں بہن! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے اجازت دو۔" شام کے جھٹپٹے جب رات کی سیاہی میں تبدیل ہو گئے تو میں وہاں سے نکل آیا اور اسٹیشن کی طرف چل پڑا۔ اب میں اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ توانائی میرے اندر کہاں سے در آئی تھی۔

بہرطور میں نے بمبئی کا ٹکٹ لیا اور مقررہ وقت پر ٹرین میں سوار ہو کر بمبئی چل پڑا۔ سفر کے دوران میرے ذہن کی کیفیت کچھ عجیب سی رہی۔ نجانے کیا کیا ذہن میں آ رہا تھا لیکن سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔ یادیں کیا دیتی ہیں سوائے تکلیف کے۔

آدھی رات کا وقت تھا۔ ٹرین کے مسافر گہری نیند سو رہے تھے۔ باہر رات کے سناٹے دوڑ رہے تھے اور میں خاموشی سے کھڑکی سے باہر رات کے سناٹوں پر نگاہیں جمائے نجانے کیا تلاش کر رہا تھا کہ دفعتاً میرے کانوں میں وہی سرگوشی گونجی۔

"بابر داد خان نیند نہیں آ رہی۔"

"اوہ... تم... تم..."

"ہاں ہمیشہ تمہارے پیچھے رہنے سے نفرت محسوس کرتی ہوں لیکن اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ بالفعل مجھے تو صرف اپنے کام سے غرض ہے۔ بابر داد خان تم تو وہ شخصیت ہو جس نے مجھ سے میرا ماضی چھین لیا، جس نے مجھ سے میری حکومت چھین لی۔ تم نے مجھ سے وہ سب کچھ چھین لیا جس پر میں ناز کرتی تھی۔ میرے نام میں ایسی طاقت ہوتی تھی۔ لوگ میرا نام لے کر جاتے تھے، میرا نام لیتے ہوئے سہم جاتے تھے۔ تم نے مجھے کتنی چیزوں سے محروم کیا ہے بابر داد خان۔ اس کے بعد بھی اگر تم یہ سمجھو

کہ میں تم پر رحم کروں گی یا تمہارے دل میں یگانگت کا کوئی تصور رکھوں گی تو یہ تمہاری حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔"

"تم یہ فضول بکواس مجھ سے کیوں کر رہی ہو۔ میں کب کہتا ہوں کہ تم میرے بارے میں کسی اچھے انداز میں سوچو۔"

"تم کہتے نہیں ہو لیکن تمہارے لہجے کی نفرت بار بار مجھے اس بات کا احساس دلاتی ہے۔"

"ہاں میں تم سے نفرت کرتا ہوں اپسرا میں تم سے بے پناہ نفرت کرتا ہوں۔ مجھے تمہارے نام سے گھن آتی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے بابر داد خان۔ یہی میری کامیابی کی دلیل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تم نہیں سمجھ سکو گے۔ فضول باتوں سے گریز کرو۔ میں نے تم سے گفتگو کرنے کے لیے تم کو مخاطب نہیں کیا ہے بلکہ میں تمہیں کچھ اور بتانا چاہتی ہوں۔"

"بتاؤ۔ ویسے پچھلی رات تم کہاں مر گئی تھیں۔ حبیدہ لوگ میرے ساتھ زیادتی کر رہے تھے۔"

"یہ تو زندگی کے معاملات ہیں۔ تم کیا سمجھتے ہو کیا میں ہر لمحہ تمہارے ساتھ لگی رہوں گی۔ کیا میں تمہاری غلام ہوں جو ہر لمحہ تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔ تم خود بھی مرد ہو، انسان ہو۔ اپنے لیے سب کچھ کر سکتے ہو۔ ہاں جہاں میں ضرورت محسوس کروں گی کہ میرے بغیر تم آگے نہیں بڑھ سکتے وہاں میں تمہاری مدد کروں گی۔ چونکہ تمہیں بھی میری مدد کرنا ہے۔ تمہیں مجھے وہ مقام دینا ہے جو خود تمہارے ہاتھوں چھن گیا ہے۔"

"کاش میں تجھے فنا کر سکتا اپسرا۔ کاش میں تجھے ختم کر سکتا۔"

"انسان جو کام نہ کر سکے اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔"

"ٹھیک ہے اس وقت تو مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"دیکھو بابر داد خان اس لہجے میں مجھ سے گفتگو نہ کرو۔ تم میری مخالفت مول لے کر نتائج دیکھ چکے ہو۔ بہت کم وقت باقی رہ گیا تھا تمہاری پھانسی میں۔ یقیناً آج سے چند روز بعد تمہارا بدن بے جان ہوتا اور تم ایک رسی میں لٹکے پھڑک رہے ہوتے۔ کیا تمہیں وہ منظر پسند تھا؟"

"نہیں پسند تھا۔ اسی لیے تو تیرے احکامات پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"پھر اپنے اندر ذرا سی نرمی اور ملاوت پیدا کرو۔ اب تم جس ماحول میں جا رہے ہو وہ بلاشبہ تمہارے لیے اجنبی ہے لیکن میں تمہیں تمہاری صحیح پوزیشن بتا دوں گی جیسا کہ اس شخص نے بتایا تھا جس کا نام خان تھا تو تمہارا نام بابر داد خان سے بدل کر اب شیر دل کر دیا گیا ہے۔ شیر دل کی حیثیت سے تمہیں بمبئی میں بائیکلہ کے علاقے میں پہنچنا ہے جہاں سنگھٹ نامی ایک شخص غنڈہ ہے۔ تمہیں سنگھٹ سے اپنے حساب کتاب چکانے ہیں۔ تم بے فکر رہو۔ غنڈوں سے مقابلہ کرتے وقت جو تمہاری حالت ہوئی تھی اب نہ ہو گی کیونکہ میری قوتیں تمہارے ساتھ ہیں۔ میں تمہیں جس حیثیت سے وہاں بھیج رہی ہوں اس کا اہل بھی بنا رہی ہوں۔ چاقو تمہارے ہاتھ میں ایک کھلونے کی طرح ہو گا اور تم اسے اس طرح استعمال کرو گے کہ کوئی تمہارا ثانی نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ بھی تمہارے بدن میں کچھ ایسی قوتیں ابھار دی ہیں جس سے تم اپنا مقام حاصل کر لو۔"

"لیکن آخر ان فضول حرکتوں سے تجھے کیا ملے گا؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ سوال میرے لیے بے مقصد ہے اور میں اس کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔"

"پھر تو کیا پسند کرتی ہے؟"

"صرف یہ کہ تم میرے احکامات پر عمل کرتے رہو۔ اپنے ذہن سے کچھ نہ سوچو۔ اپنے ذہن کو میرے حوالے کر دو۔ میں جو چاہوں گی تم سے کام لے لوں گی اور جب میرا مقصد پورا ہو جائے گا تو میں تمہیں چھوڑ دوں گی۔ ہاں یہ میرا وعدہ ہے کہ میں اپنی اصل زندگی حاصل کرنے کے بعد تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے مجھے کچھ اور تفصیل بتا۔" اپسرا تقریباً ایک گھنٹے تک مجھ سے گفتگو کرتی رہی۔ اسی دوران اس نے مجھے جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لئے دلچسپ تھا۔ پہلے ہی وہ مجھے سب کچھ بتا چکی تھی اور میں اسی پر غور کر رہا تھا لیکن اب جو اس نے مجھے تفصیل بتائی اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس کی آواز بند ہو گئی اور ٹرین کے پہیوں کا شور جاری رہا۔ یہاں تک کہ صبح کی روشنی پھوٹنے لگی۔ بمبئی کا سفر ابھی کافی تھا اور مجھے یہ وقت کرب کے عالم میں گزارنا تھا۔ ویسے میں یہ سمجھ چکا تھا کہ اپسرا جو کہ اب دوبارہ میری مدد کے لئے آمادہ ہو گئی ہے اس لئے مجھے اب کوئی دقت نہیں ہوگی اور اس نے جو میرے بدن کی توانائیوں کے بارے میں کہا تھا تو درحقیقت مجھے اس کا احساس ہو گیا تھا کہ پہلے سے بہت زیادہ توانا ہو گیا ہوں۔ بالآخر میں بمبئی پہنچ گیا۔ بمبئی میرے لئے کوئی اجنبی جگہ نہیں تھی۔ یہاں اپنی اصل حیثیت میں میں نے بہت سارا وقت گزارا تھا۔ یہیں مجھے وہ کیفیت ملی تھی اور یہیں سے اس نے مجھے رضا مسعود کے بیٹے کے قتل پر آمادہ کیا تھا۔ اس بمبئی میں میں نے حسین کو بیا کو قتل کیا تھا۔ یہ احساسات جب بھی میرے ذہن میں آتے، میرے ذہن میں ہنگامے سے ہونے لگتے۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہ انگارے مجھے سوائے جلنے کے اور کچھ نہ دے سکیں گے۔ میں اپنی فطرت کو بدلنا چاہتا تھا۔ بالآخر میں نے ایک ہوٹل میں قیام کیا اور کچھ گھنٹے بسر کرنے کے بعد بادل کے اس علاقے میں داخل ہو گیا۔ جہاں سنگھٹ نامی شخص سے مجھے ملنا تھا۔

جب میں سنگھٹ کے اڈے پر پہنچا تو وہاں چند افراد اور بھی موجود تھے۔ سنگھٹ نے میری جانب دیکھا۔ میں نے ایک ہی نگاہ میں اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ حالانکہ میں نے زندگی میں پہلی بار اسے دیکھا تھا لیکن میرے ذہن میں جو کچھ چھایا ہوا تھا اس کی بنا پر وہ شخص میرے لئے اجنبی نہیں تھا۔ سنگھٹ نے مجھے دیکھا اور حیرت و تعجب سے اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات پھیل گئے تھے۔ پھر وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے سارا حساب کتاب بند کر دیا تھا جو وہ کر رہا تھا۔ نوٹوں کی بہت سی گڈیاں اس کے سامنے تھیں۔ اس نے ساری گڈیاں ایک طرف سرکا دیں۔ اس کے چہرے پر حیرت کا تاثر تھا پھر وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"تو تم آ گئے۔۔؟"

"ہاں سنگھٹ۔ میں آ گیا ہوں۔"

"میں تمہیں ایک بات بتا دوں شیرو۔۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"کہو کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے حیرت ہوئی ہے۔"

"کیوں۔؟"

"میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم یہاں آنے کی جرأت کرو گے۔" سنگھٹ بولا۔

"سنگھٹ اگر یہ بات تمہارے وہم و گمان میں نہیں تھی تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تم بے وقوف ہو۔" میں نے کہا۔

"ہوں۔ میں کیا ہوں اس کا اندازہ ابھی تمہیں ہو جائے گا لیکن تم کیا ہو اس کا اندازہ بھی میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس کا اندازہ کرنے میں بھی تمہیں دیر نہیں لگے گی سنگھٹ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور سنگھٹ نے گردن ہلا دی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے ایک دوسرے سے ملائے اور پھر دونوں سائڈ میں کھول دیئے۔ اس کے تھوڑے سے آدمی دو حصوں میں بٹ گئے تھے۔ انہوں نے قطاریں بنالی تھیں۔ اب ان میں سے ہر شخص کے پاس چاقو نظر آ رہا تھا۔ میں ان کے درمیان آرام سے کھڑا ہوا تھا۔

"ہاں چیلے تو تیرا نام شیرو ہے۔۔؟"

"ہاں میں شیرو ہوں تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو سنگھٹ۔"

"میرا خیال تھا کہ بادل کی حمایت حاصل کرنے کے بعد تو یہاں سے بھاگ کر نکل جائے گا۔ بادل نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ اس نے میری کمائی اب اس کے ساتھ ہوگی۔ میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے اگر وہ تیری حمایت کرتا ہے تو تو نکل جائے گا۔ لیکن جانتا ہے تو نکل سکتا تھا لیکن بادل نہیں نکل سکتا تھا۔ میں اپنا نقصان مع سود کے وصول کرتا ہوں۔ مجھے میرا نام سنگھٹ ہے۔"

"ہاں اور یہ تیرے کل پر زندہ رہے۔ کیوں۔ بات اصل میں یہ ہے سنگھٹ کہ میں دوسروں کے بل پر نہیں اکڑتا۔ میرے اپنے بازو کافی مضبوط ہیں۔ آزماؤ گے؟"

"ضرور ضرور۔" سنگھٹ نے خونخوار انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کی مسکراہٹ بڑی بھیانک تھی پھر اس نے کہا۔

"تیری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تو اکیلا نہیں آیا۔ بادل کے اندر بھی بہت سے تیکھے آئے ہوں گے۔ تیرے ساتھ کتنے آدمی موجود ہیں باہر؟" اس نے سوال کیا اور میری مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ اپسرا نے جو حالات مجھے بتائے تھے ان کے تحت بہت سے واقعات میرے علم میں آ چکے تھے۔ سنگھٹ کے خیال سے بادل میرا سرپرست تھا۔ بادل بھی یہاں کے غنڈوں کا دادا تھا۔ ویسے میں نے کبھی اس سے پہلے اس کا نام نہیں سنا تھا۔

"اس کا اندازہ تو تم خود ہی باہر نکل کر لو سنگھٹ فی الحال تو یہاں میں تنہا ہوں۔"

"اور ہم دس آدمی ہیں۔" سنگھٹ ہنستے ہوئے بولا۔

"یہی تو مزے کی بات ہے۔ سنگھٹ میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ان دس آدمیوں میں کتنے میرے حصے میں آئیں گے۔ تو اگر چاہے تو میں دروازہ کھول دوں کچھ اور آدمیوں کو اندر بلا لے۔ دروازہ بعد میں دوبارہ بند کر دیا جائے گا۔"

"ارے واہ میرے شیرو۔ تو گویا یہ آدمی تیری نگاہ میں بہت کم ہیں۔ بہرحال کوئی بات نہیں اگر تم نے انہیں مار دیا تو اس وقت میں اپنے دوسرے آدمیوں کو نہیں بلاؤں گا۔ لیکن ایک بات سنو۔"

"سناؤ۔ سناؤ ضرور سناؤ۔" میں نے کہا۔

"یہاں سے تم اپنی ٹانگوں پر واپس نہیں جاؤ گے۔ یہ سنگھٹ کا عہد ہے۔"

"تو پھر تم بھی سنو میں باتوں میں وقت ضائع نہیں کروں گا تم بھی ذمہ دار آدمی ہو اور میں بھی۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔؟"

"میرے ساتھ" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "جو تمہارا دل چاہے تم ہی آزاد ہو"

"چلو بے شروع ہو جاؤ۔" سنگھٹ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اس کے آدمی تیار کھڑے تھے۔ وہ دو مختلف سمتوں میں ہو کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے تاکہ آرام سے لڑ سکیں۔ سنگھٹ بڑی دلچسپ نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔" اس نے کہا۔

"چاقو تم جاؤ گے، تمہارے اڈے پر آ لیٹے تو سب مل کر حملہ کرو گے تو کوئی مزے کی بات نہ ہوگی۔ ایک ایک کر کے لڑو۔ جاد کا اس کے اپنے چاقو کا ہاتھ اور یہاں سن۔ اسے صرف ٹانگوں پر مارنا۔ ٹانگوں سے اوپر مت مارنا بس زخمی کر کے لٹا دینا۔ یہ بہرحال بھی ہے۔ بے بہادر آدمی کسی کے بل پر اکڑ رہا ہے۔ یہ بعد ہی میں پتہ چلے گا۔" سنگھٹ نے کہا اور ایک قوی ہیکل آدمی اس گروہ سے علیحدہ ہو کر میرے سامنے آ گیا۔

وہ مجھ سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا اور یہ بہت ہی اچھی بات تھی۔ مجھے بھی لطف آ رہا تھا۔ مجھے صرف اسی سے مقابلہ کرنا تھا۔ بکریاں سمجھا جائے، ایک نمونہ رکھنا تھا اور اس نمونے کے لئے میں پوری طرح تیار تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلے ہی قدم میں ان پر رعب ڈال دوں گا تاکہ اس کے بعد ان کی آگے کی جرأت ختم ہو جائے۔ چنانچہ میں تیار ہو گیا۔

قوی ہیکل، رحمت نے اپنا چاقو ہاتھ میں لے لیا تھا جبکہ میں نہتا تھا ہم دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے اور قوی ہیکل آدمی مجھے جھکائیاں دینے لگا لیکن میں نے اسے اس طرح سے نظر انداز کر دیا تھا جیسے اس کا چاقو میری نگاہ میں کوئی ناقص سی شے ہو جس سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔

اس شخص کو اس بات پر بہت غصہ آیا تھا۔ اس بار اس نے

ہاتھ ماہر کے آگے بڑھایا۔ اس بے ہاتھ کے بارے میں بھی میں نے اندازہ
لگا لیا تھا کہ یہ وار کرنے والا ہاتھ نہیں بلکہ صرف مجھ کو الجھانا مقصود ہے۔
اس تیسری بار جب اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو میں نے اس کے ہاتھ
پر ہاتھ ڈال دیا اور دوسرے لمحے میں نے ایسے جھٹکا دیا کہ اس کا جوڑ
اکھڑ گیا۔ وہ اندازہ لگا نہ پایا تھا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں اور اسی
میں وہ مار کھا گیا۔

میں نے اس کے اکھڑے ہوئے بازو کو پکڑ کر اسے الٹ دیا اور
دوسرے لمحے وہ زمین پر گر پڑا۔ وہ انتہائی کرب کے عالم میں اپنی چیخیں
روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ساتھی بھی حیران تھے اور سراسیمگی سے
اپنے ساتھی کو دیکھ رہے تھے جو اٹھنے کی کوشش کرنے کے باوجود
اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ کا برا حال ہو گیا تھا۔ چاقو زمین
پر گر پڑا تھا۔ اگر میں چاہتا تو اس چاقو کو اٹھا کر با آسانی اس کے پیٹ
میں گھونپ سکتا تھا۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور مسکراتے ہوئے
سنگھٹ کی طرف دیکھا۔ پھر ٹھوکر مار کر چاقو ایک طرف اچھال دیا۔

اس بار سنگھٹ کے دو آدمی آگے بڑھے تھے۔ اگر اس نے تعداد بڑھا
لی تھی۔ وہ نہایت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے اور میں پوری
طرح ہوشیار تھا۔ اس سے پہلے وہ میرے لڑنے کا انداز دیکھ چکے تھے۔
چنانچہ اس بار وہ دونوں محتاط تھے۔ چنانچہ میں نے ان کے ہاتھوں کے
رخ پہچان لیے تھے۔ چنانچہ اپنی جگہ سے ہلے بغیر میں نے اپنے پیچھے کھڑی
[illegible] پر ہاتھ ٹکا دیے اور گھوم کر ان میں سے ایک کے لات رسید
کی اور دوسرے کے گھٹنے کی ٹھوکر سے نشانہ بنایا۔ میں نے انتہائی پھرتی سے
یہ کام کیا تھا۔ گرے ہوئے لوگوں کو اٹھنے کی مہلت دینا حماقت تھی
اور یہاں داؤ دکھانے والی بات بھی نہیں تھی۔

چنانچہ میں نے ان کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وہ چاقوؤں کے
ماہر ہوں گے لیکن ٹھوکروں میں انہیں سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ صرف
چند منٹ لگے اور انہوں نے گھٹنوں میں ڈال دیں۔ اس کے بعد انتظار
فضول تھا۔

میں نے دونوں چاقو اٹھائے اور ان پر ٹوٹ پڑا۔ سنگھٹ
کو صورت حال کا اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا تھا۔ کئی چیخیں فضا
میں ابھریں اور سنگھٹ کے حواس گم ہو گئے۔ وہ مجھے وہیں چھوڑ کر
دروازے کی جانب دوڑ پڑا۔ لیکن میں اس کی طرف سے غافل
نہیں تھا۔ میں ابھی اپنی جگہ سے اچھلا اور میری زبردست ٹھوکر
سنگھٹ کے منہ پر پڑی۔ سنگھٹ کے دانتوں کی [illegible] غائب ہو گئی
تھی۔ وہ اپنا منہ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اپنے باس کی یہ حالت دیکھ کر وہ
لوگ سہم گئے جن کی میں ٹھکائی کر رہا تھا اور پھر وہ بھی ہٹ کر
دیوار سے جا لگے۔

"بس دادا بس بس۔" [illegible] ان میں سے ایک

ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اور میں نے چاقو والا ہاتھ روک لیا۔

"کیا خیال ہے اب تمہارا۔۔۔؟"

"خیال کیا دادا۔۔۔ بات ختم ہو گئی۔۔۔"

"ہوں، تم میں سے کسی اور کو مقابلہ کرنا ہے۔۔۔؟" میں نے ان
سب کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں دادا نہیں۔ پر سنگھٹ کیا بولتے ہو۔" ابھی میں سے
ایک نے پوچھا جو خون تھوک رہا تھا۔

"مارو، زندہ مت چھوڑو اسے، زندہ مت چھوڑو۔" وہیں
سے کر سنگھٹ خون کی قے کرتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن کھڑا ہونے
کی ہمت بھی نہیں تھی اس میں۔۔۔ میں نے سنگھٹ کی گردن میں
ہاتھ ڈالا اور اس نے مجھ سے لپٹ جانے کی کوشش کی لیکن میں
نے اس کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھایا اور نیچے
پھینک دیا۔ پھر میں نے دو ٹھوکریں اس کی پسلیوں پر رسید کیں
اور سنگھٹ بری طرح چیخ پڑا۔

دیوار سے لگے ہوئے لوگ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی پٹائی دیکھ رہے تھے
میں سنگھٹ کو بری طرح دھن رہا تھا اور سنگھٹ کے حواس
جواب دیتے جا رہے تھے۔

"بس کر۔ بس کر۔۔۔ مر جاؤں گا۔۔۔" اس نے کرب زدہ انداز
میں کہا۔

"تم تو ہمیں پرچارک تھے دادا، ہو، اب کیا کہتے ہو سنگھٹ" سنگھٹ
کے ایک آدمی نے پوچھا۔

"بکواس مت کر۔ میں تیری گردن اتار دوں گا۔" سنگھٹ
غرا کر بولا۔

"ارے چھوڑو سنگھٹ دادا، گردن اتارنی ہی ہے تو اس
کی اتارو، ہم پر تم ہمیشہ ہی رعب مارتے رہتے ہو۔"

"سنگھٹ اب کیا چاہتے ہو۔۔؟"

"چاہوں گا کیا شیرو، تو نے پالا مار لیا ہے۔ آج سے
علاقہ تیرا۔" اور دوسرے لمحے چاروں طرف سے شیرو دادا زندہ
باد، شیرو دادا زندہ باد کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ان میں سے
ایک نے کہا۔

"دادا بہت دن سے تم جیسا کوئی نہیں دیکھا۔" میں نے سنگھٹ
کا گریبان پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا تھا۔

"اب تو معاف کر دے دادا، اب کیا جھگڑا ہے۔" وہ بولا۔

"یہ سب کیا ہے؟" میں نے سنگھٹ سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، یہ علاقہ اب تیرا ہے، یہاں کا اصول ہے۔ طاقت کی
زبان سمجھتے ہیں اور اب تو یہاں کا دادا ہے۔ سب کو [illegible] میری۔"

"اوہ یہ بات ہے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں دادا یہی بات ہے۔ اب تم ہمارے دادا ہو۔" سنگھٹ بولا

چکا ہے۔ ان لوگوں نے بیک وقت کہا۔

"اور اس کا کیا ہوگا۔" میں نے سنگھٹ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"جو تمہاری مرضی دادا۔ اپنے ساتھ رکھنا چاہو تو رکھ لو، ورنہ
کہیں چلا جائے گا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ میں نے سنگھٹ کی جانب
دیکھا۔ وہ ایک کونے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے اب بھی خون
بہہ رہا تھا۔ پھر کچھ اور لوگ اندر گھس آئے۔ ان کی تعداد پندرہ بیس
سے کم نہیں تھی۔ انہوں نے سنگھٹ کو دیکھا اور پھر نیچے پڑے ہوئے
لوگوں پر نظریں ڈالیں جو خاصے لٹے پٹے ہو گئے تھے۔ پھر وہ مجھے
دیکھنے لگے۔

"شیرو دادا کون ہے؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"یہ سامنے جو کھڑا ہے۔" پٹنے والوں میں سے ایک نے میری
طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔۔۔!" آنے والوں نے حیرت سے پوچھا۔ "سنگھٹ
دادا تمہیں کیا ہوا؟"

"ٹھیک ہے، سنگھٹ اب ختم ہو گیا۔" سنگھٹ نے بمشکل
تمام کہا۔

پورے ہال میں اب شیرو دادا کے نعرے گونج رہے تھے۔
سنگھٹ کے چہرے پر خفت اور افسردگی تھی۔

"حکم کرو شیرو دادا کیا حکم ہے۔ میرا نام کالا ہے اور
میں سب آدمیوں کو کنٹرول کرتا ہوں۔" ایک لمبے چوڑے آدمی
نے کہا۔

"سالا تمہیں تو کوئی دھوکا نہیں ہے۔۔۔؟"

"نہیں دادا۔ کالا اب تمہارا غلام ہے۔" کالا نے کہا۔

"تم بھی سنگھٹ۔۔۔"

"ہاں دادا۔۔۔"

"تب غور سے سنو۔ اس اڈے کی آمدنی کیا ہے؟"

"حساب دے دیں گے دادا۔۔۔"

"ہوں۔" میں نے گردن ہلائی اور سنگھٹ کو سہارا دے
کر کھڑا کر دیا۔

"سنگھٹ یہ علاقہ بدستور تمہارے پاس رہے گا۔ اڈہ بھی
تم ہی چلاؤ گے، لیکن حصہ آدھا آدھا ہوگا۔ کیا سمجھے۔"

"شیرو دادا ٹھیک ہے۔ جو تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔" سنگھٹ
نے کہا۔ "مگر اب یہ اڈہ تمہارے نام ہی سے چلے گا۔ یہ اصول ہے۔ اب
شیرو کا اڈہ ہے اور ہم سب تمہارے چیلے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور پھر کالا کی طرف دیکھ کر بولا۔

"اس کی مرہم پٹی کراؤ۔ اس کے بعد حساب ہوگا۔" میرے حکم کی تعمیل کی

گئی تھی اور یوں الیاس کی ہدایت کے مطابق بمبئی میں میں نے
ایک نئے انداز میں قدم رکھ دیا۔ میں جانتا تھا کہ اپنے طور پر میں کچھ
بھی نہیں ہوں۔ صحرائے اعظم کی وحشی بلا مجھ سے نہ جانے کیا چاہتی
تھی۔ کم بخت نے میری شخصیت ہی بدل کر رکھ دی تھی۔ کہاں
میں ایک شریف اور سیدھا سادا انسان جس نے ساری زندگی شرافت
سے گزاری تھی اور کہاں یہ بدمعاشوں کا اڈہ۔ لیکن میں کیا کرتا
اس نے مجھے جس روش پر لگایا تھا، مجھے اسی پر کام کرنا تھا ورنہ
موت تو مجھے چاروں طرف سے دبوچنے کے لیے آمادہ تھی۔ الیاس
نے مجھے ہدایات دی تھیں اور کہا تھا کہ میں بمبئی جا کر اس طرح سے
اپنے قدم جماؤں۔ سچی بات تو یہ تھی کہ مجھے مار دھاڑ سے کوئی دلچسپی
نہیں تھی اور نہ ہی کبھی بدمعاشوں سے میرا واسطہ رہا تھا اور نہ
ہی میں ان کے اسرار و رموز جانتا تھا، لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا

جھونکے — مسعود آباد سے فوزیہ عباسی کا نسخہ

نیویارک کی ایک تحقیقی جماعت کا کہنا ہے کہ اگر آپ اپنے
ادارے کی کارکردگی میں اضافہ چاہتے ہیں تو اپنے دفاتر بھینی بھینی
خوشبو سے بھر دیجیے۔ تحقیقی جماعت نے تحقیق کے لیے ایک سو
بیس افراد کا انتخاب کیا۔ انھیں دفتر میں لکھنے پڑھنے کے عام کام
انجام دینے تھے۔ آدھے لوگ ایسی جگہ رکھے گئے جہاں پھولوں
کی ہلکی ہلکی خوشبو تھی۔ باقی لوگ عام جگہ بٹھائے گئے۔ وہاں
خوشبو وغیرہ نہیں تھی۔ خوشبو والے افراد کی کارکردگی دوسروں
کے مقابلے میں پچیس فی صد زیادہ رہی۔

◆

عام چیونگ گم یا چاکلیٹ سے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔ اس
لیے حال ہی میں ایک چیونگ گم تیار کی گئی ہے جو دانتوں کو کیڑا لگنے سے محفوظ
رکھے گی۔ یہ چیونگ گم امریکہ کی [illegible] یونیورسٹی کے شعبہ کیمیا نے
بنائی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دانتوں میں معدنیاتی اجزا
کی کمی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ نئی چیونگ گم میں کیلشیم فاسفیٹ شامل
کیا گیا ہے جس سے وہ کمی پوری ہو جائے گی۔ مزید کیلشیم فاسفیٹ
سیمنٹ اور ٹوتھ پیسٹ میں بھی شامل کیا جا سکے گا۔

کو قتل کریں گے۔ یہ بات ذہن میں رکھو دادا۔ یہ بات تم سے شیرو کہہ رہا ہے۔

"ہاں ہاں سن رہا ہوں، دیکھ رکھا ہے میں نے شیرو کو۔ یہ پستول اپنی جیب میں رکھو اور پھر اپنی قسمت آزماؤ شیرو۔ آگ کے یہ کھلونے تو بچے اچھوں کو نیچا دکھا دیتے ہیں۔"

"دادا کرپان سنگھ آگ کے یہ کھلونے بے شک طاقت آزمائی کے سلسلے میں ناکارہ ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں اس کا موقع مل جاتا تو کیا تم اسے استعمال نہ کرتے۔"

"وہ ٹھیک ہے۔ لیکن اگر تم خود کو واقعی کچھ سمجھتے ہو تو کرپان سنگھ سے خود لڑو اور فیصلہ کر لو۔"

"مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔ میں تم سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے شیرو، اگر تم نے مجھ پر فتح حاصل کر لی تو میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا کرپان سنگھ تمہارا غلام ہوگا۔"

"ٹھیک ہے دادا۔" میں نے کہا اور اپنا پستول سنگھ کے حوالے کر دیا۔ کرپان سنگھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں اس سے بالکل مرعوب نہیں تھا۔ تب اس نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"سنو بھئی! میں نے زبان دی ہے۔ اگر میں مر بھی جاؤں یا ہار جاؤں تو تم میں سے کوئی کچھ نہیں بولے گا۔"

"ٹھیک ہے دادا۔ ہم تمہارے حکم کی تعمیل کریں گے۔" اس کے آدمیوں نے جواب دیا اور کرپان سنگھ تخت سے نیچے اتر آیا۔

جگہ بہت بڑی نہیں تھی لیکن بہر حال مقابلہ تو یہیں ہونا تھا۔ میرے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں تھی کہ میرا مقابل میرے سامنے ہے اور مجھے اس سے ہر طریقے سے نمٹنا ہے۔ بہر طور میں کرپان سنگھ کے مقابل آ گیا۔ وہ خونخوار نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔ چند لمحات ہم دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ پھر کرپان سنگھ نے اپنے حلق سے ایک خوفناک آواز نکالی اور مجھ پر حملہ کر دیا۔

کرپان سنگھ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا اور میں اس کے حملوں کا جواب دے رہا تھا۔ پھر کرپان سنگھ نے میرے سینے پر لات ماری لیکن میں نے اسے زبردست جھکائی دی اور دوسری جھکائی دیتے ہی میں نے اس کے سینے پر ٹکر ماری۔ کرپان سنگھ نے بھی سمجھا تھا کہ یہ بھی جھکائی ہے لیکن میری اس ٹکر نے اس کے سینے کو خاصا شدید نقصان پہنچایا تھا۔ وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا اور بمشکل تمام خود کو سنبھال سکا تھا۔ پھر اس نے دوسری طرف سے مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اس بار میں نے اس کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ میں نے اس کی کلائی کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ کرپان سنگھ ایک بار پھر لڑکھڑا گیا تھا۔ اس کے بعد میری لات اس کی کمر پر پڑی اور وہ دھم سے زمین پر گر پڑا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ پھر میں نے اپنی بے پناہ قوت سے اس کے سر کو دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا اور پوری طاقت سے اس کے سر کو بل دیا۔ کرپان سنگھ کی گردن ٹیڑھی ہو گئی اور دوسرے لمحے میں نے اسے گھسیٹ لیا تھا۔ کرپان سنگھ چاروں شانے چت ہو گیا۔ میں نے اس کے سینے پر پاؤں مارنے کی کوشش کی لیکن وہ تیزی سے پلٹ گیا اور اسی ایک لمحے میں اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میری ٹانگ پکڑ لی لیکن میرا ایک پاؤں آزاد تھا اور یہی اس کے لئے مصیبت بن گیا۔ میں نے ایک زور دار لات اس کے سر پر رسید کی اور کرپان سنگھ کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی۔ اب وہ قطعی طور پر میرے رحم و کرم پر تھا۔

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے کہا۔ "کرپان سنگھ یہ تمہاری شکست ہے۔" اس نے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی جیب سے چاقو نکالا اور میری طرف اچھال دیا۔ دوسرا چاقو اس نے اپنے ساتھیوں سے لے کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

اور اس کے بعد چاقو کی لڑائی شروع ہو گئی۔ دفعتاً میں نے اپنا چاقو والا ہاتھ آگے بڑھایا اور کرپان سنگھ اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو سنبھالا نہیں تھا۔ میں نے دوسرا وار کیا اور میرا چاقو اس کے بازو کو کاٹتا ہوا نکل گیا۔ اس کے بعد کرپان سنگھ برداشت نہ کر سکا وہ پے در پے مجھ پر حملے کرنے لگا۔ لیکن اس کا کوئی حملہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ میں نے چاقو کا وار اب اس کے شانے پر کیا تھا اور اس کے شانے سے خون بہنے لگا تھا لیکن کرپان سنگھ نے خون کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھ پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ پھر میں نے زور سے ہانک لگائی۔

"سنبھلو کرپان سنگھ" اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا بائیں ہاتھ میں لے کر اس کی ران کی طرف بڑھایا۔ کرپان سنگھ نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی لیکن یہ میری چالاکی تھی۔ میں نے چاقو دائیں ہاتھ میں لیا اور اس کے کولہے پر کاری ضرب لگا دی۔ کرپان سنگھ کے حلق سے دھاڑ نکل پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اب اس کی ران خون سے تر بتر ہو رہی تھی اس نے اپنے زخم کو محسوس کیا اور چاقو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا۔

"ٹھیک ہے شیرو دادا۔ تو کامیاب رہا۔" اس نے آہستہ

سے کہا اور میں نے چاقو اس کے پاس پھینک دیا۔

"کرپان سنگھ میں نے پہلے ہی تجھ سے کہہ دیا تھا لیکن بہر طور مجھے افسوس ہے۔"

"ارے نہیں شیرو دادا افسوس کی کیا بات ہے یہ تو فیصلہ تھا جو ہو گیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اپنا زخم دبا رکھا تھا اور اب اسے شاید شفاخانے کے زخم ہی یاد آ رہے تھے۔ ایک بار اس کے قدم لڑکھڑائے اور اس نے ادھر ادھر ہاتھ پھیلا دیئے۔ پھر دہاڑا۔

"دیکھتے کیا ہو۔ مجھے سنبھالو۔"

"نہیں کرپان سنگھ۔ اب ہم تمہارے پابند نہیں رہے۔" ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا۔ اور کرپان سنگھ حیرت سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"ارے ہاں۔ میں بھول گیا تھا۔ ہاں ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا تم مجھے مرہم پٹی کی اجازت دو گے واحد۔ یا میری موت تمہیں پسند ہوگی۔" اس کی آواز میں بے چارگی تھی۔

"ارے چھو۔ واحد کی مرہم پٹی کرو۔" میں نے ڈپٹ کر کہا۔ اور وہ سب دوڑ پڑے۔ اچھا اصول تھا ان لوگوں کا ایک منٹ میں آنکھیں بدل جاتی تھیں۔

کرپان سنگھ کا اڈہ بھی میرے قبضے میں آ گیا۔ یہاں بھی میں نے شکست والے اصول کو اپنایا تھا۔ اڈہ میں نے کرپان سنگھ کے حوالے کر دیا اور اس کی آدھی آمدنی میری ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے دو تین اڈوں پر مزید اسی طرح قبضہ جمایا۔ اب میں بمبئی کے خطرناک لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔

ایک رات بعد الیسرا پھر میرے پاس آئی۔ مجھے اس کی ضرورت محسوس ہو گئی تھی۔

"بابر داؤ خان۔" اس کی آواز ابھری۔

"ہاں کہو۔"

"کیسی گزر رہی ہے۔"؟

"تم جانتی ہو۔"

"خوش ہو۔؟"

"ہاں۔ خوش ہوں تمہارے راج میں۔"

"میں نے تو تمہیں بھی راج کرنے کا موقع دیا تھا۔ تم کیوں راج نہیں کرتے۔ کیوں اس چھوٹے سے مکان میں پڑے ہوئے ہو۔ کوئی خوبصورت سی کوٹھی خرید لو۔ دلرباؤں کو اپنے گرد جمع کر لو۔ زندگی کا پورا لطف اٹھاؤ۔"

"ٹھیک ہے الیسرا۔ لیکن تم بہت دن سے خاموش ہو۔"

"اس کی ایک وجہ ہے بابر۔"

"کیا۔؟"

"میرا شکار تمہارے پاس نہیں پہنچا ابھی تک۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔ ویسے تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔"

"وہ کیا۔؟"

"ممکن ہے اب تمہاری یہ مہم طویل نہ ہو۔ مجھے میرے مقصد کے حصول میں کچھ آسانیاں فراہم ہو گئی ہیں۔ ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد میں تمہارا پیچھا چھوڑ دوں۔"

"یہ کیسے ہوا۔؟"

"میری کوششوں سے۔" اس نے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ پراسرار الیسرا کی کوئی بات سمجھ لینا آسان کام نہیں تھا۔ وہ میری تقدیر کی مالک بن گئی تھی۔ کاش اس سے پیچھا چھوٹ جائے۔ کاش۔ میں حسرت سے سوچ رہا تھا لیکن ساری خواہشیں کہاں پوری ہوتی ہیں، میں اتنا خوش نصیب نہیں تھا۔

"کیا سوچنے لگے بابر داؤ خان۔؟" اس نے سوال کیا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"پھر بھی۔ کچھ تو۔!"

"بہت سے خیالات ہیں ذہن میں۔"

"مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری تشفی کرنے کی کوشش کروں گی۔"

"کیا تم صحرائے اعظم افریقہ واپس چلی جاؤ گی۔"

"ہاں۔ صدیوں سے وہ میرا وطن ہے۔ اس سرزمین پر میری نمود ہوئی۔ مجھے اس سے پیار ہے۔ صحرا کے وحشی میرے عزیز دوست ہیں۔ کچھ بد فطرت جادوگروں نے انہیں بہکا دیا تھا۔ لیکن میں جانتی ہوں وہ معصوم انسان آج مجھے یاد کر کے رو رہے ہوں گے۔"

"اور تمہارے دشمن۔؟"

"یوں تو ہزاروں دشمن ہیں میرے۔ لیکن ایک بدترین دشمن تھا۔ وہ مارا گیا۔ اور اسی کی وجہ سے میں تم سے یہ بات کہہ رہی ہوں کہ میرا کام بہت مختصر رہ گیا ہے۔ جب تک وہ زندہ تھا میرے لئے مشکلات ہی مشکلات تھیں اور میں اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی لیکن اس کی موت کے بعد بہت سکون محسوس ہوا ہے مجھے۔ تم تصور نہیں کر سکتے بابر داؤ خان کہ میں آج کتنی مسرور ہوں۔"

"لیکن تمہارا وہ خاص دشمن تو ما کا زونگا تھا۔"

"ہاں وہی ذلیل انسان، وہی جادوگر جس نے تھوڑا بہت فن سیکھنے کے بعد مجھے چیلنج کر دیا تھا لیکن اس نے دیکھا وہ کس طرح موت کی آغوش میں جا سویا۔"

میں پولیس انسپکٹر کے تعاون پر تیار ہو گیا۔ میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے انسپکٹر۔ میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ قتل میرے آدمیوں نے نہیں کئے۔ اس کے باوجود میں تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"
"ہم تمھارے شکر گزار ہیں دادا۔ کیا تم ہماری مدد کر سکتے ہو؟"
"تم نے جن عینی شاہدوں کا ذکر کیا ہے کیا تم ان سے میرے آدمیوں کی شناخت کرانا پسند کرو گے؟"
"ہاں دادا۔ یہ بات طے ہو گئی۔"
"ٹھیک ہے لیکن اس سلسلے میں، میں پولیس اسٹیشن نہیں آؤں گا۔"
"اس کی ضرورت نہیں ہے دادا۔ آپ اپنی کوٹھی میں ان لوگوں کو بلوا لیں۔"
"نہیں انسپکٹر میں یہ بھی نہیں چاہتا۔"
"کیوں دادا؟"
"اس لیے کہ میں ایک باعزت زندگی گزارنا چاہتا ہوں یہ الگ ہے میری نگرانی میں مزید چل رہے ہیں لیکن انھیں یہ علم نہیں کہ میری دوسری حیثیت کیا ہے۔ تم جس طرح یہاں پہنچے ہو اس کی تو میں داد دیتا ہوں اور یہ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمھیں یہاں کے بارے میں معلومات کیسے حاصل ہو گئیں۔"
"افسوس دادا یہ ہم نہیں بتا سکتے۔ ہاں اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بمبئی کی پولیس نہ تو ان اڈوں کو ختم کرنے کی خواہشمند ہے نہ ہی ان جرائم میں تعاون کرنا چاہتی ہے۔ البتہ ایسے کام جو کہ قانونی طور پر بہت غلط ہیں ہم انھیں کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے یہاں جو کچھ ہوتا ہے پولیس اس سے واقف نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں پولیس اس سلسلے میں ہمدردی بھی ہے" میں نے کہا۔
"ٹھیک ہے دادا۔ یہ باتیں کرنے کی نہیں جو کچھ ہو رہا ہے ہم بھی جانتے ہیں اور تم بھی جانتے ہو۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو جس طرح ہم تمھارے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔"
"میں تیار ہوں۔"
"تو پھر میں تمھارے لوگوں کا جائزہ کب لے سکتا ہوں؟"
"جب تم چاہو۔ عینی شاہدوں کو لے کر کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرو جہاں ہمارے آدمیوں کی شناخت ہو سکے۔"
"ٹھیک ہے دادا۔ میں اس سلسلے میں جلد ہی آپ لوگوں کو اطلاع دے دوں گا۔"

چلے نے پیو رہا۔ میں نے کہا اور ملازم نے جانے کی ایک پیالی بنا کر پولیس آفیسر کے سامنے رکھ دی۔
بھیرو پرشاد خوش اخلاق اور ملنسار طبیعت کا مالک تھا گو میں نیک نام حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن وہ مجھ سے اسی انداز میں پیش آیا تھا جیسے میں کوئی اہم آدمی ہوں۔ میرا بھی فرض تھا کہ میں اس سے تعاون کروں چنانچہ میں نے اس سے تعاون کیا۔ انسپکٹر بھیرو پرشاد نے ان لوگوں کی شناخت کروائی پھر اس کے بعد اس نے کچھ نشانات بھی دیئے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کس شخص نے ہمارے بارے میں یہ نشاندہی کی ہے۔
چنانچہ میں نے پولیس آفیسر سے یہی بات کی کہ وہ شخص کون ہے اس کے بارے میں مجھے بتا دیا جائے۔
"نہیں دادا یہ مناسب نہیں رہے گا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے آپ کا کوئی جھگڑا ہو البتہ ہم اسے بھی دیکھیں گے جس نے آپ پر یہ الزام دینے کی کوشش کی ہے ممکن ہے اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے ہوں۔"
"ٹھیک ہے بھیرو پرشاد اگر مجھ سے تمھاری کوئی مدد ہو سکتی ہے تو میں انکار نہیں کروں گا۔ تم جب چاہو یہاں آ سکتے ہو۔" میں نے کہا۔
"شکریہ دادا۔" انسپکٹر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں پُرخیال انداز میں سوچنے لگا۔ دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ظاہر ہے اب ہماری سرگرمیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہم لوگوں کی نگاہ سے محفوظ بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ ممکن ہے کسی اور بدمعاش نے ہماری نشاندہی کی ہو اور اس طرح ہمیں پھنسانے کی کوشش کی گئی ہو۔
بھیرو پرشاد نے اس کے بعد مجھ سے ملاقات نہیں کی البتہ کبھی کبھی اس کا فون آ جاتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر لیا کرتا تھا۔ چند دن بعد اس نے مجھے اطلاع دی کہ اصلی قاتل پکڑے گئے ہیں۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان کا تعلق ان ہی لوگوں سے تھا جنھوں نے ہماری نشاندہی کی تھی اور ہمیں پھنسانا چاہا تھا۔
میں نے بہت کوشش کی لیکن انسپکٹر نے معذرت کر لی کہ وہ ان لوگوں کا نام لینے سے قاصر ہے وجہ اس نے یہی بتائی تھی کہ اس طرح واقعی ایک دشمنی بن جائے گی اور وہ نہیں چاہتا تھا۔ ٹھیک ہے ہوں۔ بہرحال میں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس دوران میری فرم نے کام کرنا شروع کر دیا تھا اور میں نے علی چیاسنے پر کاروبار کی داغ بیل ڈال دی تھی۔
یوں زندگی نے ایک اور رنگ بدل لیا۔ دوسرا رنگ کوئی

دلچسپ تھا میری فرم میں بہت سے ملازم تھے کچھ لڑکیاں بھی تھیں اور کچھ نوجوان تھے جنھیں میں معقول تنخواہ دیتا تھا۔ فرم کا کاروبار نہایت خاموشی اور سکون سے چل رہا تھا۔ اب میں یہاں اچھے کاروباری کی حیثیت سے مقام پیدا کرتا جا رہا تھا۔
دوسری جانب اڈوں کا کاروبار بھی چل رہا تھا اور میں نے خود کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اور بھی انتظامات کئے تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا میری سوچ میں تبدیلی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ اور بظاہر معاملات پُرسکون تھے۔ زندگی تو ہنگاموں کا نام ہے اگر زندگی میں نت نئی تبدیلیاں نہ ہوتی رہیں تو یکسانیت انسان کو موت کے قریب گھسیٹ لائے۔ میری بھی خواہشات یہی ہوتی تھیں کہ میں زندگی سے قریب تر رہوں۔ اور اس کے لیے میں نت نئے ہنگامے کرتا رہا۔ ابھی تک میری زندگی میں کوئی ایسا حادثہ نہیں آیا تھا جس کو بہت زیادہ عجیب و غریب کہا جا سکتا۔
پھر ایک رات میں اپنی کار میں واپس آ رہا تھا ساڑھے بارہ بجے کا وقت تھا۔ بندرگاہ کے راستے سے گزرتے ہوئے مجھے ایک کار نظر آئی جو الٹ گئی تھی۔ قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ کار میں بیٹھے کون تھا میں نے دور سے اس کار کو دیکھا اور پھر بریک پر پاؤں کا دباؤ ڈال دیا۔ چند لمحات کے بعد میں نے اپنی کار اس الٹی ہوئی کار کے قریب روک دی۔ میں نیچے اتر آیا۔ کار زیادہ تری نہیں تھی چنانچہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے دیکھا کہ الٹی کار میں چند لوگ زخمی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں دو عورتیں تھیں اور دو مرد۔ میں نے غور سے انھیں دیکھا اور پھر انھیں نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ بمشکل تمام کار کا دروازہ کھول کر میں نے ان چاروں کو باہر نکالا۔ ان میں سے کوئی بھی مرا نہیں تھا چنانچہ اب یہ میرا فرض تھا کہ انھیں اسپتال پہنچاؤں۔ وہ سب زندہ تھے البتہ ان کے جسموں سے خون کافی بہہ گیا تھا۔
چند لمحات میں سوچتا رہا اور پھر میں نے ایک فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کو اسپتال لے جانے کے بجائے اپنی کوٹھی میں لے جاؤں اور وہاں ڈاکٹر کو طلب کروں چنانچہ میں انھیں اپنی کوٹھی میں لے آیا کار کو میں نے اسی طرح پڑے رہنے دیا تھا۔
پھر میں نے اپنے ایک شناسا ڈاکٹر کو فون کیا اور وہ میرے پاس آ گیا۔ ڈاکٹر نے ان زخمیوں کو دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا۔
"خوش قسمتی یہ ہے کہ کسی کا خون زیادہ نہیں بہا لیکن کیوں نہ پولیس کو اطلاع دے دی جائے؟"
"نہیں ڈاکٹر میں پولیس کے چکر میں پڑنا نہیں چاہتا

ہاں اگر یہ ٹھیک ہو جائیں تو خود ہی پولیس کو اطلاع دیتے پھریں گے۔" میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر نے گردن ہلا دی۔ وہ میری مرضی کے خلاف پولیس کو اطلاع نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ مجھے جانتا تھا۔ میں زخمیوں کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگا اور رات کے تقریباً چار بجے ان دونوں لڑکیوں کو ہوش آ گیا مرد ابھی تک بیہوشی کے عالم میں تھے۔ انھوں نے ماحول دیکھا اور پھر مجھے دیکھ کر اچھل پڑیں۔
"نہیں نہیں بھگوان کے لیے نہیں، بھگوان کے لیے نہیں۔"
"کیا مطلب؟" میں نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"اوہ۔" میں نے آہستہ سے گردن ہلائی اور پُرخیال انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا پھر میں ان لڑکیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"کیا تمھیں یاد ہے کہ تمھاری کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟"
"کار... ایکسیڈنٹ۔" ان میں سے ایک لڑکی نے آہستہ سے دہرایا اور پھر وہ میری طرف دیکھ کر چونک پڑی۔
"اوہ۔ اوہ۔ کیا تم ان میں سے نہیں ہو۔ کیا تم ان میں سے نہیں ہو۔ وہ بدمعاش وہ بدمعاش ہم دونوں کو اغوا کر کے لے جا رہے تھے وہ ہمیں اغوا کر رہے تھے۔ میں نے ڈرائیور کو زخمی کر دیا تھا اور پھر کار الٹ گئی تھی۔" لڑکی نے کہا۔
"لیکن وہ کون تھے؟"
"ہم نہیں جانتے، ہم نہیں جانتے۔"
"تمھارا تعلق کہاں سے ہے؟"
"بمبئی کے رہنے والے ہیں۔ یہ بمبئی ہی ہے نا؟"
"ہاں بمبئی ہی ہے کیا نام ہے تمھارا؟"
"میرا نام کامنی ہے اور یہ سدھا ہے۔"
"میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ مجھے اپنے گھر کا پتہ بتاؤ تاکہ میں تمھیں وہاں چھوڑ دوں۔"
"بھگوان کی سوگند تم ہمیں وہاں چھوڑ دو گے؟" انھوں نے عجیب سے انداز میں کہا۔
"ہاں کامنی ہاں سدھا میں تمھیں وہاں چھوڑ دوں گا۔"
لڑکیوں نے ایک پتہ بتایا اور میں نے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا جن کے بارے میں مجھے یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ بدمعاش ہیں۔ بہرحال ان لوگوں کا مسئلہ بعد میں نمٹا دیا جائے گا۔ میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اپنے ڈرائیور کے ہاتھ ان کے گھر بھجوا دیا۔ اس کام سے مجھے بڑا سکون ہوا تھا۔ اس کے بعد میں ان دونوں کے ہوش میں آنے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ صبح کو ہوش میں آ گئے۔ مجھے دیکھ کر

ان کے چہروں پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے پھر وہ چونک پڑے۔
"ہم کہاں ہیں؟ کون سی جگہ ہے، کیا ہسپتال ہے یہ؟"
"نہیں بیٹے ہسپتال نہیں ہے پولیس اسٹیشن ہے۔"
"پ پ۔ پولیس پولیس۔ تم۔ تم۔" ان کی آوازیں بند ہو چکی تھیں
"ہاں پولیس اسٹیشن لڑکیوں کو کہاں لے جا رہے تھے تم لوگ؟"
"وہ۔ وہ جی۔ وہ جی۔"
"ہاں ہاں کہو وہ کیا؟"
"وہ ہمارا کوئی قصور نہیں تھا۔ دونوں لڑکیوں کا تعلق ایک فلم ڈائریکٹر سے تھا۔ وہ فلم ڈائریکٹر سے کافی رقم لے چکی تھی اور اب ہم ڈائریکٹر کی رقم سے انہیں زبردستی اغوا کر کے لے جا رہے تھے۔"
"کون ہے وہ ڈائریکٹر؟ نام بتاؤ۔" وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر جب میں نے کڑک کر ان سے پوچھا تو انہوں نے ایک نام دوہرا دیا۔
"ہوں ٹھیک ہے اس ڈائریکٹر سے بھی نمٹ لوں گا تم بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"
"چھوڑ دیجیے سرکار۔ ہمیں چھوڑ دیجیے ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں بس چھوڑ دیجیے۔"
"اچھا تم بھاگ جاؤ یہاں سے اور اس کے بعد اس علاقے کی طرف سے گزرنے کی ہمت نہ کرنا میں اس سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔" ان دونوں کو میں نے اسی حالت میں فرار کر دیا بلاوجہ ایک مصیبت میں پھنسنے سے کیا واسطہ۔ بہر طور مجھے خوشی تھی کہ میں نے ان لڑکیوں کو ان کے چنگل سے بچا لیا۔ اب وہ جانیں اور ان کا کام۔
وقت یونہی گزرتا رہا۔ زندگی میں مختلف حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور لڑکی بھی مجھ سے آ ٹکرائی ایک نازک اندام سی لڑکی تھی۔ معصوم معصوم سے خدوخال کی مالک میری فرم میں ملازمت کے لیے آئی تھی۔ انٹرویو کے لیے میں نے ہی اسے اپنے پاس بلایا اور لڑکی کا معصوم چہرہ دیکھ کر مجھے اس پر ترس آ گیا۔ وہ ایک لفظ بھی نہ بول سکی تھی۔
تم ملازمت کرو گی لیکن انٹرویو میں تو تم نے مجھے ایک لفظ بھی نہیں بتایا۔ دوسرے لمحے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔
"جناب، جناب میں بہت ستم رسیدہ ہوں۔ میں نے زندگی میں کبھی انٹرویو نہیں دیا۔ میں بہت گھبرا رہی ہوں۔ آپ سے، آپ مجھے ملازم رکھ لیجئے۔ ورنہ میرا گھرانہ موت کا شکار ہو جائے گا۔" وہ بولی۔
"اوہ، کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے اس کی درخواست پر دیکھتے ہوئے کہا۔ درخواست پر اس کا نام شاہدہ لکھا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے وہ بھی بول پڑی۔
"جی شاہدہ۔"
"کہاں رہتی ہو؟"
"بارگے روڈ پر۔"
"اچھا شاہدہ ٹھیک ہے۔ میں نے تمہارا اپوائنٹمنٹ کر لیا ہے کل سے تم ڈیوٹی پر آ جاؤ۔" شاہدہ ڈیوٹی پر آنے لگی۔ بڑی ہی ایسی معصوم اور شریف لڑکی تھی۔ کہ آہستہ آہستہ وہ میرے دل میں گھر کرنے لگی۔ حالانکہ میری عمر اس کی عمر سے میل نہیں کھاتی تھی۔ لیکن وہ میری توجہ کو محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے اس کے چہرے پر کچھ ایسے تاثرات دیکھے جیسے وہ میری جانب متوجہ ہو اور میں سنبھل گیا۔ میں اس بیچاری کو بھٹکانا نہیں چاہتا تھا۔ عمر میں وہ میری بیٹی یا پوتی کے برابر ہو گی۔
چنانچہ میں نے اس کے ساتھ مشفقانہ سلوک کر دیا اور جب ایک دن وہ جذباتی ہو گئی تو میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
"تم غلط سمجھیں شاہدہ، میرے دل میں تمہارے لیے کوئی غلط خیال نہیں ہے۔ تم تو مجھے بیٹیوں کی طرح عزیز ہو گئی۔" وہ بُری طرح چونک پڑی۔
"ہاں شاہدہ بیٹی، ہم جو بھی کہو، محبت کے تو مختلف روپ ہوتے ہیں۔ تم مجھ سے وہ توقع نہ رکھو جو ایک عورت مرد سے

اکبر الہ آبادی ایک بار دلی گئے۔ وہ خواجہ حسن نظامی کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک دن اکبر نے دیکھا کہ دو طوائفیں آئیں اور خواجہ صاحب سے تعویذ لے کر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی اکبر نے کہا۔ حضرت، میں تو سمجھتا تھا، اس گھر میں صرف فرشتے نازل ہوتے ہیں، آج تو حوریں بھی اتر آئیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے فی البدیہہ کہا۔

فقیروں کے گھروں میں لطف کی راتیں بھی آتی ہیں
زیارت کے لیے اکثر مسماتیں بھی آتی ہیں

رکھتی ہے۔ تم میرے لیے قابل احترام ہو۔ میں تمہیں بے حد پسند کرتا ہوں۔" جواب میں شاہدہ کی آنکھوں سے آنسو امنڈ پڑے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔
"تمہیں افسوس ہوا ہے شاہدہ۔ میں نے ایک سچی بات کہی ہے۔ بھٹکانے والے تو بے شمار مل جاتے۔ تمہیں میں نے گندگی میں پڑنے سے نکال لیا ہے۔"
"یہ بات نہیں ہے سر، یہ بات نہیں۔"
"پھر کیا بات ہے؟"
"سر، سر، میں آپ کو سچ سچ بتا دوں۔ آپ بُرا تو نہیں مانیں گے؟"
"نہیں مانوں گا بیٹے، جب میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا تو پھر تم اس سلسلے میں پریشان نہ ہو۔"
"سر، میرے دل میں بھی آپ کے لیے وہ احساس وہ جذبات نہیں تھے جو کسی لڑکی کے دل میں کسی مرد کے لیے ہوتے ہیں لیکن میں اپنی یہ ملازمت برقرار رکھنا چاہتی تھی میں نے اپنی دوستوں سے بات چیت کی، اپنے والدین سے میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ میری دوستوں نے کہا کہ یہ فرموں کے جو مالکان ہوتے ہیں وہ نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سر! میں اس دن سے بہت پریشان تھی۔ ایک عرصے تک میں مسلسل پریشان رہی تھی۔ بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی یہ نوکری برقرار رکھنے کے لیے میں آپ سے وہی سب کچھ باتیں کروں گی جن سے آپ خوش رہ سکیں۔ آپ یقین کریں۔ میں نے اپنی شخصیت کو گرا کر اپنے والدین کو زندگی بخشنے کی کوشش کی تھی۔"
"افسوس شاہدہ مجھے بہت افسوس ہے لیکن تم بھی ٹھیک کہتی ہو۔ واقعی اس قسم کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن اب تو تم مجھ سے پہلے سے بھی زیادہ قیمت رکھتی ہو۔ ایک بھائی کی حیثیت سے یا ایک باپ کی حیثیت سے۔" شاہدہ میرے قدموں سے لپٹ گئی۔
"سر آپ بہت عظیم ہیں۔ آپ بہت عظیم ہیں سر!"
اس کے بعد سے شاہدہ میری زندگی میں ایک خاص مقام حاصل کر چکی۔ میں اسے عام لڑکیوں سے مختلف سمجھتا تھا اور اس کی بڑی عزت کرتا تھا۔ میں نے اس کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا تھا۔ کئی بار اس کے گھر گیا تھا۔ ایک نیک اور شریف گھرانے کی لڑکی تھی۔ باپ معذور تھا۔ ماں بے چاری شدید بیمار تھی۔
بہر طور میں اس کی ہر ممکن مدد کرتا رہا۔ اب وہ میری کوٹھی پر بھی آ جاتی تھی اور بہت سے معاملات میں میرا ہاتھ بٹاتی تھی۔ میں نے بارہا اسے منع کیا کہ وہ اس طرح کوٹھی پر نہ آئے کہ کہیں لوگ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں تو اس نے کہا۔
"سر آپ نے مجھے بیٹی کہا ہے نا، بیٹیاں تو بھائیوں کے گھر آتی جاتی رہتی ہیں۔ یہ میرا فرض ہے جو میں کر کے جاتی ہوں۔ کوئی کچھ کہتا ہے کہتا رہے۔"
شاہدہ میری زندگی میں بہت گہرائی میں اتر گئی تھی کہ ایک منحوس شام مجھے اپسرا کی آواز سنائی دی۔ اور میں اس کی آواز کو سن کر چونک پڑا۔
"یار داد خان!"
"اوہ! اپسرا تم!"
"ہاں، میں۔"
"خیریت۔ کوئی خاص بات ہے۔ بہت دنوں کے بعد تم مجھ سے مخاطب ہوئی ہو۔"
"ہاں۔ تم صحیح راستے پر جا رہے تھے کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کے لیے میں تمہیں پریشان کرتی۔ جب مجھے تمہاری ضرورت پڑی میں تمہارے پاس پہنچ گئی۔" اپسرا نے کہا۔
اور میرا دل ہول کر رہ گیا۔ اس کم بخت اپسرا کی فرمائشیں ایسی ہوتی تھیں۔ جو مجھے ذہنی طور پر شل کر دیتی تھیں۔ میں دھڑکتے دل سے اس کی آواز کا منتظر رہا۔ دیکھیں اب اس پر کیا مصیبت آ پڑی ہے۔
"کیا سوچنے لگے یار داد خان؟"
"کچھ نہیں، تمہاری آواز کا منتظر ہوں۔"
"ہاں، تو میں تمہیں یہ بتا رہی تھی کہ جب مجھے تمہاری ضرورت پیش آئی میں تمہارے پاس آ گئی۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب بھی مجھے تم سے کوئی کام ہو گا تم سے انجام دو گے۔"
"کیا کام ہے اپسرا؟ مجھے بتاؤ۔"
"خوشخبری میں تمہیں پہلے ہی سنا چکی ہوں۔ شاید یہ میرا آخری کام آخری ہی ثابت ہو اور میں اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاؤں۔ تمہیں ہمیشہ کی طرح اسی تندہی اور لگن سے میرا یہ کام کرنا ہو گا۔"
"مجھے بتاؤ تو سہی۔ بے کار الفاظ سے مت کھیلو۔" میں نے کہا۔
"ہوں، مجھے خون درکار ہے۔" اس نے کہا اور ایک لمحے کے لیے میرا بدن لرز کر رہ گیا۔ پتہ نہیں اب وہ کس

ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"یہ ایک لمبی کہانی ہے سلطان! میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔"
"آپ مجھے کیا بتائیں گے انکل! مجھے یہ ساری کہانی معلوم ہو چکی ہے۔"
"معلوم ہو چکی ہے؟"
"ہاں۔"
"کیسے؟"
"ماکازونگا کی زبانی۔"
"کیا؟" میری آنکھیں حیرت زدہ انداز میں پھیل گئیں۔
"ہاں۔"
"ماکازونگا کو میرے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا؟"
"انکل! ہم لوگ آپ سے غافل نہیں تھے۔ ماکازونگا مسلسل آپ کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ لیکن بہت عرصے بعد آپ اس کے ہاتھ لگے۔ اس وقت جب آپ جیل سے رہا ہوئے تھے۔"
"کیا؟ اس وقت ماکازونگا کہاں تھا؟"
"آپ کے بالکل قریب۔ وہ آپ کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ میری کہانی بہت لمبی ہے۔ میں آپ کو تفصیل سے سناؤں گا۔"
"یہ بتاؤ بمبئی میں کب سے ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ اور یہاں تمہاری کیا حیثیت ہے؟"
"میں کہیں نہیں رہتا انکل۔ بس آپ ہی کے پاس آرہا تھا۔ فی الوقت آپ ہی کے پاس رہوں گا۔ لیکن کچھ وقت بعد واپس چلا جاؤں گا۔"
"اوہ! تو سلطان۔ سلطان! کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ایسرا اپنی زندگی سے واقف ہو گئی ہے اور دوسری بات یہ بتاؤ کہ ماکازونگا زندہ ہے یا۔"
"ماکازونگا!" سلطان نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا پھر اپنے ہاتھ کے ناخن پر دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "ہاں وہ زندہ ہے۔"
"یہ تم نے اپنے ہاتھ کے ناخنوں پر کیا دیکھا؟"
"یہ انکل! کہ ایسرا اس وقت آپ پر مسلط تو نہیں ہے۔" "وہ ہے۔"
"اوہ! تو۔ تو ان ناخنوں سے تمہارا مطلب ہے۔"
"اگر ایسرا یہاں ہوتی تو میرے ناخنوں کا رنگ گہرا سیاہ ہو جاتا۔ یہ ماکازونگا کا عطیہ ہے۔ اس نے ایسرا سے بچنے کے لیے بڑے بڑے شاندار کام کیے ہیں۔ جس نے ایسرا کو بالکل ہی ناکام بنا دیا ہے۔ انکل اسے ماکازونگا کی کوشش سمجھیے۔ لیکن دراصل وہ ماکازونگا کی نہیں تھی۔ بلکہ ایک فقیر کی تھی جو سڑکوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا تھا۔ ماکازونگا نے ایسرا کو کامیاب دھوکا دیا ہے اور وہ یہی سمجھتی ہے کہ ماکازونگا مر چکا ہے۔"
"اور تمہارے بارے میں؟"
"میری زندگی کے بارے میں اسے علم ہے۔ یہ بھی ماکازونگا ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ماکازونگا اسے یہ باور کرا کے کہ میں زندہ ہوں ایک خاص کام لیتا رہتا ہے۔"
"اوہ! کمال کی دنیا ہے یہ سلطان! کیا تمہیں عجیب نہیں معلوم ہوتی؟" میں نے پوچھا۔
"ہاں، انکل! بے حد عجیب۔ لیکن بس یوں سمجھ لیں کہ میں کامیابی کے بالکل نزدیک پہنچ چکا ہوں۔"
"کیا واقعی؟"
"ہاں انکل! اب ہماری کامیابی ہم سے صرف چند قدم دور ہے اور ہماری اس کامیابی کا سہرا آپ کے سر ہوگا انکل!"
"میرے سر؟"
"ہاں انکل!"
"وہ کیسے؟"
"آپ ہی تو وہ ہوں گے جو ایسرا کو میرے ہاتھوں ختم کرائیں گے۔ میں صدیوں پرانا انتقام ایسرا سے لینے والا ہوں۔ جانتے ہیں کب؟"
"کب؟" میں نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔
"کل رات اسی وقت جب آپ اس کے مجسمے کو خون سے غسل دیں گے۔"
میری آنکھیں شدید حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ سلطان میرے بارے میں اتنا جانتا ہے۔ میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ میں پاگلوں کی طرح اسے دیکھتا رہا اور سلطان نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اتنے حیران نہ ہوں انکل! ماکازونگا نے ایسرا کو ہر محاذ پر شکست دی ہے۔ اس کی وجہ سے ایسرا کو ہزاروں سال پرانی حکومت چھوڑنی پڑی۔ وہ یہاں تک پہنچی۔ اس نے اپنی جوانی اور دلکشی ماکازونگا کے ہاتھوں گنوا دی اور اب وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس نے اپنا طریقہ زندگی بدل دیا۔ پہلے وہ آگ سے غسل کرتی تھی اور اب وہ خون سے غسل کرتی ہے۔ اور اپنے آپ کو زیادہ تکلیف دے رہی ہے۔ ماکازونگا نے ان رستوں پر بھی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ اور اس کا کامیاب جادو ایسرا کے جادو سے زور رکھتا ہے۔ آپ نہیں جانتے انکل! کہ

سمندری طوفان نے ہم لوگوں کو کیسی کیسی مشکلات سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ ماکازونگا ہی تھا جو مجھے زندہ بچا لے آیا تھا۔ ورنہ ہماری زندگی ممکن ہی نہیں تھی۔"
"آہ! میں اس کا احسان مند ہوں۔ تمہیں دیکھ کر مجھے جس قدر مسرت ہوئی ہے سلطان! میں بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن میں خوف زدہ ہوں۔ اگر تمہیں حالات کا اس قدر علم ہے تو تمہیں یہ بھی علم ہو گا کہ ایسرا نے کس طرح میری زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے۔ وہ مجھ سے کیسے کیسے کام کروا رہی ہے۔"
"آپ کچھ مت سوچیے انکل! ہمیں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"
"تو کیا تمہیں یقین ہے کہ ماکازونگا اس آخری کوشش میں کامیاب ہو جائے گا؟"
"ہاں انکل! ضروری تھی ابھی ہم آپ کے سامنے نہ آتے۔ میں اس کی موت کے بعد ہی آپ سے ملاقات کرتا۔ لیکن آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کا علم ماکازونگا کو ہے۔"
"کون سا فیصلہ؟"
"یہ کہ اس لڑکی کو آپ قتل نہیں کریں گے۔ اور اپنے آپ کو ایسرا کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔"
"مجھے بتاؤ کیا ماکازونگا کو میرے دل کا حال بھی معلوم ہے؟"
"دل کا حال نہیں، وہ ہر لمحہ آپ کے پیچھے لگا رہا ہے۔ اسے صورت حال کا اندازہ ہے۔ وہ جانتا تھا کہ آپ کبھی ایسا نہیں کریں گے۔ آپ کی اپنی فطرت ہی ایسی نہیں ہے۔ اور پھر شاہدہ جیسی لڑکی جسے آپ اس قدر چاہتے ہیں۔"
"سلطان! سلطان! تم مجھے پاگل کر دو گے۔ شاہدہ کے بارے میں اور میرے بارے میں اس قدر جانتے ہو تم۔"
"ہاں انکل! یہ ہماری تمام کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ ہم اپنی زندگی کا اہم ترین مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر لمحہ آپ کے ساتھ لگے رہے ہیں۔"
"خیر اب بتاؤ کہ ماکازونگا نے تمہیں میرے پاس کیوں بھیجا ہے؟"
"اسی لیے انکل! آپ شاہدہ کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ میری ہدایت کے مطابق اس کے قریب پہنچیں گے اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ صرف آپ دیکھتے رہیں گے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ شاہدہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ یہ میرا نہیں ماکازونگا کا وعدہ ہے۔"
"کیا واقعی؟"
"ہاں واقعی انکل! کل ایسرا کا خاتمہ ہو جائے گا۔" سلطان نے جواب دیا اور میں شدت حیرت سے ٹکٹکی اس کی شکل دیکھتا ہی رہ گیا۔
سلطان رخصت ہو گیا لیکن میں بے بسی کا شکار تھا۔ بہرحال اب سارے کام ہوشیاری سے کرنے تھے۔ شاہدہ کو میں نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرتی تھی۔
چنانچہ میں — دوسری رات اسے اپنے ساتھ لے کر ساحل پر پہنچ گیا۔ سمندر میں ایسرا کا مجسمہ ایستادہ نظر آ رہا تھا۔ وقت نزدیک آتا جا رہا تھا۔ میں گویا اپنا کام کرنے کے لیے تیار تھا۔ دفعتاً سمندر میں ہلچل پیدا ہوئی اور پھر اس میں سے دو انسان باہر نکلتے نظر آئے۔ سلطان کے ہاتھ میں تیشہ تھا دوسرا آدمی — ماکازونگا تھا۔
دفعتاً فضا میں ایک بھیانک چیخ ابھری اور میرا دل دہل اٹھا۔ ایسرا کے مجسمے میں حرکت پیدا ہوئی لیکن اس سے قبل کہ وہ آگے قدم بڑھاتی۔ سلطان کا تیشہ اس کی گردن پر پڑا اور اس کی گردن الگ ہو گئی۔ آسمانوں پر شور بلند ہونے لگا تھا۔ عجیب و غریب آوازوں سے فضا ہولناک ہو گئی تھی۔ شاہدہ وہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ سفید سفید دھوئیں کے مرغولے چاروں طرف چکرا رہے تھے۔ اور فضا میں ایک عجیب سی خوشبو رچ گئی تھی۔
"میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا میرے دوستو! جادوگر ملکہ اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ اب اس کائنات میں دوبارہ اس کا وجود نہ ہوگا۔" سلطان کی آواز ابھری۔ اور پھر ایک آواز میرے کانوں نے سنی۔
"جیو میرے بچے! تو نے صدیوں کا قرض چکا لیا ہے۔"
اب ہم پرسکون ہیں۔ یہ آوازیں معدوم ہو گئیں اور اب سمندر کی لہروں کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی۔ بے ہوش شاہدہ کو اٹھا کر ہم واپس چل پڑے۔
ماکازونگا سے بہت عرصے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ سلطان کو میری اس نئی زندگی کے بارے میں معلوم کر کے بہت حیرت ہوئی۔ اور پھر ہم نے مستقبل کے فیصلے کیے۔ سلطان بضد تھا کہ میں سفر واپس چلوں۔ یہاں میرے لیے کوئی دلکشی نہیں تھی۔ چنانچہ چند روز کے اندر میں نے تمام کام نمٹا لیے۔ اپنی دولت شاہدہ کے نام منتقل کر کے ایک رات ہم خاموشی سے سفر پر چل پڑے۔ ماکازونگا اور سلطان میرے ساتھ تھے اور بہت خوش تھے کیونکہ سفر میں ہم ایک نئی پرسکون زندگی کا آغاز کرنے والے تھے۔ ●